قرآن حکیم کی جمال آراء اور حکمت افروز تفسیر

تبصرہ

جلد چہارم

(سورۃ النساء)

سید ریاض حسین شاہ

تھری میم سیرت فاؤنڈیشن درو الا، اسلام آباد

تبصرہ جلد چہارم (سورۃ النساء)

تبصرة وذكرى لكل عبد منيب

سید ریاض حسین شاہ

تَبۡصِرَةً وَّ ذِكۡرٰی لِكُلِّ عَبۡدٍ مُّنِیۡبٍ

تبصرہ

قرآن حکیم کی جمال آراء اور حکمت افروز تفسیر

جلد چہارم

(سورۃ النساء)

سید ریاض حسین شاہ

تھری میم سیرت فاؤنڈیشن درو الا، اسلام آباد

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب	تبصرہ جلد چہارم (سورۃ النساء)
ترجمہ وتفسیر	سید ریاض حسین شاہ
اشاعت اوّل	نومبر 2019ء
اشاعت دوم	
ہدیہ	
اہتمام خصوصی	ڈاکٹر محمد طارق (مانچسٹر)
ناشر	تھری میم سیرت فاؤنڈیشن

در والا، اسلام آباد
042-35838038
0322-4301986

بسم الله الرحمن الرحيم

مولای
صل
وسلم
دائما ابدًا
علی حبیبک
خیر الخلق کلهم

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

سورۃ النساء

ایک سو چھہتر آیات پر مشتمل

سورۃ النساء رحمۃ للعلمین آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے مبارک دل پر مدنی زندگی میں نازل ہوا

یہ مظلومین کے لیے سکون و راحت کا نغمۂ خلود ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''سورۃ النساء'' قرآن مجید کی چوتھی سورت ہے اور اس کا روحانی اور ادبی اسلوب معاشرتی حسن کا دلآویز اور شفاف آئینہ ہے۔ اس کی تحریکات اور دعوات پوری طاقت کے ساتھ انسان پر زندگی کا حسن بے نقاب کر دیتی ہیں۔ حیرتوں کا جہاں عرش کا پایہ پکڑ لیتا ہے جب یہ سورت اپنے نام کا اعلان کرتی ہے۔ اس عرشی کلام میں مردوں کے لیے بہت کچھ ہے لیکن اس میں رجال نام کی کوئی سورت نہیں۔ مذاہب کا ادب کھنگالنے والوں کے لیے کیا یہ نسیم جنت کا لطیف جھونکا نہیں کہ اسلام اور قرآن عورت کو کتنا مالا مال کر دیتا ہے جب وہ اعلان کرتا ہے کہ خواتین اپنی فضیلتوں اور عظمتوں کی تاریخ سورۃ النساء کے پہلے صفحہ پر ہی پڑھ سکتی ہیں۔

سورت کا آغاز اللہ تعالیٰ کی شانِ وحدانیت اور شانِ ربوبیت کے بیان سے ہوتا ہے پھر تخلیق انسانیت کو ایک ہی اصل سے مربوط کیا جاتا ہے اور معاشرے کو صالح معاشرہ بنانے کے لیے رشتوں اور ناطوں کی اہمیت بیان کی جاتی ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ مذہب وہی وسیع اور مضبوط ہوتا ہے جس میں عائلی قوانین کی بنیادیں مضبوط ہوتی ہیں۔ سورت کے پہلے حصہ میں مسلم خاندان کی تنظیم، مسلم معاشرہ کی تشکیل اور انسانی معاشرہ کی تطہیر کے لیے ٹھوس تعلیمات کی اساس قائم کر دی جاتی ہے اور اسلامی معاشرت کے فضائل قرآن اتنی خوبصورتی کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ جاہلی معاشرہ کی محرومیاں خود بخود واضح ہو جاتی ہیں۔

عصر رواں کا اقتصادی ادب تقسیم دولت کو انتہائی اہم جانتا ہے لیکن مذاہب کی قدیم تاریخ سکوت وجمود کے گلیشیئر میں کھبی ہوئی محسوس ہوتی ہے لیکن سورۃ النساء ''مطلعِ دعوت'' کے افق پر تقسیم دولت کا نیا اور تازہ سورج لے کر نمودار ہوتی ہے اور وراثت کا قانون جہاں ترکہ کی تقسیم کے لیے حکمتوں کی روشنیاں بانٹتا ہے وہاں صدیوں سال پہلے تقسیم دولت کی ایک ایسی نہج قائم کرتا ہے کہ قاریٔ قرآن محسوس کرنے لگ جاتا ہے کہ سورۃ النساء ملکوتی اور لاہوتی عطاؤں کا ایک گنجینۂ رحمت ہے۔

عدل اور انصاف وہ نہیں ہوتا جو کمروں کے اندر ترازو لٹکا کر اس مصنوعی تصویر کے نیچے کرب وضرب کے سیاہ سمندر میں مدو جزر پیدا کرنے سے نظر آتا ہے۔ عدل ایک صالح نظام کا مرہون منت ہوتا ہے۔ ایسا نظام جس میں احترامِ آدمیت کی

ضمانت دی جاتی ہے۔ سورۃ النساء میں حاکمیت کا رخ آسمان کی بلندی سے اتر کر خاکِ مدینہ پر اترتا نظر آتا ہے اور یہ عظیم اور خوشبو خوشبو سورت اعلان کر دیتی ہے کہ انسانی معاشرت میں امن کا نور اس وقت تک جگمگا نہیں سکتا جب تک مصطفیٰ کریم ﷺ کو حاکم نہ تسلیم کر لیا جائے۔ حیرتوں کی انتہا قرآنی عدل سورۃ النساء میں یہودیوں تک کو ان کی کمینگیوں کے باوجود چشمۂ حیوان کا راستہ بتا دیتا ہے، فیض یاب ہونا تو بخت کی بات ہے۔

سورۃ النساء کا وہ حصہ عرشی حکمتوں اور معارف کے انوار پوری کرامت کے ساتھ بکھیرتا نظر آتا ہے جہاں مسلمانوں میں قیادت کی اطاعت کا شعور پیدا کیا جاتا ہے، یہاں پہنچ کر جماعتی نظم و نسق کو سانس لینے کے لیے تازہ فضا میسر آجاتی ہے۔ اہل امر کی اطاعت ہی نظاموں کے وجود میں روح کی حیثیت رکھتی ہے۔

سورۃ النساء اللہ کا کلام ہے لیکن وہ اپنے الوہی نصب العین کے گرد اگرد ایسے گھومتا ہے جیسے کوئی زندہ وجود اپنے معشوق کو شمع حسن تصور کرتے ہوئے اس پر پروانے کی طرح نثار ہوتا ہے۔ لفظ لفظوں کی فوج نظر آتے ہیں اور حرف حرفوں کا مرکز محسوس ہوتے ہیں۔ سورۃ النساء میں ہر سُو خوبصورتی روحوں کو کھینچتی ہے، ترتیب میں شہامت، اسلوب میں تازگی، فقروں میں زندگی، تخاطبات میں جلوے، فیصلوں میں تعمق اور اذکار میں قرب کی خوشبو دلوں کو ٹھنڈا کرتی ہے۔

سورۃ کے سینے میں تعددِ ازواج کا قانون، جرائم کی سزا، فضیلتوں اور ذمہ داریوں کا تعین، وضو اور غسل کے احکام، نمازوں کے سجدے، ہجرت کے لیے اسفار میں تنوع اور ان گنت مسائل کے نگینے ہیں جو راز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سرِ دلبراں کی ڈبیہ کو کھولتے ہی سے خوشبوئیں روح کو معطر کرتی ہیں۔

آیئے! سورت میں سنہری حروف کی جھلملاتی کائنات سے معانی و مطالب تلاش کرنے میں سبقت لے جائیں، شفاء اور اطمینان تو اللہ ہی کے کلام میں ہے۔ ادراکات اور شعور کی دنیا کتنی شفاف ہے، سکون بخش ہے اور انقلاب آفریں ہے، ہر حرف کے شب چراغ پر غیبی ہاتھ سے روشن ہونے والی مشعلیں نور بانٹ رہی ہیں۔

روحوں اور دلوں کے پیاسے قافلے سورۃ النساء کے چشمۂ حیات سے زندگی کی پیاس بجھا سکتے ہیں۔

واللہ اعلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ
خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴿١﴾
وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا
تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ﴿٢﴾

(1) اے لوگو! اپنے اس پالن ہار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے پھیلا دیے کثرت کے ساتھ مرد اور عورتیں اور ڈرو اللہ سے جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور قرابتوں کے بارے میں بھی ڈرتے رہو بے شک اللہ تمہارا نگہبان و نگران ہے

(2) اور دے دو یتیموں کو ان کے مال اور پاکیزہ کو گندے سے تبدیل نہ کیا کرو اور نہ ہی ان کے مالوں کو اپنے مالوں سے ملا کر کھایا کرو بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے

مفردات

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً‌ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيۡبًا ①

''اے لوگو! اپنے اس پالن ہار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے پھیلا دیے کثرت کے ساتھ مرد اور عورتیں اور ڈرو اللہ سے جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور قرابتوں کے بارے میں بھی ڈرتے رہو بے شک اللہ تمہارا نگہبان ونگران ہے''۔

''یَاَیُّھَاالنَّاسُ'' کا خطاب

یہ خطاب، حکمت سے لبریز خطاب اور صوری اور معنوی جمال سے بھرپور خطاب تمام انسانیت سے ہے۔ آواز میں ضعیف اور نزار انسانوں کو مضبوط کرنے اور سڑے سکڑے ہوئے شرافت سے محروم انسانوں کو مالا مال کرنے کے لیے ربِّ واحد کی طرف بلایا گیا ہے۔ دل ہلا دینے والی یہ آواز مبدا سے معاد تک چھائی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اس میں تقویٰ کا حکم ہے پھر زینتِ حیات، تعمیر کائنات اور ارتقائے دعوات کا روحانی مرکز ''ترویج'' کو قرار دیا گیا ہے۔ مضامین کی فکری ترتیب یہ ہے:

1۔ پیغام بنام انسانیت
2۔ تقویٰ کا ایمانی، عملی اور روحانی قیام
3۔ ربوبیت اور ربّ کی پہچان
4۔ ایک جان سے پیدا ہونا
5۔ وحدت سے تزویج کا ارتقائی سفر
6۔ جوڑے سے عورتوں اور مردوں کا پھیلا دینا
7۔ تقویٰ کا مکرر حکم
8۔ رشتوں اور قرابت داری کا تقدس اور تہذیب وتمدن کی اہم اساس
9۔ اللہ تعالیٰ کی توحید شناسی
10۔ صفات باری پر ایمان خصوصاً یہ جاننا کہ وہ تمام انسانوں پر نگہبان ہے۔

بظاہر یہ باتیں بہت سادہ لیکن حقیقت میں یہ عظیم حقائق ہیں۔ یہ بات تو قرآن مجید کی اس آیت

يَاَيُّهَا: اے
النَّاسُ: لوگو
اتَّقُوۡا: ڈرو
رَبَّكُمُ: اپنے پروردگار سے
الَّذِىۡ: وہ جس نے
خَلَقَكُمۡ: پیدا کیا تمہیں
مِّنۡ: سے
نَّفۡسٍ: جان سے
وَّاحِدَةٍ: ایک ہی
وَّخَلَقَ: اور پیدا کیا
مِنۡهَا: اس سے
زَوۡجَهَا: اس کا جوڑا
وَبَثَّ: اور پھیلا دیا
مِنۡهُمَا: ان دونوں سے
رِجَالًا: مرد
كَثِيۡرًا: بہت ہی زیادہ
وَّنِسَآءً: اور عورتیں
وَاتَّقُوا: اور ڈرو
اللّٰهَ: اللہ
الَّذِىۡ: وہ جس کے
تَسَآءَلُوۡنَ: تم سوال کرتے ہو
بِهٖ: اس کے ذریعے
وَالۡاَرۡحَامَ: اور پیٹوں کی رشتہ داریاں
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
كَانَ: ہے
عَلَيۡكُمۡ: تم پر
رَقِيۡبًا: نگہبان

سے کھل کر قاریٔ قرآن کے سامنے آجاتی ہے کہ انسانیت کے حقوق کے لیے عصرِ رواں کے خونی دعویدار ابھی ظلمات ثلاثہ میں سرگرداں تھے جب اسلام انسانیت کی بات کرتا تھا۔ اسلام انسانوں کو بانٹتا نہیں ان کی صفوں میں اتحاد لانے کے لیے ان کو ان کی تاریخ یاد کرواتا ہے کہ وہ سب ایک ہی جان سے پیدا کیے گئے ہیں۔ ایک انسان سے پیدا ہونے کا تصور ہی رحم و محبت کے جذبات کو جنم دیتا ہے اور بگاڑ و فساد کی ظلمت ختم ہو جاتی ہے۔

آیت میں نسوانیت اور رجولیت کو باہم مربوط کر کے بیان کیا گیا ہے۔ قرآن سے ہٹ کر اگر انسانوں کی سوچیں زیرِ غور لانے کی زحمت گوارا کی جائے تو عجیب و غریب قسم کے تصورات عورت کی طرف منسوب کیے گئے ہیں اور اسے گناہ اور گندگی کا منبع سمجھا گیا ہے اور قرآن کی اس آیت کے مطابق عورت اپنی طبیعت، مزاج اور تاریخ کے اعتبار سے نفس اول کا جزو ہے۔ عورت اور مرد صاف ہیں تو دونوں صاف ہیں اور عظیم المرتبت ہیں تو دونوں فضیلت مآب ہیں اس لیے کہ دونوں ایک دوسرے سے ہیں۔ دونوں کی فطرت میں کچھ فرق نہیں، ہاں اتنا ضروری ہے استعداد اور صنفی فرائض کی ادائیگی میں فرق ہے۔

آیت اسلام میں تبلیغ کی ''نفسیات'' بھی متعین کرتی ہے کہ جب زندگی کا ابتدائی سیل (Cell) خاندان ہے تو انوارِ الٰہیہ کی تبلیغ بھی یہیں سے شروع ہونی چاہیے۔ رحمت عالم ﷺ نے تبلیغ کا کام خاندان ہی سے شروع فرمایا اور اسی خاندانی اہمیت کی وجہ سے اسلام نے اسے بڑی اہمیت اور فضیلت بخشی ہے، یہی وجہ ہے کہ خاندان کی شیرازہ بندی اور استحکام کے لیے اسلام نے بڑی تدابیر دی ہیں۔ قرآن مجید کی یہ آیت عورت ذات کے حوالے سے ہر ناروا روش کی مذمت ہی نہیں کرتا ہے بلکہ تقویٰ کا ایک مؤثر نظام دیتا ہے جس پر کاربند ہونے کی بار بار دعوت دی جاتی ہے۔ آیت کا روحانی عمود یہی تقویٰ ہے۔

تقویٰ سے مراد کیا ہے؟

ابوحیان اندلسی البحر المحیط میں رقم طراز ہوتے ہیں (1):

> ''یہاں اس آیت میں تقویٰ سے مراد یہ ہے جس چیز کے ملانے کا اللہ نے حکم دیا ہے اسے ملاؤ اور رشتہ داریوں سے منقطع نہ ہو، یہ واجب ہے اور ان حقوق کی حفاظت کرو جن سے صلۂ رحمی ممکن ہوتی ہے''۔

مفردات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تقویٰ سے اطاعت مراد لیتے تھے اور مقاتل نے تقویٰ کا معنیٰ ڈرنا کیا ہے اور کبائر اور صغائر سے بچنا بھی تقویٰ کی تعریف میں لایا گیا ہے۔

''تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ'' کا مفہوم

''تَسَآءَلُوۡنَ'' تسائل کے مادہ سے ہے جس کا معنیٰ ومفہوم ایک دوسرے سے سوال کرنے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جب لوگ ایک دوسرے سے کوئی چیز مانگیں تو اللہ کا نام استعمال کرتے ہیں۔ یہ چیز اللہ کے نام کی عظمت اور کبریائی کی نشانی ہے۔ اب جملہ کا معنیٰ یہ ہوگا کہ جس نام کی کبریائی تم تسلیم کرتے ہو اور چھوٹے بڑے معاملات میں تم اسی کے نام کے واسطے دیتے ہو، رشتہ داریوں اور صلۂ رحمی کے معاملے میں اس اللہ سے ڈرو یعنی رحم کو منقطع نہ کرو بلکہ اس کو جوڑو۔ ارحام کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جائے کہ اللہ نے اپنے نام کے ساتھ ہی اسے جوڑ دیا ہے۔

دوسرا معنیٰ یہ بھی ہے کہ تم سب چونکہ نفس واحد سے ہونے کے اعتبار سے ایک دوسرے سے جڑے ہو اس لیے کوئی شخص کسی بھی کنبے قبیلے کا ہو اس سے مل کر رہو۔ احترام آدمیت کی کتنی مضبوط بنیاد بتائی گئی ہے۔

وَاٰتُوا الۡيَتٰمٰۤى اَمۡوَالَهُمۡ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الۡخَبِيۡثَ بِالطَّيِّبِ ۖ وَلَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَهُمۡ اِلٰۤى اَمۡوَالِكُمۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوۡبًا كَبِيۡرًا ۝۲

''اور دے دو یتیموں کو ان کے مال اور پاکیزہ کو گندے سے تبدیل نہ کیا کرو اور نہ ہی ان کے مالوں کو اپنے مالوں سے ملا کر کھایا کرو بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے''۔

سورۃ النساء کی اس آیت میں اسلامی قانون کی صفتِ توازن بیان ہوئی ہے اور مظلومین کو جس طرح قرآن ٹیک اور سہارا دیتا ہے اسے خصوصی اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ وہ بچے جن کے باپ حوادث یا طبعی پیغام اجل کی وجہ سے فوت ہو جائیں یتیم کہلاتے ہیں۔ سورۃ النساء ان کے بارے میں اسلامی مزاج، سوچ اور احکام واہتمام لے کر جلوہ فگن ہوتی ہے اور اعلان کر دیتی ہے کہ یتیموں کے اموال میں خیانت حرام ہے۔

اصل میں ہوا یہ تھا کہ بنو غطفان قبیلہ میں ایک شخص کا بھائی بہت دولت مند تھا۔ وہ دنیا سے چل بسا تو اس کے بھائی نے اپنے یتیم بھتیجوں کی سرپرستی کے نام پر ان کے مال میں بے جا تصرف کیا۔ بھتیجا جب بالغ ہوا تو اس کے اموال کی تفویض میں کوتاہی کی۔ مقدمہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابھی ابھی یہ آیت نازل ہوئی''، اس پر مال غصب کرنے والے نے توبہ

وَاٰتُوا: اور دو
الۡيَتٰمٰى: یتیموں
اَمۡوَالَهُمۡ: ان کے اموال
وَلَا: اور نہ
تَتَبَدَّلُوا: تبدیل کرو
الۡخَبِيۡثَ: برا مال
بِالطَّيِّبِ: بدلے اچھے مال کے
وَلَا تَاۡكُلُوۡۤا: اور نہ کھاؤ
اَمۡوَالَهُمۡ: ان کے اموال
اِلٰۤى: کی طرف
اَمۡوَالِكُمۡ: اپنے اموال کے ساتھ ملا کر
اِنَّهٗ: بے شک وہ
كَانَ: ہے
حُوۡبًا: گناہ
كَبِيۡرًا: بہت بڑا

کر لی اور مال بھتیجے کے سپرد کر دیا(2)۔

- قرآن مجید کی اس آیت میں پہلا حکم یہ دیا جا رہا ہے کہ یتیموں کے اموال ان کے سپرد کر دو۔ تمھیں اگر وکیل ورقیب کی حیثیت سے کچھ وقت کے لیے تصرف کی اجازت دی گئی تھی تو اس کا یہ معنیٰ تھوڑا ہی نکلتا ہے کہ تم ان کے اموال کے مالک بن جاؤ۔ یتیم بچے جونہی بلوغت کی عمر کو پہنچ جائیں ان کی امانتیں ان کے سپرد کر دو۔
- دوسرا حکم آیت میں گندے مال اور صاف مال میں اقتصادی اعتبار سے اور روحانی لحاظ سے فرق کو ملحوظ خاطر و عمل رکھنا ہے۔ قرآن مجید واضح اسلوب میں حکم دیتا ہے کہ یتیموں کے اعلیٰ اور پاکیزہ مال کو اپنے گھٹیا اور ناپاک مال سے تبدیل نہ کرو۔ قرآن مجید نے یہ حکم دے کر سفلی اور غلیظ حیلہ گری سے بھی روک دیا۔ یتیموں کو ظلم سے بچانے کا یہ شرعی اور روحانی اسلوب ہے۔
- آیت کا تیسرا حکم یہ ہے کہ یتیموں کے اموال کو اپنے اموال کے ساتھ ملا کر یہ حیلہ گری ہرگز نہ کرو کہ پہلے ان کے مال کے مالک بن جاؤ پھر سارا مال ہی ہڑپ کر جاؤ یا پھر آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنے بُرے مال کو ان کے اچھے مال میں ہرگز نہ ملاؤ، یہ حکم یتیموں کے اموال کو پائمال ہونے سے بچانے کے لیے ہے۔

لفظ ’’حوب‘‘ کی تشریح

تاج العروس نے لکھا کہ ’’حوب‘‘ اور ’’حاب‘‘ دونوں لفظ بنیادی طور پر اونٹوں کو ڈانٹنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں(3)۔

راغب اصفہانی نے لکھا کہ ’’الحوبہ‘‘ ضرورت کے پورا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، ایسی حاجت جو محتاج کو ارتکاب جرم پر مجبور کر دے(4)۔

ائمہ لغت نے ’’حوب‘‘ کا معنیٰ بیماری، وحشت، حق تلفی اور گناہ بھی لکھا ہے۔ حاجت اور مسکنت کا مفہوم بھی ’’حوب‘‘ میں سمویا گیا ہے(5)۔

ہلاکت، غم و فکر اور درد سے بھرا ہونا بھی ’’حوب‘‘ کا معنیٰ لکھا جاتا ہے۔ آیت میں گناہ کے بڑا ہونے کے معنیٰ میں یہ لفظ لایا گیا ہے(6)۔

واللہ اعلم

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ
مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ
اَیْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ ﴿۳﴾
وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ
نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ﴿۴﴾
وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ
فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۵﴾

(3) اور اگر تم خوف رکھو کہ یتیموں کے بارے میں تم انصاف نہ کرسکو گے تو جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرلو دو دو سے اور تین تین سے اور خواہ چار چار سے پس اگر تمہیں عدل قائم نہ رکھ سکنے کا اندیشہ ہو تو پھر ایک ہی سے نکاح کرو یا پھر وہ کنیزیں ہیں جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہوئے ہیں یہی قریب تر ہے کہ تم زیادتی نہ کرنے پاؤ

(4) اور تم عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دیا کرو، ہاں اگر وہ خود خوش ہو کر تمہارے لیے کوئی چیز چھوڑ دیں تو پھر مزے سے اسے خوشگوار سمجھتے ہوئے کھاؤ

(5) اور تم اپنے مال ناسمجھ لوگوں کے سپرد نہ کیا کرو ایسے اموال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے رہنے کا ذریعہ بنا دیا ہے اور اس میں یہ ہے کہ انہیں کھلاتے رہو اور پہناتے رہو اور ان سے اچھی بات کہو

مفردات

وَ: اور
اِنۡ: اگر
خِفۡتُمۡ: تم کو اندیشہ ہو
اَلَّا: یہ کہ نہ
تُقۡسِطُوۡا: تم انصاف کر سکو گے
فِی: میں، کے بارے میں
الۡیَتٰمٰی: یتیم بچیوں کے بارے میں، یتیم کا معنیٰ بچہ ہو یا نابالغ بچی سب پر یکساں اطلاق ہوتا ہے
فَانۡکِحُوۡا: تو نکاح کرلو
مَا طَابَ: جو پسند آئے
لَکُمۡ: تمہارے لیے
مِّنَ: سے
النِّسَآءِ: عورتیں
مَثۡنٰی: دو دو
وَ ثُلٰثَ: اور تین تین
وَ رُبٰعَ: اور چار چار
فَاِنۡ: پس اگر
خِفۡتُمۡ: تمہیں خوف ہو
اَلَّا: یہ کہ نہ
تَعۡدِلُوۡا: تم عدل کر سکو گے
فَوَاحِدَۃً: تو ایک ہی
اَوۡ: یا
مَا مَلَکَتۡ: جن کے مالک بنیں
اَیۡمَانُکُمۡ: تمہارے ہاتھ
ذٰلِکَ: یہ
اَدۡنٰۤی: زیادہ قریب ہے
اَلَّا: کہ نہ
تَعُوۡلُوۡا: تم جھک جاؤ ایک ہی طرف

وَ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی فَانۡکِحُوۡا مَا طَابَ لَکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَۃً اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ؕ ذٰلِکَ اَدۡنٰۤی اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ﴿۳﴾

''اور اگر تم خوف رکھو کہ یتیموں کے بارے میں تم انصاف نہ کرسکو گے تو جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرلو دو دو سے اور تین تین سے اور خواہ چار چار سے پس اگر تمہیں عدل قائم نہ رکھ سکنے کا اندیشہ ہو تو پھر ایک ہی سے نکاح کرو یا پھر وہ کنیزیں ہیں جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہوئے ہیں یہی قریب تر ہے کہ تم زیادتی نہ کرنے پاؤ''۔

''یتامیٰ'' کی تشریح

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں (7):

> ''یتامیٰ'' یتیم کی جمع ہے اس سے مراد وہ بچہ ہوتا ہے جس کا باپ فوت ہو جائے۔ لفظ یتیم ''یتم'' سے مشتق ہے جس کا معنیٰ اکیلا ہونا ہوتا ہے۔ وہ اکیلا موتی جو سیپ میں تیار ہو ''درۃ یتیمہ'' کہلاتا ہے۔

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں (8):

> ''یتیم اگرچہ صفتِ مشبہ کا صیغہ ہے لیکن یہ اسماء کی طرح مستعمل ہے اس لیے یتیم کی جمع یتائم آتی ہے پھر اس کی جمع الجمع ''یتامیٰ'' ہوگئی ہے جیسے اسیر سے اسریٰ اور پھر اس کی جمع اساریٰ آجاتی ہے''۔

صاحب کبیر لکھتے ہیں کہ لغت کی رو سے تو ہر بچہ جس کا باپ نہ ہو یتیم ہوتا ہے لیکن آیت میں اس کی تخصیص نابالغ ہونے کے ساتھ کردی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بالغ ہونے کے بعد یتیمی نہیں ہے''۔ آیت میں معنیٰ یہ ہے کہ یتیم بچے جب بالغ ہو جائیں تو ان کے اموال ان کے سپرد کردو (9)۔

شانِ نزول

فہم آیت کے لیے شانِ نزول کا جاننا ازحد ضروری ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ بات معاشرہ میں

شائع تھی کہ لوگ کفالت اور سرپرستی کے لیے یتیم بچیوں کو گھر لے جاتے اور پھر ان سے شادی رچا کر ان کے مال کو اپنی ملکیت بنا لیتے۔ ظلم کی انتہا کہ ان کے مہر کی ادائیگی میں بھی زیادتی کی جاتی۔ مال قبضہ گروپ کی طرح سنبھال کر کسی معمولی تلخی کی بنیاد پر منکوحہ کو طلاق دے دی جاتی۔ آیت یہ رہنمائی کرتی ہے کہ اگر تم لوگ یتیمات سے مال کے لیے شادی کرتے ہی ہو تو عدل و انصاف کو ملحوظ خاطر رکھو۔ اگر عدل تم سے ممکن نہ ہو تو پھر ضروری تو نہیں کہ یتیمہ ہی سے شادی کرو، دوسری عورتیں جو ہیں تم ان سے شادی کے لیے عورتیں منتخب کر لو۔ اگر بھوک بہت زیادہ ہو گئی تو دو شادیاں کر لو، تین کر لو اور چار کر لو، کفالت اور سرپرستی کا تقدس تو فنا نہ کرو۔

زمانۂ جاہلیت اور مناکحت کی صورتیں

- عرب آبادی مختلف طبقات پر مشتمل تھی۔ ہر طبقہ اور قبیلہ اپنی اپنی رسوم رکھتا۔ یہ صرف اور صرف ہاشمی اور اشراف تھے جن میں عورت کو عزت دی جاتی اور ان کی عورتوں کو کافی حد تک اپنے بارے میں فیصلے کرنے کا اختیار تھا لیکن ان کے اولیاء اور خاندانی بزرگ جس وقت فیصلہ کرتے اسے عزت دی جاتی۔ عورتوں کی عفتوں کی محافظت میں تلواریں اٹھالی جاتیں۔ ان کی عورتیں چاہتیں تو قبائل کو شیر و شکر کر دیتیں اور ان کے ہاں عورت کو حق نہیں تھا کہ وہ فیصلۂ نکاح خود کرتیں، ان کے سرپرست اس معاملہ میں خود مختار تھے۔ حضور ﷺ اور خدیجۃ الکبریٰ کا نکاح مثالی ہے۔
- نکاح کی دوسری صورت یہ ہوتی کہ عورت جب حیض سے پاک ہوتی تو اس کا شوہر خود اس کو کہتا کہ فلاں شخص کے پاس جا کر قربت کرو۔ شوہر خود اس سے الگ تھلگ رہتا۔ جب حمل واضح ہو جاتا تو شوہر عورت کے پاس جا کر مقاربت کرتا صرف اس لیے کہ لڑکا شریف اور باکمال پیدا ہو۔ اس نکاح کو استبضاع کہا جاتا۔
- نکاح کی تیسری صورت یہ ہوتی کہ دس آدمیوں سے کم ایک گروہ اکٹھا ہوتا وہ سب ایک ہی عورت سے بدکاری کرتے اور جب وہ عورت حاملہ ہوتی تو وہ ان لوگوں کو بلا لیتی جنہوں نے اس سے بدکاری کی ہوتی۔ کسی کی مجال نہ ہوتی کہ وہ نہ آئے۔ عورت پھر جس کا نام لے پیدا ہونے والا بچہ اس کی طرف منسوب ہو جاتا۔
- چوتھی صورت یہ تھی کہ جوان جوان اور خوبصورت لونڈیوں کو کوٹھوں پر بٹھا دیتے اور ان کے دروازوں پر جھنڈے لگا دیے جاتے کہ جنہیں دیکھ کر دور ہی سے دیکھ لیا جاتا کہ جنسی

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

حاجت منداپنی خواہش یہاں پوری کر سکتے ہیں۔ یہ عورتیں ''قلیقیات'' کہلاتی تھیں اور ایسے گھروں کا نام ''مواخیر'' ہوتا۔عبداللہ بن ابی منافق نے بھی ایسا ہی ایک گھر رکھا ہوا تھا۔ جاننے کی بات یہ ہے کہ ان عورتوں کا اگر بچہ پیدا ہوجاتا تو مواخیر کا مالک جس کا نام چاہتا اس کی طرف بچہ منسوب کردیتا۔ ایسے حرامی بچے فوج میں شامل کر لیے جاتے۔

- پانچویں صورت تلوار اور طاقت کے بل بوتے پر عورتوں پر قبضہ کرنے کی تھی۔ مغلوب قبائل کی عورتوں کے ساتھ یہی سلوک ہوتا۔
- چھٹی صورت دو سگی بہنوں کو ایک ہی نکاح میں جمع کر لینے کی تھی۔ رشتوں کے تقدس کو پائمال کرنے کی یہ گھناؤنی صورت تھی۔
- ساتویں ایک گھناؤنی صورت یہ بھی تھی کہ مال اندوزی کے لیے دس دس یتیم بچیوں سے شادی کرلی جاتی اور یہ شادی جنس رانی کے لیے نہ ہوتی مال اندوزی کے لیے ہوتی، بالغ نابالغ کی بھی قید نہ ہوتی، پیسہ ہڑپ کرنے کے بعد عورتوں کو کھسکا دیا جاتا۔

بدکاری کی تمام صورتیں ختم

سورۃ النساء کا انسانی معاشرت پر سب سے بڑا احسان یہ ہوا کہ بدکاری کی تمام صورتیں یکسر حرام کر دی گئیں اور نکاح کے ذریعے اولاد تلاش کرنے کی بنیاد فراہم کی گئی اور جاہلی معاشرہ کا سب سے بڑا اعتراض کہ یتیم بچیوں کو بے سہارا کرنا تو ظلم عظیم ہے، اسلام نے تعددِ ازواج کے قانون میں اعتدال کا مزاج قائم رکھا۔ ہو یہ رہا تھا کہ لوگوں نے دس دس عورتوں سے شادیاں رچا رکھی تھیں مثلاً بخاری کی روایت ہے کہ غیلان ابن سلمہ ثقفی جب اسلام لائے ان کی دس بیویاں موجود تھیں۔ اسے حضور ﷺ نے حکم دیا کہ ان میں سے چار کو چن لو۔ سنن ابی داؤد کی روایت ہے کہ عمر اسدی کہتے ہیں: جس وقت میں نے اسلام قبول کیا میری آٹھ بیویاں تھیں۔ حضور ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ ان میں سے چار کو چن لو۔ نوفل بن معاویہ کہتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے کے وقت میری پانچ بیویاں تھیں۔ حضور ﷺ نے ان میں سے چار کے منتخب کرنے کا حکم سنا دیا (10)۔

اصل میں اسلام نے زیادہ شادیاں کرنے کی تحریص پیدا نہیں کی بلکہ زیادہ بیویاں رکھنے کے قانون میں تحدید کی اور صرف عدل کی قید کے ساتھ چار تک شادیاں کرنے کی اجازت دے دی گئی اور قانون سازی میں اعتدال کا مزاج قائم رکھا اور معاملہ کو خواہش نفس پر نہیں چھوڑ دیا گیا بلکہ عدل و انصاف کے ساتھ اسے مربوط کردیا گیا۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

مفردات

وَاٰتُوا: اور دو، عطا کرو اور ادا کرو وغیرہ
النِّسَآءَ: عورتوں کو اشارہ ،یتیم بچیوں کی مائیں ہیں، لفظ کو عام اس لیے رکھا گیا کہ مہر کی ادائیگی کا معاشرتی مقام کھل کر سامنے آجائے
صَدُقٰتِهِنَّ: ان عورتوں کے مہر
نِحۡلَةً: دینا، بخشش کرنا اور عطیہ سے نوازنا
فَاِنۡ: تو اگر
طِبۡنَ: خوشی سے وہ دیں
لَكُمۡ: تمہارے لیے
عَنۡ شَىۡءٍ: کسی چیز سے
مِّنۡهُ: اس میں سے
نَفۡسًا: خود
فَكُلُوۡهُ: تو کھاؤ اسے یعنی قبول کرو
هَنِيۡٓـئًا: خوشی سے، کھل کر، رچ بچ کر، حلال اور مناسب
مَّرِيۡٓـئًا: بغیر کسی رکاوٹ کے، ایسے شئ کھانا جس سے باطن سیراب ہوجائے

آیت کے روحانی اہداف

آیت کو غور سے پڑھنے پر اسلامی معاشرہ کے پانچ روحانی اہداف سامنے آتے ہیں:

- پہلا ہدف یہ ہے کہ معاشرہ کے اندر مہلک مادی بے راہ روی کا خاتمہ کیا جائے اور رشتوں ناتوں کے اندر جو مال اندوزی کے رجحانات ہیں ان کی حوصلہ شکنی کی جائے اور اس سلسلہ میں ایک متوازن قانون دیا جائے جو عورتوں خصوصاً یتیم بچیوں کے حقوق کی حفاظت کرے۔
- دوسرا روحانی ہدف یہ ہے کہ اسلام ایک صاف ستھرا اور معتدل شادی اور مناکحت کا قانون دے جس سے کوٹھہ گری کی تہذیب دم توڑے اور معاشرہ پاکیزہ بنیادوں پر استوار ہو اور خواہشات کی تکمیل کے لیے جائز راستوں کی حوصلہ افزائی کی جائے اور انسان کا بھرپور طبعی اور نفسیاتی مطالعہ کیا جائے اور اس سلسلہ میں کسی کو نہ تو فطری ضرورتوں کی تکمیل سے محروم کیا جائے اور نہ ہی اس کو جنسیات میں تھوک فروش بنا کر کچل دیا جائے۔
- آیت کا تیسرا روحانی ہدف عدل اور انصاف کو گھریلو اور عائلی زندگی میں نافذ کرنے کا ہے۔
- چوتھا یہ کہ معاشرہ اگر جنگی ہو جائے اور مغلوب ہو کر وہ خواتین جو اسلامی طرزِ حیات کو تسلیم نہ کرتی ہوں انہیں اسلامی ریاست میں جنسی انارکی پھیلانے سے روکنے کے لیے مخصوص حالت میں مسلمان مجاہدین کے حوالے کر دیا جائے تاکہ ان کی نگہداشت بھی ہو اور ان کی جنسی خواہشات کی تکمیل کا ایک راستہ بھی ہو اور مخصوص وقت کے بعد دھیرے دھیرے انہیں آزادی کی دہلیز تک پہنچا دیا جائے۔
- پانچواں روحانی ہدف اسلامی نظام کی کامیابی کے حصول کے لیے عائلی نظام کی درستگی کو قرار دیا گیا ہے اور معاشرہ میں ظلم وستم کو ختم کرنے کے لیے کام کا آغاز گھر سے کیا گیا ہے اور مسلمانوں کے مزاج کی تربیت کی گئی ہے کہ قانون پسند شہری بن کر زندگی بسر کریں۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً ؕ فَاِنۡ طِبۡنَ لَكُمۡ عَنۡ شَىۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا فَكُلُوۡهُ هَنِيۡٓـئًا مَّرِيۡٓـئًا ۝۴

''اور تم عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دیا کرو، ہاں اگر وہ خود خوش ہو کر تمہارے لیے کوئی چیز چھوڑ دیں تو پھر مزے سے اسے خوشگوار سمجھتے ہوئے کھاؤ''۔

''وَاٰتُوا'' ایک ایسا کلمہ ہے جو مرد کی مردانگی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ دینے والا ہاتھ فائق ہوتا ہے،

فضیلت مآب ہوتا ہے اور دینے والے کی وسیع اور مؤثر ذات ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ مرد بیاہ کر دیا نہیں جاتا وہ عورت کو بیاہ کر لاتا ہے۔ گھر مرد کا آباد ہوتا ہے عورت تو گھر چھوڑ کر آتی ہے، اس لیے اعتماد دینا مرد کی دلیل فتوت اور ضرورت ہوتی ہے، اس لیے عورت کا دل خوش کرنے کے لیے مرد ہی کے ہاتھ کو دینے والا ہونا چاہیے، اس لیے حکم آیت میں مردوں ہی کے نام ہے۔ آیت انتہائی حکمت آموز طریقے سے شادی کرنے والے مرد کو نفسیاتی رموز سے آگاہ کرتی ہے کہ جس عورت کو تم دھوم دھام سے گھر لائے ہو اس سے کچھ کمانے کے بجائے اس کو نوازنے کی سوچ اپناؤ۔ اگر زیادہ نہیں تو عورتوں کے مہر تو خوش دلی سے ان کے سپرد کرو، ''صَدُقٰتِهِنَّ'' کا مطلب عورتوں کے مقرر کردہ مہر ہیں۔ یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مہر کی رقم زرِ اعتماد ہے۔ اگر اس نفسیاتی کرنسی ہی کو مرد پائمال کر دے گا تو عورت کے ساتھ نباہ کا لمبا سفر کیسے گزرے گا؟

علامہ راغب اصفہانی نے آیت کے لفظ ''نِحۡلَةً'' پر خوبصورت تحریر رقم کی ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

''**نحله**'' کا لفظ بخشش، عطیہ اور قرض واپس دینے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے (11)۔

''**نحل**'' شہد کی مکھی کو کہتے ہیں گویا شہد کی مکھیاں عسل اور شہد سے نوازتی ہیں۔ خاوند عورتوں کو جب مہر ادا کریں تو یہ شہد دینے سے مشابہت رکھنے والا فعل ہے۔

مہر دینے سے گریزاں ہونا کتنا بُرا فعل ہے اس کا اندازہ اس سے لگالیں کہ نکاح شغار سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کر دیا اس لیے کہ یہ نکاح ادلے بدلے میں بغیر مہر کے منعقد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت نے البتہ وہ مال مردوں کے لیے حلال قرار دے دیا جو ان کی بیویاں خوشی سے ان کو عطیہ کر دیں۔

آیت میں ''مِّنۡهُ نَفۡسًا'' میں ''**من**'' تبعیضیہ ہو تو مفہوم عبارت یہ ہوگا کہ عورتیں اگر اپنا بعض مہر یا مال تم مردوں کو عطیہ کر دیں اور اس میں ان کی خوشی شامل ہو تو تم خاوند لوگ اس کو قبول کر سکتے ہو۔

مفہوم فہمی میں ''من'' بیانیہ بھی ہو سکتا ہے۔ دریں صورت معنیٰ یہ ہوگا عورتیں خوشی سے چاہیں تو سارے کا سارا مہر بھی بخش سکتی ہیں (12)۔

آیت میں بیوی اور خاوند کے درمیان حسن معاشرت کا سبق دیا گیا۔ روایت مشہور ہے کہ عورت کا جہاد یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند سے اچھا سلوک کرے۔

واللہ اعلم

إِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

وَلَا: اور نہ

تُؤۡتُوا: تم دو

السُّفَهَآءَ: بے سمجھ لوگوں یا بے سمجھ اموال کے مالکان کو

اَمۡوَالَكُمُ: اپنے اموال

الَّتِيۡ: وہ جو

جَعَلَ: بنایا ہے

اللّٰهُ: اللہ نے

لَكُمۡ: تمہارے لیے

قِيٰمًا: زندگی بسر کرنے کا ذریعہ

وَّارۡزُقُوۡهُمۡ: اور دو روزی میں انہیں

فِيۡهَا: اس میں

وَاكۡسُوۡهُمۡ: اور انہیں لباس پہناؤ

وَقُوۡلُوۡا: اور کہو

لَهُمۡ: ان سے

قَوۡلًا: بات

مَّعۡرُوۡفًا: شائستگی والی

وَ لَا تُؤۡتُوا السُّفَهَآءَ اَمۡوَالَكُمُ الَّتِيۡ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ قِيٰمًا وَّارۡزُقُوۡهُمۡ فِيۡهَا وَ اكۡسُوۡهُمۡ وَقُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ۝

’’اور تم اپنے مال ناسمجھ لوگوں کے سپرد نہ کیا کرو ایسے اموال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے رہنے کا ذریعہ بنا دیا ہے اور اس میں یہ ہے کہ انہیں کھلاتے رہو اور پہناتے رہو اور ان سے اچھی بات کہو‘‘۔

سفاہت کی تشریح

ائمہ لغت لکھتے ہیں کہ ’’سفهاء، سفيه‘‘ کی جمع ہے۔ بدن میں کمی کو سفاہت کہا جاتا ہے۔ راغب نے لکھا کہ بدن میں ایسی کمی جو چلتے وقت بدن میں اعتدال نہ رہنے دے۔ ناموزوں ’’افسار‘‘ کو بھی ’’سفيه‘‘ کہہ دیتے ہیں (13)۔ تاج نے لکھا کہ ’’افسار‘‘ اسی رسی کو کہتے ہیں جو گھوڑے یا گدھے کے سر اور گردن پر باندھی جائے۔ اس کے ناموزوں ہونے کی وجہ سے اسے ’’افسار‘‘ کہہ دیتے ہیں۔ ’’ثوب سفيه‘‘ بوسیدہ کپڑے کو کہہ دیتے ہیں (14)۔ مفسرین نے لکھا کہ عقل میں کمی کو بھی ’’سفاهت‘‘ سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ فخر الدین رازی نے لکھا کہ ہر وہ شخص جس کی عقل نہ ہو اور وہ اپنے مال کی حفاظت ٹھیک طور پر نہ کر سکے وہ ’’سفيه‘‘ ہوتا ہے۔ آیت میں ’’سفهاء‘‘ سے مراد یتیم بچے ہے۔ ان کے سرپرستوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ بے سمجھ بچوں یا عورتوں کو ان کے اموال سپرد نہ کیے جائیں، کہیں وہ کم عقلی سے اموال ضائع نہ کر دیں (15)۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری کا قول ہے کہ ’’سفهاء‘‘ سے مراد ہر وہ کم عقل ہے جس کو مال دینے سے روک دیا گیا ہے (16)۔

ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں (17):

> ’’آیت کریمہ کے مفہوم میں وہ شخص بھی داخل ہے جو خرید و فروخت کے احکام نہ جانتا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے جو شخص ہمارا دین نہ جانتا ہو وہ ہمارے بازاروں میں تجارت نہ کرے‘‘۔

تفسیر قرطبی میں امام اعظم ابوحنیفہ کا قول نقل کیا گیا ہے (18):

> ’’بچے کے مال کا محافظ ولی اس کے بالغ ہونے پر اس کا مال اس کے سپرد کر دے لیکن یہ اس صورت میں ہے

جب وہ عقلمند ہو۔ ہاں اگر وہ کم عقل ہو مال کو ضائع کرتا ہو
تو اسے مال ہرگز نہ دیا جائے۔ جب اس کی عمر پچیس
سال ہو جائے تب اس کا مال اس کو دے دیا جائے۔
اب اس پر رہا وہ مال کو ضائع کرے یا محفوظ رکھے۔ اس
کی وجہ یہ ہے کہ اس عمر میں انسان دادا بن سکتا ہے اس
لیے کہ لڑکا بارہ سال کی عمر میں بالغ ہو سکتا ہے اور اس عمر
میں اگر وہ شادی کرلے تو چھ یا سات ماہ بعد اس کا بچہ
پیدا ہو سکتا ہے۔ اب دادا ہونے کی عمر میں بھی کسی کا مال
روک کر رکھنا تعجب انگیز ہوتا ہے''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول ہے (19):

''سفیہ'' وہ شخص ہے جو قابلِ اعتماد نہ ہو''۔

''قِيٰمًا'' کا معنیٰ و مفہوم

قیام اور قوام اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ کوئی دوسری چیز قائم ہو۔ یتیموں کے اموال پر قوام اور قیام ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ تمہیں ان کے اموال کا محافظ بنا دیا اس لیے تم پر لازم ہے کہ زندگی بسر کرنے کا چونکہ مال ذریعہ ہے اس لیے بے سمجھ یتیموں کے اموال پر ان کے محافظین نگران ہیں کہ مال ضائع ہونے سے بچ جائے۔

تفسیر ابی السعود نے بھی ٹھیک لکھا:

''مال کی حفاظت ولیوں کی طرف اس لیے ہے کہ مراد
مال سے جنس مال ہے جس سے لوگ اپنی معیشت قائم
کرتے ہیں۔ اصل میں اموال کی طرف لوگوں کے دل
مائل ہوتے ہیں اور مال کو جمع کر کے رکھنے کی بھی رغبت
ہوتی ہے، اس لیے مال کو زندگی گزارنے کا ذریعہ قرار
دے دیا گیا ہے''۔

معاشرتی حسن کی ایک اور جہت

یتیم بچوں کے سرپرستوں کو کہا جا رہا ہے کہ ان کی خوراک اور لباس کا انہی کے مال سے بندوبست

إِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

کروتا کہ وہ باوقار ماحول میں عزت اور آبرو کے ساتھ پروان چڑھیں۔ ہمارے خیال میں آیت میں ''منھا'' کی بجائے ''فِيۡهَا'' لانا اس لیے ضروری ہوا کہ مال کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے مال اور سرمایہ کے نفع سے خرچہ پورا کرنے کی تحریص ہو۔

آیت کا آخری حصہ

کہا گیا کہ یتیموں کے ساتھ تمہارا رویہ ''**قول معروف**'' کی بنیاد پر ہو، اس سے حسن معانی کی جو کہکشاں سجتی ہے اس کا جلوہ ان نکات میں دیکھا جا سکتا ہے:

1۔ یتیموں کے ساتھ گفتگو شائستگی سے کروتا کہ ان کے دلوں کے نازک آبگینے ٹوٹنے نہ پائیں۔
2۔ بچوں میں نفسیاتی کمیاں نہ پیدا ہونے دی جائیں، انہیں باوقار ماحول فراہم کیا جائے۔
3۔ ان سے صلۂ رحمی کرتے ہوئے پختہ عہد کے ساتھ انہیں یقین دلایا جائے کہ ان کی مالی امانتیں محفوظ ہیں۔ تجارت میں استعمال ہونے کی صورت میں ان کا سرمایہ محفوظ ہوگا اور انہیں اچھا نفع دیا جائے گا۔
4۔ بچوں کی تعلیم وتربیت کا احسن بندوبست کیا جائے۔
5۔ بعض اموال سپرد کرنے کی صورت میں بچوں کے اندر یہ سوچ پیدا کی جائے کہ مال کو عبث خرچ نہ کیا جائے۔
6۔ بچوں کو جھڑکنے سے مکمل اجتناب کیا جائے۔
7۔ بچوں کے اقتصادی رویوں میں تربیت کا بندوبست کیا جائے۔
8۔ بچوں کے دینی رویے تعمیری بنانے کی سعی کی جائے۔
9۔ بچوں کو ان تمام مواقع سے بچایا جائے جو احساس کمتری پیدا کرتے ہوں۔
10۔ قول معروف اسلامی نظام کی روشنی میں کردار سازی بھی ہوسکتی ہے۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا
فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ
يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ
بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ
وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا
تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝۷

(6) اور یتیموں کی جانچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کے قابل ہو جائیں پھر اگر تم ان میں پختگی محسوس کرو تو ان کے اموال ان کے سپرد کر دو اور جلدی کرتے ہوئے اسے فضول خرچی سے نہ کھاؤ یہ اندیشہ رکھتے ہوئے کہ وہ بڑے ہی نہ ہو جائیں اور جو شخص مالدار ہو وہ تو اس سے دور ہی رہے البتہ جو نادار ہو تو وہ بقدر ضرورت کھا سکتا ہے اور جب ان کے اموال ان کے سپرد کرنے لگو تو ان پر گواہ ضرور پکڑ لو اور حساب لینے کے لیے اللہ کافی ہے

(7) مردوں کے لیے اس میں جو ماں باپ اور قرابت والے چھوڑ گئے ہوں حصّہ ہے اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں جو ماں باپ اور قرابت والے چھوڑ گئے ہوں حصہ معین ہے تھوڑا ہو یا زیادہ اس میں سے حصہ مقرر ہے

مفردات

وَ ابۡتَلُوا الۡیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ ۚ فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡہُمۡ رُشۡدًا فَادۡفَعُوۡۤا اِلَیۡہِمۡ اَمۡوَالَہُمۡ ۚ وَ لَا تَاۡکُلُوۡہَاۤ اِسۡرَافًا وَّ بِدَارًا اَنۡ یَّکۡبَرُوۡا ؕ وَ مَنۡ کَانَ غَنِیًّا فَلۡیَسۡتَعۡفِفۡ ۚ وَ مَنۡ کَانَ فَقِیۡرًا فَلۡیَاۡکُلۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ فَاِذَا دَفَعۡتُمۡ اِلَیۡہِمۡ اَمۡوَالَہُمۡ فَاَشۡہِدُوۡا عَلَیۡہِمۡ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیۡبًا ﴿۶﴾

”اور یتیموں کی جانچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کے قابل ہو جائیں پھر اگر تم ان میں پختگی محسوس کرو تو ان کے اموال ان کے سپرد کر دو اور جلدی کرتے ہوئے اسے فضول خرچی سے نہ کھاؤ یہ اندیشہ رکھتے ہوئے کہ وہ بڑے ہی نہ ہو جائیں اور جو شخص مالدار ہو وہ تو اس سے دور ہی رہے البتہ جو نادار ہو تو وہ بقدر ضرورت کھا سکتا ہے اور جب ان کے اموال ان کے سپرد کرنے لگو تو ان پر گواہ ضرور پکڑ لو اور حساب لینے کے لیے اللہ کافی ہے“۔

اس آیت کی تشریح چند نکات پر مشتمل ہے:

پہلا نکتہ

یتیم بچوں کے سرپرستوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بچوں کی اقتصادی اہلیتوں کا امتحان لیتے رہیں۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ بچے مالکانہ تصرف کے اہل ہوئے ہیں یا نہیں ہوئے۔ اصل شتابی اور جلدی تو یتیم بچوں کے اموال ان کے سپرد کرنے کی ہوتی ہے۔ ریاست میں ہر اچھا نظام لوگوں کی جان اور مال کی حفاظت کا ضامن ہوتا ہے اور ”لا ریب“ سب سے اچھا نظام اسلام ہے۔ یتیم بچے چونکہ کمزور ترین مخلوق ہوتے ہیں اس لیے ان کے حقوق کا تحفظ خود قرآن کر رہا ہے۔

دوسرا نکتہ

قرآن مجید کی یہ آیت ہدایت دیتی ہے کہ یتیم بچہ جب بالغ ہو جائے اور اس میں ”رشد“ اقتصادی فہم اور مالکانہ تصرف کے نفوذ میں پختگی آ جائے اس کا مال اس کے سپرد کر دیا جائے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ پہلی شرط بلوغت کی ہے۔ عمر کے اس حصے میں پہنچ کر شرعی ذمہ داریاں پوری طرح عائد ہو جاتی ہیں۔ جرائم پر سزاؤں اور تعزیرات کا نفوذ ہونے لگ جاتا ہے، اس لیے کوئی امر مانع نہیں رہتا کہ یتیم کے اموال اس کے سپرد نہ کیے جائیں۔ اس سلسلہ میں دوسری شرط ”رشد“ کی ہے۔ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ ”رشد“ اس پختگی کو کہا جائے گا جس میں مال بہتر طریقے سے خرچ کرنا آ جائے اور دھوکہ وغیرہ کو سمجھنے کی اہلیت ہو۔ ”رشد' غی“ کی نقیض ہے۔ اس اعتبار سے ”غی“ گمراہی اور فساد ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے ”رشد“ وہ ہے جس میں گمراہی اور فساد نہ ہو۔ دینی مصلحتوں کا نہ سمجھنا بھی عدم رشد کی دلیل ہوتی ہے اس لیے کہ فرعون کو کہا گیا کہ اس کا کوئی معاملہ بھی ”رشد“ نہیں رکھتا تھا(20)

وَابۡتَلُوا: اور جانچو
الۡیَتٰمٰی: یتیم بچوں کو
حَتّٰی: یہاں تک کہ
اِذَا: جب
بَلَغُوا: وہ پہنچ جائیں
النِّکَاحَ: شادی کی عمر کو
فَاِنۡ: پھر اگر
اٰنَسۡتُمۡ: تم محسوس کرو
مِّنۡہُمۡ: ان کی طرف سے
رُشۡدًا: پختگی، دانائی، اقتصادی سمجھ، عقلی پختگی
فَادۡفَعُوۡۤا: تو سپرد کر دو
اِلَیۡہِمۡ: ان کو
اَمۡوَالَہُمۡ: ان کے اموال
وَلَا تَاۡکُلُوۡہَاۤ: اور نہ کھاؤ اسے
اِسۡرَافًا: اسراف کرتے ہوئے
وَّبِدَارًا: اور جلدی جلدی
اَنۡ یَّکۡبَرُوۡا: کہ وہ بڑے نہ ہو جائیں
وَمَنۡ: اور جو
کَانَ: ہو
غَنِیًّا: امیر
فَلۡیَسۡتَعۡفِفۡ: وہ بچتا رہے، خود خرچ کرے
وَمَنۡ: اور جو
کَانَ: ہو
فَقِیۡرًا: غریب، محتاج
فَلۡیَاۡکُلۡ: تو وہ کھائے
بِالۡمَعۡرُوۡفِ: اقتصادی موزونیت سے
فَاِذَا: تو جب
دَفَعۡتُمۡ: تم مال ان کو دو

مفردات

اِلَيۡهِمۡ: ان کی طرف
اَمۡوَالَهُمۡ: ان کے اموال
فَاَشۡهِدُوۡا: تو گواہ پکڑلو
عَلَيۡهِمۡ: ان پر
وَكَفٰى: اور کافی ہے
بِاللّٰهِ: اللہ
حَسِيۡبًا: حساب لینے والا

تیسرا نکتہ

قرآن مجید سمجھاتا ہے کہ یتیموں کے اموال کو خرچ کرنے میں دو احتیاطیں لازم ہیں: ایک تو یہ کہ اسراف نہ کرو اور دوسری یہ کہ بدارنہ کرو۔ رہا یہ سوال کہ اسراف کیا ہوتا ہے؟ ائمہ تفسیر نے اس کا معنیٰ لکھا حد سے تجاوز کرنا۔ اس کی دو صورتیں ہونگی: ایک معنیٰ تو ''قدر'' کے ساتھ تعلق رکھے گا یعنی مال کے خرچ کرنے میں احتیاط یہ ہے کہ زیادہ مال خرچ نہ کرو اور کبھی کیفیت میں تجاوز کو اسراف کہتے ہیں۔ حضرت سفیان ثوری کا قول ہے کہ اللہ کی اطاعت کے بغیر جو مال تم خرچ کرو گے وہ اسراف ہوگا اگرچہ وہ تھوڑا مال ہو۔ یہ بھی کہا گیا کہ عادت کے مطابق خرچ کرنا عدل ہے اور خلاف عادت بے جا خرچ کرنا اسراف اور فضول خرچی ہے۔ دوسرا یہ کہ مال کے خرچ کرنے میں ''بدار'' نہ برتو۔ ''بدور'' جلدی کرنا ہوتا ہے یعنی یتیموں کا مال خرچ کرنے میں عجلت نہ مچاؤ اس اندیشے سے کہ وہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں اور اپنا مال واپس لے لیں۔

چوتھا نکتہ

آیت نے اقتصادی اخلاق کی راہیں خود متعین کر دیں کہ یتیموں کے سرپرست خرچ کرنے میں اعتدال برتیں۔ اگر وہ خود غنی ہیں تو ''عفو'' سے کام لیں یعنی اگر وہ خود اپنے مال سے کفالت کر سکتے ہیں تو اس جیسی تو کوئی بات نہیں اور اگر غربت ہے تو پھر بقدر حاجت کھانے کی تو اجازت ہے لیکن مقدار میں احتیاط ہو جسے عادتاً معروف کہا جا سکے یعنی اس پر نیکی ہی کا اطلاق ہو لوگ اسے معاشی دھندا نہ تصور کریں۔ آیت میں ''عفو'' اور ''معروف'' زبردست اخلاقی اور روحانی معیار کی وضاحت کرتی ہیں۔

تفسیر مظہری میں ہے(21):

> ''ایک شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری کفالت میں ایک یتیم بچہ ہے کیا میں اس کے مال سے خرچ کر سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مناسب مقدار میں خرچ کر سکتے ہو۔ احتیاط اس میں یہ ہو کہ تم اپنا مال جمع نہ کرو اور اس کے مال کی قیمت پر اپنا مال بچاؤ نہ''۔ ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی فرمائے: ''اور حد سے تجاوز نہ کرو''۔

پانچواں نکتہ

جب یتیموں کے سرپرست محسوس کریں کہ مال کے مالک اب بلوغ اور رشد دونوں کی حقیقت پا گئے

مفردات

ہیں تو اموال سمجھ دار یتیموں کے حوالے کر دیں لیکن اس پر گواہیاں ضرور قائم کر دیں تا کہ یتیم اور سر پرست کے درمیان نزاع کے امکانات بالکل ختم کر دیے جائیں اور نیکی برائی کا روپ نہ اختیار کر لے۔

چھٹا نکتہ

آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت لائی گئی کہ وہ حساب لینے کے اعتبار سے کافی ہے۔ آیت کے آخر میں اس جملہ کا عمود تفسیر کے طور پر لانا یہ تمام معانی پیدا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حساب لینے میں کافی ہے۔ اللہ جزا دینے میں کافی ہے اور اللہ گواہ ہونے میں بھی کافی ہے۔ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سے معنیٰ اخذ کیا کہ یتیم کے سر پرست کے بارے میں مال سپرد کرنے کے بارے میں صرف حلف پر بھی فیصلہ کیا جا سکتا ہے(22)۔

لِلرِّجَالِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا تَرَکَ الۡوَالِدٰنِ وَ الۡاَقۡرَبُوۡنَ ۪ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیۡبٌ مِّمَّا تَرَکَ الۡوَالِدٰنِ وَ الۡاَقۡرَبُوۡنَ مِمَّا قَلَّ مِنۡہُ اَوۡ کَثُرَ ؕ نَصِیۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ۝

"مردوں کے لیے اس میں جو ماں باپ اور قرابت والے چھوڑ گئے ہوں حصہ ہے اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں جو ماں باپ اور قرابت والے چھوڑ گئے ہوں حصہ معین ہے تھوڑا ہو یا زیادہ اس میں سے حصہ مقرر ہے"۔

یہ آیۂ کریمہ قانون وراثت کی بنیاد ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ مردوں کے ارث اور ترکہ میں حصے مقرر ہیں۔ "نَصِیۡبٌ" اصل میں اس پتھر کو کہتے ہیں جو کسی مخصوص مقام پر گاڑ دیا جاتا ہے، چونکہ اموال کی تقسیم کے بعد حصوں پر نشانی لگا دی جاتی ہے اس لیے اسے "نَصِیۡبٌ" سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ والدین اور اقربأ جو چھوڑیں اس میں مردوں اور عورتوں سب کے حصص ہیں، کسی شخص کو محروم نہیں کیا جائے گا۔ اصل میں عصر جاہلیت میں یہ فلسفہ پیش کیا جاتا تھا کہ بچے چونکہ دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور دفاع میں بھی انہیں روبہ کار نہیں کیا جا سکتا اس لیے وراثت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا مگر قرآن حکیم معاشی صلاحیت اور دفاعی اہلیت کی بنیاد پر ارث میں حصہ مقرر نہیں کرتا بلکہ انسانی مقام کے لحاظ سے انہیں وقعت دیتا ہے۔

آیت مسلمانوں کا معاشی رویہ متعین کرتی ہے کہ وہ دولت پر سانپ بن کر نہیں بیٹھ جاتے وہ تقسیم دولت کے فوائد اور ثمرات سے آگاہ ہوتے ہیں، اس لیے مال متروکہ تھوڑا ہو یا زیادہ ہو اس کی تقسیم عمل میں لائی جاتی ہے اسلام تو اسی بات کی تحریص دیتا ہے۔

آیۂ بیّنہ نے وراثت کی تقسیم کے لیے قواعد مقرر کرتے ہوئے عرب جاہلیت کی رسوم کو مٹا دیا۔ وہ کئی رشتہ داروں کو نوازنے اور کئی قرابت داروں کو محروم کرنے کے عادی تھے۔ اسلام نے غیر انسانی رسم و رواج اور قانونی بندھنوں کو یکسر مٹا دیا اور عدل وفطرت کے تقاضوں کے مطابق انسانیت نوازی فرمائی۔

❋❋❋❋❋

لِلرِّجَالِ: مردوں کے لیے
نَصِیۡبٌ: حصہ ہے
مِّمَّا: اس میں سے جو
تَرَکَ: چھوڑا
الۡوَالِدٰنِ: والدین نے
وَ الۡاَقۡرَبُوۡنَ: اور قرابت داروں نے
وَ لِلنِّسَآءِ: اور عورتوں کے لیے
نَصِیۡبٌ: حصہ ہے
مِّمَّا: اس میں سے جو
تَرَکَ: چھوڑا
الۡوَالِدٰنِ: والدین نے
وَ الۡاَقۡرَبُوۡنَ: اور قرابت داروں نے
مِمَّا: اس میں سے
قَلَّ: کم ہوا
مِنۡہُ: اس میں سے
اَوۡ کَثُرَ: یا زیادہ ہوا
نَصِیۡبًا: حصہ
مَّفۡرُوۡضًا: مقرر ہے

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ
مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿٨﴾
وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۖ
فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿٩﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ
نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿١٠﴾

(8) اور جب تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور مسکین آ موجود ہوں تو انہیں بھی اس مال میں سے کچھ دے دو اور بھلی بات ان سے کہتے رہو

(9) اور چاہیے کہ ڈرتے رہیں وہ لوگ جو اپنے بعد کمزور اولاد اگر چھوڑ رہے ہوں تو انہیں ان پر کیسا خوف ہو سو انہیں اللہ سے ڈر رکھنا چاہیے اور انہیں بات سیدھی دوٹوک کر دینی چاہیے

(10) بے شک وہ لوگ جو یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں وہ یقیناً اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں جا پہنچیں گے

مفردات

وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۸﴾

''اور جب تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور مسکین آموجود ہوں تو انہیں بھی اس مال میں سے کچھ دے دو اور بھلی بات ان سے کہتے رہو''۔

آیت میں خطاب میّت کے ولی اور ورثاء سے ہے کہ میراث کی تقسیم کے وقت جو قرابت دار، غرباء، مساکین اور یتیم بچے موجود ہوں اور وراثت میں وہ حصہ دار نہ ہوں، قاسم ورثہ کو شفقت کے ساتھ انہیں کچھ نہ کچھ دے دینا چاہیے اور بدسلوکی اور دل شکنی کی باتیں کرنے سے مکمل اجتناب برتنا چاہیے اور محرومیت کے احساسات کے اندفاع کی کوشش کرنی چاہیے اور معاشی انحرافات سے کینہ توزیوں اور عداوتوں میں اضافہ نہیں کرنا چاہیے۔

آیت میں زور اس بات پر ہے کہ یتیم اور مسکین جہاں بھی ہوں خواہ وہ خود ورثہ کے مال کا استحقاق رکھتے ہوں یا اتفاقاً وہاں تقسیم کے وقت موجود ہوں ان سے اچھے انداز میں بات کرنا ان کا ترتیبی حق ہے جس سے وہ محروم نہیں ہونے چاہییں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس استحبابی قول کے باقی ہونے کے قائل ہیں۔

حضرت زہری اس قول اور آیت کو محکم مانتے تھے، اس کی منسوخی کے قائل نہیں تھے(23)۔

ایک قول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فعل کو مرنے والے کی وصیت سے جوڑتے تھے۔

بعض دوسرے حضرات نے ''يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ'' سے اس حکم کو منسوخ مانا ہے۔

ائمہ اربعہ اسی قول پر عمل پیرا ہونے کا فتویٰ دیتے تھے(24)۔

ابن کثیر نے ابن جریر کا ایک قول نقل کیا ہے(25):

> ''مال وصیت کی تقسیم کے وقت جب میت کے رشتہ دار آجائیں تو انہیں مال دے دو اور یتیم اور مسکین جو اس وقت حاضر ہوں تو ان سے نرم کلامی اور اچھے جواب سے پیش آؤ''۔

واللہ اعلم

وَ: اور
اِذَا: جب
حَضَرَ: آجائیں
الْقِسْمَةَ: تقسیم
اُولُوا الْقُرْبٰى: قرابت دار
وَ الْيَتٰمٰى: اور یتیم
وَ الْمَسٰكِيْنُ: اور مساکین
فَارْزُقُوْهُمْ: دو انہیں
مِّنْهُ: اس میں سے
وَ قُوْلُوْا: اور کہو
لَهُمْ: ان کے لیے
قَوْلًا: ایسی بات
مَّعْرُوْفًا: جو اچھی ہو، ایسی بات جس میں عزت، تکریم اور نرمی ہو

مفردات

وَلۡیَخۡشَ الَّذِیۡنَ لَوۡ تَرَکُوۡا مِنۡ خَلۡفِہِمۡ ذُرِّیَّۃً ضِعٰفًا خَافُوۡا عَلَیۡہِمۡ ۪ فَلۡیَتَّقُوا اللّٰہَ وَلۡیَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا ﴿۹﴾

''اور چاہیے کہ ڈرتے رہیں وہ لوگ جو اپنے بعد کمزور اولاد اگر چھوڑ رہے ہوں تو انہیں ان پر کیسا خوف ہو سو انہیں اللہ سے ڈر رکھنا چاہیے اور انہیں بات سیدھی دوٹوک کر دینی چاہیے''۔

آیۂ کریمہ میں قرآن مجید نے لوگوں کو نفسیاتی حقیقت کے آئینہ میں آشکار کر کے یہ بات سمجھائی کہ یتیموں کے ساتھ کبھی بھی زیادتی نہیں کرنی چاہیے، لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ اگر ان کے بچے ان کے پیچھے یتیم رہ جائیں تو وہ کیا توقع رکھیں گے کہ ان سے کیسا سلوک رکھا جائے۔ اگر لوگ اپنے یتیموں کے بارے میں اچھے سلوک کی امید رکھتے ہوں تو انہیں دوسرے لوگوں کے یتیموں کے ساتھ بھی حسن سلوک برتنا چاہیے۔ ضمنی طور پر یہ حقیقت بھی قاریٔ قرآن کو سمجھا دی گئی کہ اموال جیسے ورثے میں منتقل ہوتے ہیں ایسے ہی عادتیں، رویّے، سوچیں اور وتیرے بھی دھیرے دھیرے آئندہ نسلوں میں منتقل ہوتے ہیں۔ آج اگر کوئی کسی کی اولاد کے ساتھ ظلم، ترش روئی اور کھردرے اخلاق کا رویہ رکھے گا تو یہ ظلمت بھری رسم ورثہ میں آگے چلے گی اور آج جو تم یتیموں سے بدسلوکی کرو گے کل تمہاری اولاد کے ساتھ بھی یہی کچھ کیا جائے گا۔ عورتوں اور یتیم بچوں کی دلداری کے لیے قرآن مجید نے بار بار کہا کہ ان سے ''قول معروف'' کے ساتھ گفتگو کی جائے اور انہیں قول سدید کے ساتھ نوازا جائے۔ عنایتیں اور عطیے صرف اموال میں نہیں ہوتے، لہجوں، افکار اور گفتگو میں بھی ہوتے ہیں۔ گندی بات کے ساتھ کسی کو لاکھوں سے نوازدینا ثواب کو صحرا کے ریتلے ذرات میں تبدیل کر دیتا ہے اور اچھی بات اور خوشگوار لہجے میں دمڑیاں بھی لاکھوں اشرفیوں کی نوازش سے آگے نکل جاتی ہیں۔ میٹھے لہجے اور شفقتیں وہ ورثہ ہے جو دلوں کے زخم بھر دیتا ہے اور قوم سازی میں وسیلہ کا کام کرتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ نَارًا ؕ وَسَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًا ﴿۱۰﴾ ع

''بے شک وہ لوگ جو یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں وہ یقیناً اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں جا پہنچیں گے''۔

آیت کی تفہیم میں ایک تو آیت کا اسلوب ہے جو تعلیم کی روحانیت کو مقناطیسیت عطا کر رہا ہے کہ پیٹوں میں آگ کھانا کس قدر خوفناک منظر کی صورت بندی کرتا ہے۔ کسی جلتے تنور کے کنارے گویا

وَلۡیَخۡشَ: اور ڈریں
الَّذِیۡنَ: وہ جو
لَوۡ: اگر
تَرَکُوۡا: انہوں نے چھوڑی
مِنۡ: سے
خَلۡفِہِمۡ: اپنے پیچھے
ذُرِّیَّۃً: اولاد
ضِعٰفًا: کمزور
خَافُوۡا: وہ اندیشہ رکھتے ہیں
عَلَیۡہِمۡ: ان پر
فَلۡیَتَّقُوۡا: تو وہ ڈریں
اللّٰہَ: اللہ سے
وَلۡیَقُوۡلُوۡا: اور کہیں
قَوۡلًا: بات
سَدِیۡدًا: سیدھی

اِنَّ: بے شک
الَّذِیۡنَ: وہ جو
یَاۡکُلُوۡنَ: کھاتے ہیں
اَمۡوَالَ: اموال
الۡیَتٰمٰی: یتیموں کے
ظُلۡمًا: ظلم
اِنَّمَا: نہیں ہے سوا اس کے
یَاۡکُلُوۡنَ: کھاتے ہیں
فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ: اپنے پیٹوں میں
نَارًا: آگ
وَسَیَصۡلَوۡنَ: وہ عنقریب مل جائیں گے
سَعِیۡرًا: بھڑکتی اور جلنے والی آگ میں

قرآن اپنے قاری کو لا کر کھڑا کر دیتا ہے اور پیٹوں کی مشابہت آتشیں تنوروں کے ساتھ قائم کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ لوگ جو یتیموں کے اموال کھاتے ہیں گویا وہ آگ کے بھڑکتے شعلے نگل رہے ہوتے ہیں۔ ''سَیَصۡلَوۡنَ'' میں تعبیر خوف باطنی کو انتہائی بھیانک بنا دیتی ہے۔ اس بدقسمت آدمی کا کیا حال ہو گا جس کے پیٹ میں دہکتے انگارے ہوں گے اور باہر سے اسے آگ چپک کر جلا رہی ہو گی۔

دوسرا یہ کہ آیت کی معنوی تعبیر سے دو باتیں سامنے آتی ہیں:

- پہلی یہ کہ اعمال کی جزا اور سزا قرار دادی نہیں بلکہ طبیعی ہے یعنی ایک گناہ کا ایک طبیعی نتیجہ ہوتا ہے جو ارتکابِ گناہ کرنے والے کے لیے عذاب پر منتج ہوتا ہے۔ یہاں بتایا یہ جا رہا ہے کہ یتیم کا مال کھانے کا طبیعی نتیجہ آگ ہے۔
- دوسری چیز یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اعمال کی قیامت کے دن تجسیم ہو اور یتیم کا مال کھانے کا عمل آگ کی صورت میں مال حرام کھانے والے کو تباہ کر دے۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ
نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا
النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن
كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ
فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا
أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ
فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾

(11) اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے لڑکے کے لیے دو لڑکیوں کے حصے کی مثل ہے پھر اگر لڑکیاں ہی ہوں دو سے زیادہ تو ان کے لیے ترکہ کی دو تہائی ہے اور اگر لڑکی ایک ہی ہو تو اس کے لیے نصف ہے اور ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے ترکہ سے چھٹا حصہ ہے اگر میّت کی کوئی اولاد ہو پھر اگر اس کی کوئی اولاد موجود نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیے ایک تہائی ہے ہاں اگر میّت کے کئی بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے یہ تقسیم وصیّت جو میّت نے کی ہے اس کے پورا کرنے اور قرضوں کی ادائیگی کے بعد ہے، تمہارے باپ دادوں اور تمہارے بیٹوں میں تم جانتے نہیں کہ نفع کے اعتبار سے تمہارے قریب تر کون ہے یہ فریضہ ہے اللہ کی طرف سے، بے شک اللہ خوب جاننے والا اور بہت حکمت والا ہے

مفردات

يُوۡصِيۡكُمُ: وہ وصیت کرتا ہے تمہیں، تمہیں ہدایت کرتا ہے
اللّٰهُ: اللہ
فِيۡۤ: میں
اَوۡلَادِكُمۡ: تمہاری اولادوں کے معاملہ میں
لِلذَّكَرِ: مرد کے لیے
مِثۡلُ: اتنا ہے
حَظِّ: حصہ
الۡاُنۡثَيَيۡنِ: دو عورتوں کے
فَاِنۡ: پھر اگر
كُنَّ: وہ ہوں
نِسَآءً: عورتیں
فَوۡقَ: زیادہ
اثۡنَتَيۡنِ: دو سے
فَلَهُنَّ: تو ان کے لیے
ثُلُثَا: دو تہائی
مَا: اس کی جو
تَرَكَ: اس مرد نے چھوڑا
وَ: اور
اِنۡ كَانَتۡ: اگر ہو
وَاحِدَةً: ایک ہی
فَلَهَا: تو اس کے لیے
النِّصۡفُ: نصف ہے
وَلِاَبَوَيۡهِ: اور اس کے ماں باپ کے لیے
لِكُلِّ: ہر ایک کے لیے
وَاحِدٍ: ایک کے
مِّنۡهُمَا: ان دو میں سے
السُّدُسُ: چھٹا حصہ ہے

يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِيۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ‌ ۖ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ‌ ۚ فَاِنۡ كُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ
اثۡنَتَيۡنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ‌ ۚ وَاِنۡ كَانَتۡ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصۡفُ‌ ؕ وَلِاَبَوَيۡهِ
لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنۡ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ‌ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهٗ
وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ‌ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَهٗۤ اِخۡوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنۡۢ
بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ‌ ؕ اٰبَآؤُكُمۡ وَاَبۡنَآؤُكُمۡ لَا تَدۡرُوۡنَ اَيُّهُمۡ اَقۡرَبُ
لَـكُمۡ نَفۡعًا‌ ؕ فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ‏﴿۱۱﴾

''اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے لڑکے کے لیے دولڑکیوں کے حصے کی مثل ہے پھر اگر لڑکیاں ہی ہوں دو سے زیادہ تو ان کے لیے ترکہ کی دو تہائی ہے اور اگر لڑکی ایک ہی ہو تو اس کے لیے نصف ہے اور ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے ترکہ سے چھٹا حصہ ہے اگر میّت کی کوئی اولاد ہو، پھر اگر اس کی کوئی اولاد موجود نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیے ایک تہائی ہے ہاں اگر میّت کے کئی بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے، یہ تقسیم وصیّت جو میّت نے کی ہے اس کے پورا کرنے اور قرضوں کی ادائیگی کے بعد ہے، تمہارے باپ دادوں اور تمہارے بیٹوں میں تم جانتے نہیں کہ نفع کے اعتبار سے تمہارے قریب تر کون ہے، یہ فریضہ ہے اللہ کی طرف سے، بے شک اللہ خوب جاننے والا اور بہت حکمت والا ہے''۔

وصیت کی نسبت اللہ کی طرف ہے۔ اس مادہ کے معنوی تخم میں نصیحت، حقیقت، شفقت اور ہدایت سب خوشبوئیں شامل ہوتی ہیں۔ سورۃ النساء کی تین آیات میں سمندروں کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ آیتوں کی لفظی تعبیرات میں جو فصاحت، بلاغت اور دانش مضمر ہے وہ صرف اور صرف قرآن حکیم ہی کا حصہ ہے کسی دوسری کتاب میں یہ گلاب گری نہیں ہے۔

اللہ ہی وصیت کرتا ہے، اللہ ہی جانتا ہے کون کیا ہے؟
طاقتور کون ہے اور کمزور کون ہے؟
کس کی ضرورت کتنی ہے؟
اور کون نفع کے اعتبار سے کس سے زیادہ قریب ہے؟

چونکہ اس علم کا مصدر دوسرے علموں کی طرح اللہ ہی کی طرف لوٹتا ہے اس لیے وارثوں میں حصے بھی

مفردات

مِمَّا: جو
تَرَكَ: اُس نے چھوڑا
اِنْ كَانَ: اگر ہے
لَهٗ: اس کے لیے
وَلَدٌ: اولاد
فَاِنْ: پھر اگر
لَّمْ: نہ
يَكُنْ: ہو
لَّهٗ: اس کے لیے
وَلَدٌ: اولاد
وَّوَرِثَهٗٓ: اور وارث ہوں اس کے
اَبَوٰهُ: اس کے ماں باپ
فَلِاُمِّهِ: تو اس کی ماں کا
الثُّلُثُ: تیسرا حصہ ہے
فَاِنْ كَانَ: پھر اگر ہوں
لَهٗٓ: اس کے لیے
اِخْوَةٌ: بھائی بہن
فَلِاُمِّهِ: تو اس کی ماں کے لیے ہے
السُّدُسُ: چھٹا حصہ
مِنْۢ بَعْدِ: بعد سے
وَصِيَّةٍ: پوری کرتے وصیت
يُّوْصِيْ: جو کر گیا ہو وصیت
بِهَآ: ساتھ اس کے
اَوْ: یا
دَيْنٍ: قرضہ
اٰبَاۗؤُكُمْ: باپ تمہارے
وَاَبْنَاۗؤُكُمْ: اور بیٹے تمہارے
لَا تَدْرُوْنَ: تم نہیں جانتے

وہی مقرر کرتا ہے اور دیتا بھی وہی ہے اور دلواتا بھی وہی ہے۔فرائض واجبات سب اسی کے مقرر کردہ ہیں، جیسے تکوین میں تقدیریں اسی کی جانب سے ہیں ایسے ہی روزیوں میں تقسیم کے ضابطے بھی اسی نے قائم کر رکھے ہیں۔ والدین اور اولادوں میں رشتہ قائم جس نے کیا ہے وہ ہی جانتا ہے کہ فوت ہونے کے بعد کس کو کیا ملنا چاہیے اور تقسیم میراث کے اصول وفروع کس طرح منضبط ہونے چاہییں، سو ہر ایک کو چاہیے کہ خلوص سے تتبع خدائی قانون ہی کی طرف کرے، اسی میں سب سے زیادہ عدل کی خوشبو موجود ہے بلکہ اللہ کے قوانین، ضابطے اور قواعد عدل ہی عدل ہیں۔

خوبصورت حکمت بھی اور حساب بھی

وراثت میں مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہوگا۔ اولاد میں اگر وارث صرف بیٹے اور بیٹیاں ہوں تو بیٹوں کے حصے دو دو ہوں گے اور بیٹیوں کا حصہ ایک ایک ہوگا۔

نظام عدل کی یہ فطری تقسیم غور وفکر کا تقاضا کرتی ہے۔ ایک مرد عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے۔ وہ بیوی اور اس کی ہونے والی اولاد کا نفقہ ہر صورت میں ادا کرتا ہے۔ رہ گیا معاملہ عورت کا تو وہ شادی سے پہلے بھی اور بعد میں بھی نفقات کا بوجھ مرد پر ہی پھینکتی ہے۔ اس اعتبار سے ذمہ داریاں مرد کی عورتوں کی نسبت دو چند ہیں، اس لیے اللہ کے مقرر کردہ حصوں میں توازن بھی ہے اور عدل بھی ہے۔ ذہنی منطق کا انتشار افراتفری پھیلانے کے لیے ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ اسلام کے اجتماعی اور عادلانہ نظام کو قائم کر کے انسانی معاشرت میں سکون پیدا کریں انہیں الٹی گنگا بہانے کی سعی نہیں کرنی چاہیے بلکہ اللہ کے قانون کو دل وجان سے تسلیم کرنا چاہیے۔

قرآن مجید کا اگلا ضابطہ

اگر میت کی وارث دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو انہیں وراثت کا دو تہائی دیا جائے اور اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو آدھا ترکہ اس لڑکی کا ہے۔ اس صورت کی وضاحت یہ ہے کہ میت کی اگر صرف دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں کوئی لڑکا نہ ہو تو ان کے لیے ورثہ دو تہائی ہوگا اور اگر صرف ایک لڑکی ہو لڑکا نہ ہو تو آدھا ترکہ اس لڑکی کا ہوگا بقیہ عصبات کو ملے گا۔ سوال ہے کہ اگر صرف دو ہوں تو پھر انہیں کیا ملے گا۔ حدیث کے مطابق انہیں بھی دو تہائی ہی ملے گا۔ عصبات یہ ہیں: باپ، دادا، بھائی حقیقی، باپ شریک بھائی، چچا اور پھر باپ دادا کی اولاد۔

ماں باپ کی میراث

پہلی صورت یہ ہے کہ میت کی ایک یا کئی بیٹے بیٹیاں ہوں تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ

مفردات

اَيُّهُمۡ: ان میں سے کون
اَقۡرَبُ: زیادہ قریب ہیں
لَكُمۡ: تمہارے لیے
نَفۡعًا: نفع بخش
فَرِيۡضَةً: فریضہ ہے
مِّنَ: سے
اللّٰهِ: اللہ کی طرف سے
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
كَانَ: ہے
عَلِيۡمًا: جاننے والا
حَكِيۡمًا: حکمت والا

ملے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ میت کی کوئی اولاد نہ ہو اور وارث صرف ماں باپ ہی ہوں تو اس مال میں ماں کا حصہ کل مال کا ایک تہائی ہوگا۔ یہاں باپ کا حصہ واضح ہے کہ دو تہائی ہوگا۔ ہاں اگر بیوی یا شوہر موجود ہوں تو باپ کے حصے سے منہا ہوگا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ صرف ماں باپ وارث ہوں اولاد نہ ہو لیکن مرنے والے کے پدری مادری یا صرف پدری بھائی موجود ہوں تو اس صورت میں ماں کا حصہ تہائی کی بجائے چھٹا ہوگا۔ بھائیوں کے حاجب بن جانے کی وجہ سے ماں کا حصہ کم ہوتا ہے۔

تم نہیں جانتے

تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد میں سے نفع کے لحاظ سے کون تم سے قریب ہے؟ یہ تم نہیں جان سکتے۔ محبتوں کے فطری رجحانات مختلف ہوتے ہیں۔ بعض لوگ محبتوں میں پس رہے ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک اولاد ماں باپ کی محبت سے آگے نکل جاتی ہے اور احترام کا میزانیہ فطری محبتوں کو دبا لیتا ہے۔ جب رشتے ناطے باہم دبتے ابھرتے ہوں تو وہاں فیصلے اللہ پر چھوڑ کر قانون اللہ کا مان لینا چاہیے۔ معاش بہت کمزور کر دینے والا شعبہ زندگی اور انصاف اللہ ہی کے قانون سے ممکن ہے وہی علیم ہے اور وہی حکیم ہے۔

❁❁❁❁❁

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ
لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ
اَوْ دَيْنٍ ۗ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ
كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ
بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۗ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ
اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ
فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ
مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿١٢﴾

(12) اور تمہارے لیے نصف ہے اس کا جو تمہاری بیویوں نے چھوڑا ہوا گر ان کی اولاد نہ ہو، ہاں اگر ان کی اولاد موجود ہو تو پھر تمہارے لیے ان کے ترکہ سے چوتھائی ہے بعد وصیت کے پورا کر لینے کے جو وصیت وہ کر جائیں یا بعد قرضہ کے اور ان کے لیے تمہارے ترکہ میں سے چوتھائی ہے اگر تمہاری کوئی اولاد نہ ہو پھر اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو پھر ان کے لیے تمہاری وصیت جو تم کر گئے ہو چکا لینے یا قرضہ کی ادائیگی کے بعد تمہارے ترکہ سے آٹھواں حصہ ہے اور اگر ہو مرد یا عورت جس کی میراث لی جاتی ہے کہ نہ اس کے اصول ہوں اور نہ فروع اور اس کا کوئی بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے بعد وصیّت کے پورا کرنے کے جو وصیّت کی جائے یا قرضہ کی ادائیگی کے بعد بغیر ضرر پہنچائے، یہ حکم ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ جاننے والا حلیم ہے

مفردات

وَلَكُمۡ: اور تمہارے لیے
نِصۡفُ: نصف ہے
مَا: جو
تَرَكَ: چھوڑا
اَزۡوَاجُكُمۡ: تمہاری بیویوں نے
اِنۡ: اگر
لَّمۡ: نہ
يَكُنۡ: ہو
لَّهُنَّ: ان کے لیے
وَلَدٌ: اولاد
فَاِنۡ: پس اگر
كَانَ: ہو
لَهُنَّ: ان کی
وَلَدٌ: اولاد
فَلَكُمُ: تو تمہارے لیے
الرُّبُعُ: چوتھائی ہے
مِمَّا: اس سے جو
تَرَكۡنَ: وہ چھوڑ گئی ہوں
مِنۡۢ: سے
بَعۡدِ: بعد
وَصِيَّةٍ: وصیت
يُّوۡصِيۡنَ: وہ وصیت کر گئی ہوں
بِهَاۤ: اس کے ساتھ
اَوۡ دَيۡنٍ: یا قرضہ
وَلَهُنَّ: اور ان کے لیے
الرُّبُعُ: چوتھائی ہے
مِمَّا: اس میں سے جو
تَرَكۡتُمۡ: تم نے چھوڑا ہو

وَلَكُمۡ نِصۡفُ مَا تَرَكَ اَزۡوَاجُكُمۡ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِيۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّكُمۡ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَكُمۡ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ تُوۡصُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ وَاِنۡ كَانَ رَجُلٌ يُّوۡرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امۡرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنۡ كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡ ذٰلِكَ فَهُمۡ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصٰى بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ۙ غَيۡرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَلِيۡمٌ ﴿۱۲﴾

''اور تمہارے لیے نصف ہے اس کا جو تمہاری بیویوں نے چھوڑا ہو اگر ان کی اولاد نہ ہو، ہاں اگر ان کی اولاد موجود ہو تو پھر تمہارے لیے ان کے ترکہ سے چوتھائی ہے بعد وصیت کے پورا کر لینے کے جو وصیت وہ کر جائیں یا بعد قرضہ کے اور ان کے لیے تمہارے ترکہ میں سے چوتھائی ہے اگر تمہاری کوئی اولاد نہ ہو پھر اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو پھر ان کے لیے تمہاری وصیت جو تم کر گئے ہو چکا لینے یا قرضہ کی ادائیگی کے بعد تمہارے ترکہ سے آٹھواں حصہ ہے اور اگر ہو مرد یا عورت جس کی میراث لی جاتی ہے کہ نہ اس کے اصول ہوں اور نہ فروع اور اس کا کوئی بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے بعد وصیّت کے پورا کرنے کے جو وصیّت کی جائے یا قرضہ کی ادائیگی کے بعد بغیر ضرر پہنچائے، یہ حکم ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ جاننے والا حلیم ہے''۔

آیت کی تشریح سے پہلے

آیت کی تشریح سے پہلے علم الفرائض کی چند اصطلاحات کا جاننا ضروری ہے۔

وارث تین قسم کے ہوتے ہیں:

1۔ اصحاب الفرائض

2۔ عصبات

3۔ ذوی الارحام

مفردات

اِنۡ: اگر
لَّمۡ: نہ
یَکُنۡ: ہو
لَّکُمۡ: تمہارے لیے
وَلَدٌ: اولاد
فَاِنۡ: پھر اگر
کَانَ: ہو
لَکُمۡ: تمہارے لیے
وَلَدٌ: اولاد
فَلَھُنَّ: توان کے لیے ہے
الثُّمُنُ: آٹھواں حصہ
مِمَّا: اس سے جو
تَرَکۡتُمۡ: تم نے چھوڑا ہو
مِّنۡ: سے
بَعۡدِ: بعد
وَصِیَّۃٍ: وصیت
تُوۡصُوۡنَ: جوتم وصیت کرو
بِھَآ: اس کی
اَوۡدَیۡنٍ: یا قرضہ
وَاِنۡ: اور اگر
کَانَ: ہو
رَجُلٌ: آدمی
یُّوۡرَثُ: ترکہ بنتا ہو
کَلٰلَۃً: وہ جس کا ماں باپ نہ ہو
اَوِ: یا
امۡرَاَۃٌ: عورت
وَّلَہٗۤ: اور اس کے لیے
اَخٌ: بھائی

- اصحاب الفرائض وہ لوگ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حصے مقرر ہیں مثلاً بیٹی ہوتو آدھے مال کی حقدار ہے، ایک سے زائد ہوں تو سب کے لیے دو تہائی، اگر میت کی اولا د نہ ہوتو پوتی بیٹی کے حکم میں ہوتی ہے۔
- عصبات وہ وارث ہوتے ہیں جن کے لیے کوئی حصہ مقرر نہیں ہے۔ ذوی الفروض سے جو بچا ہوا ہو وہ یہ پالیتے ہیں۔ ان میں سے سب سے اولیٰ بیٹا ہے پھر پوتا ہے، نیچے تک پھر باپ پھر دادا پھر حقیقی بھائی پھر سوتیلا بھائی پھر چچا پھر باپ کا چچا پھر دادا کے چچا اور جن عورتوں کا حصہ دو تہائی ہے وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں۔
- ذوی الارحام، ذوی الفروض اور عصبات کے سوا جو اقارب ہیں وہ ذوی الارحام ہیں۔ ان کی ترتیب عصبات کی مثل ہوتی ہے۔

کلالہ کی تشریح

کلالہ اس مرد یا عورت کو کہہ دیتے ہیں جس کا ترکہ ایسے حال میں تقسیم ہو کہ اس نے مرتے وقت ماں، باپ اور اولا د نہ چھوڑی ہو۔ اس صورت میں تقاسمہ ماں کی طرف سے بھائی یا بہن ہو تو ان میں ہوگا۔ صورت یہ ہوگی کہ ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو تہائی حصہ متروکہ میت سے نکال کر سب میں مساوی تقاسمہ ہوگا کیوں کہ وہ ماں کی طرف سے استحقاق حاصل کر پائے اور ماں تہائی سے زیادہ نہیں لے سکتی اور ان میں مرد کا حصہ عورت کے حصہ سے زیادہ نہیں۔

آیت کا مفہوم و مدعا

آیت میں میاں بیوی کے حصے بیان ہوئے ہیں۔ کہا یہ جا رہا ہے مرد صاحبِ اولا د نہ ہو تو اپنی بیوی کے مال سے آدھی میراث لے گا لیکن اگر اس کے ایک یا کئی بچے ہوں تو پھر شوہر کو مال کا چوتھائی حصہ ملے گا لیکن یہ تقاسمہ بیوی کا قرض ادا کرنے کے بعد اور اس کی وصیت جو ایک مخصوص حصے میں جاری ہوگی اس کے پورا کرنے کے بعد ہے۔

آیت یہ بھی واضح کرتی ہے کہ بیویوں کی میراث شوہروں کے مال سے جبکہ اس کی کوئی اولا د ہو تو پھر عورتوں کا آٹھواں حصہ ہوگا، البتہ شوہر اور بیوی کا حصہ اولا د نہ ہونے کی صورت میں نصف نصف ہوتا ہے۔ آیت میں کلالہ کی میراث کا تقاسمہ بھی بیان کر دیا گیا ہے(26)۔

ایک اہم نکتہ

یہ آیت پوری وضاحت کے ساتھ قاریٔ قرآن کو یہ سکھاتی ہے کہ انسان یہ حق نہیں رکھتا کہ وصیت

کے ذریعے یا قرضے کے نام پر حقائق کو تبدیل کر دے اور وارثوں کا حق ضائع کرے۔قرضہ پورے وثوق اور احتیاط سے بیان کیا جائے، جہاں تک وصیت کا تعلق ہے وہ صرف مال کے ایک تہائی حصے میں جاری ہوتی ہے۔

❁❁❁❁❁

مفردات

اَوْ: یا
اُخْتٌ: بہن
فَلِكُلِّ: تو ہر ایک کے لیے
وَاحِدٍ: ایک
مِّنْهُمَا: ان دونوں میں سے
السُّدُسُ: چھٹا حصہ ہے
فَاِنْ: پھر اگر
كَانُوْٓا: وہ ہوں
اَكْثَرَ: زیادہ
مِنْ: سے
ذٰلِكَ: اس
فَهُمْ: تو وہ
شُرَكَآءُ: شریک ہیں
فِي: میں
الثُّلُثِ: تیسرے حصے کے
مِنْ: سے
بَعْدِ وَصِيَّةٍ: وصیت کے بعد
يُّوْصٰى: کہ وصیت کی جائے
بِهَآ: اس کی
اَوْ دَيْنٍ: یا قرضہ
غَيْرَ: نہ ہو
مُضَآرٍّ: تکلیف دینے والا
وَصِيَّةً: وصیت
مِّنَ: سے
اللّٰهِ: اللہ
وَاللّٰهُ: اور اللہ
عَلِيْمٌ: علم والا
حَلِيْمٌ: حلم والا

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾
وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا
فِيْهَا ۪ وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾
وَ الّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً
مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ
الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾

(13) یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ اسے ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے

(14) اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے بڑھ جائے گا وہ اسے آگ میں داخل کرے گا جبکہ اس نے ہمیشہ اس کو اسی میں رکھنا ہے اور ایسے شخص کے لیے ذلیل کر دینے والی سزا ہوگی

(15) اور تمہاری عورتوں میں سے جو فحاشی کا ارتکاب کرے تو تم ان پر اپنوں میں سے چار گواہ لاؤ، اگر وہ گواہی دے دیں تو انہیں گھروں میں روک لو یہاں تک کہ انہیں موت اٹھا لے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راہ مقرر فرما دے

مفردات

تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ يُدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا
الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ وَذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۳﴾

''یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ اسے ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے''۔

آیت میں انسانی رہنمائی کے لیے چار عنوانات پر شعلۂ وحی کو روشن کیا گیا ہے:

1۔ حدود کی پہچان

2۔ اطاعت کے ظاہری اور روحانی ثمرات

3۔ جنت میں خلود کی نعمت

4۔ اور عظیم کامیابی کا قرآنی تصور

''حدود، حد'' کی جمع ہے۔ اس کا لغوی معنیٰ منع کرنا یا روکنا ہوتا ہے۔ ایک چیز کو دوسری چیز سے ممیز کرنا بھی ''حد'' ہوتا ہے۔ لوہے کو ''الحدید'' کہتے ہیں اس لیے کہ یہ اپنی سختی کی وجہ سے اکثر روک قائم کرنے کے کام آتا ہے۔ ''المحادہ'' کا معنیٰ دشمنی ہوتی ہے چونکہ یہ بھی ایک دوسرے کو روکنے سے تعبیر کی جاتی ہے۔ شاید تیز دھار آلے کو بھی ''حد'' سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ دشمنی میں کاٹنے توڑنے کے کام آتا ہے(27)۔ قرآن مجید نے بصارت کے لیے بھی ''حدید'' لفظ استعمال کیا، اس لیے کہ یہ بھی تیز آلے کی طرح حقیقت پر پڑے ہوئے پردوں سے پار ہو جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے، شہر کی حد، باغ کی حد، گھر کی حد وغیرہ قوانین، ضوابط اور اصول بھی ''حدود'' ہوتی ہیں۔ قرآن مجید میں اکثر ''حدود'' کا لفظ اجتماعی احکام اور مقررات بیان کرنے کے بعد آیا ہے۔ یہاں آیت میں ''حُدُوۡدُ'' سے مراد میراث کے قوانین ہیں۔ یہ ایک نظام ہے جسے اللہ نے اپنی حکمت کے مطابق وضع فرمایا ہے۔ یہ حدود خاندانی نظام کو مضبوط کرنے کے لیے ہیں۔ ان شرائع سے معاشرہ میں اجتماعی بنیادیں مضبوط ہوتی ہیں۔ احکام فیصلہ کن ہیں جن پر عمل ضروری ہے۔

آیت میں صاف طور پر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو اسلام کی تسلیم میں شرط کے طور پر بیان کیا گیا ہے، جیسے پیاس پانی پینے ہی سے بجھتی ہے ایسے ہی اسلام کے روحانی مشمرات سے فیض یاب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی جائے۔ حاکمیت اللہ کے لیے ہے

تِلۡكَ: یہ
حُدُوۡدُ: حد کی جمع ہے، اس کا معنیٰ ہے منع کرنا اور روکنا، اس کے بعد ہر وہ چیز جو دو چیزوں میں فاصل ہو وہ حد ہوتی ہے
اللّٰهِ: اللہ
وَمَنۡ: اور جو
يُّطِعِ: اطاعت کرے
اللّٰهَ: اللہ کی
وَرَسُوۡلَهٗ: اور اس کے رسول کی
يُدۡخِلۡهُ: وہ داخل کرے گا اسے
جَنّٰتٍ: باغات میں
تَجۡرِىۡ: رواں ہوگی
مِنۡ تَحۡتِهَا: اس کے نیچے سے
الۡاَنۡهٰرُ: نہریں
خٰلِدِيۡنَ: وہ ہمیشہ رہیں گے
فِيۡهَا: ان میں
وَذٰلِكَ: اور یہ ہے
الۡفَوۡزُ: کامیابی
الۡعَظِيۡمُ: بڑی

مفردات

وَ: اور
مَنۡ: جو
یَّعۡصِ: نافرمانی کرے گا
اللّٰہَ: اللہ
وَرَسُوۡلَہٗ: اور اس کے رسول کی
وَیَتَعَدَّ: اور تجاوز کرے گا
حُدُوۡدَہٗ: اس کی حدوں سے
یُدۡخِلۡہُ: وہ داخل کرے گا اسے
نَارًا: جہنم میں
خَالِدًا: ہمیشہ سکونت گزیں ہوگا
فِیۡہَا: اس میں
وَلَہٗ: اور اس کے لیے
عَذَابٌ: عذاب
مُّہِیۡنٌ: ذلیل کر دینے والا

اور محبوبیت اور بیان اللہ کے رسول پر ہے، اس لیے ضروری ہے کہ عملی اسلام، روحانی اسلام اور اعتقادی اسلام کا مرکز اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہو۔

قرآن مجید میں باغات میں سکونت اور خلود کو نعمت کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور نعمت وہی لذیذ ہوتی ہے جس میں خلود اور ہمیشگی ہو۔

آیت کا چوتھا عندیہ یہ ہے کہ حدود اللہ کی پہچان، قرآنی شرائع اور احکام، الوہی مقررات اور فرائض خصوصاً معاش اور معاشرت میں قرآنی حدود کا عملی نفوذ بڑی کامیابی کے دروازے کھولتا ہے۔ فوزِ عظیم اخروی نجات کے لیے بھی آیا ہے لیکن اس کامیابی کی مضبوط جڑیں تو دنیا میں حدود اللہ کا قیام و نفوذ ہے اور انسان کا انسان بن جانا ہے اور بندگی کی جنتیں تو اسی کامیابی کے ساتھ جوڑ دی گئی ہیں۔

وَمَنۡ یَّعۡصِ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوۡدَہٗ یُدۡخِلۡہُ نَارًا خَالِدًا فِیۡہَا ۪ وَلَہٗ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ﴿۱۴﴾

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے بڑھ جائے گا وہ اسے آگ میں داخل کرے گا جبکہ اس نے ہمیشہ اس کو اسی میں رکھنا ہے اور ایسے شخص کے لیے ذلیل کر دینے والی سزا ہوگی''۔

ادیانِ عالم میں اس عصرِ جدید کے اندر قوانین کی حیثیت کاغذ کے صفحات پر سیاہی کی لکیروں سے زیادہ نہیں رہی۔ اگر کچھ وقعت ہونے کا دعویٰ ہے بھی تو اس کی حیثیت پند و نصیحت سے زیادہ نہیں جبکہ اسلام کاغذی دین نہیں اور اس کے اصول و ضوابط صرف ذہنی ریاضت کے لیے نہیں۔ اسلام کی ہر بات معاشرہ میں عملی نفوذ کی ضمانت رکھتی ہے۔ قرآن حکیم ہر مسلمان کی اطاعت و وفا پر اس کا پشت پناہ ہوتا ہے اور نافرمانی اور معصیت کے وہ خونی پنجے توڑ دیتا ہے۔

وہ لوگ جو حدود اللہ سے تجاوز کرتے ہیں انہیں ابدی جہنم کی سزا سنائی جاتی ہے۔ اصل مقصد تو یہ ہے کہ وہ دنیا میں اچھی اور خوبصورت زندگی گزارنے کے خوگر ہو جائیں۔ آیت میں معصیت سے مراد کھلے طور پر وہ لوگ ہیں جن کی سرکشی اور ڈھٹائی اسلام کے دامن سے اجرائی ضمانت چھینتی ہے، اس جملے کی صحیح تعبیر یہ ہے وہ لوگ جو قانون میراث پر عمل نہیں کرتے وہ حدود اللہ کو توڑتے ہیں۔ اللہ کے قانون کے خلاف کھلی بغاوت کرتے ہیں۔ قانون ورثہ میں تبدیلی کر کے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اہلِ مغرب کی تقلید میں ان کے قوانین کا اجرا کر کے اللہ کے قانون کی حدیں توڑتے ہیں۔ ''یَتَعَدَّ حُدُوۡدَہٗ'' کے الفاظ ان کی باغیانہ طبیعت پر دلالت کرتے ہیں۔ دین تو حدود اللہ کی پاسداری ہی کا نام

مفردات

ہے۔ بے عملی قانون کو رفتہ رفتہ کمزور کر دیتی ہے۔ مسلمانوں میں بچیوں کو تقاسمہ کے وقت میراث میں حصہ نہ دینا عہد جہالت کی رسوم کو زندہ کرنا ہے۔ اقتصادی تباہیاں انسانوں کو ذلت آمیز عذاب سے دو چار کر دیتی ہیں۔

واللہ اعلم

وَالّٰتِیۡ یَاۡتِیۡنَ الۡفَاحِشَۃَ مِنۡ نِّسَآئِکُمۡ فَاسۡتَشۡہِدُوۡا عَلَیۡہِنَّ اَرۡبَعَۃً مِّنۡکُمۡ ۚ فَاِنۡ شَہِدُوۡا فَاَمۡسِکُوۡہُنَّ فِی الۡبُیُوۡتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰہُنَّ الۡمَوۡتُ اَوۡ یَجۡعَلَ اللّٰہُ لَہُنَّ سَبِیۡلًا ﴿۱۵﴾

''اور تمہاری عورتوں میں سے جو فحاشی کا ارتکاب کرے تو تم ان پر اپنوں میں سے چار گواہ لاؤ، اگر وہ گواہی دے دیں تو انہیں گھروں میں روک لو یہاں تک کہ انہیں موت اٹھا لے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راہ مقرر فرما دے''۔

فقہائے کرام نے اس آیت کی تفسیر میں اسلام کے تفصیلی احکام کا جائزہ لیا ہے۔ عام طور پر جو مسائل زیرِ بحث لائے گئے ہیں ان کی ترتیب یہ ہے:

1۔ فحاشی کیا ہے؟
2۔ جنسی گناہوں کی روک تھام
3۔ فحاشی کے اطلاقات
4۔ الزامات کا گواہوں کے بغیر بے معنیٰ ہونا
5۔ گواہیوں کی تعداد
6۔ گواہوں کا مسلمانوں میں سے ہونا
7۔ گواہوں کا چار کے عدد میں احصار
8۔ جرم کا ارتکاب کرنے والے کنوارے ہیں یا شادی شدہ
9۔ گواہیاں گزرنے سے پہلے گھریلو ماحول کی طہارت
10۔ عمر قید دے دینا یا گھر میں پابند کر دینا
11۔ جیلیں یا گھر، دونوں میں فرق
12۔ الناسخ اور منسوخ کی بحث
13۔ عورتوں کے لیے قید کے علاوہ کوئی اور راستہ

وَالّٰتِیۡ: اور وہ جو
یَاۡتِیۡنَ: آئیں
الۡفَاحِشَۃَ: بدکاری، زنا، بے حیائی
مِنۡ: سے
نِّسَآئِکُمۡ: تمہاری عورتوں
فَاسۡتَشۡہِدُوۡا: تو گواہ پکڑو
عَلَیۡہِنَّ: ان پر
اَرۡبَعَۃً: چار
مِّنۡکُمۡ: تم میں سے ہوں
فَاِنۡ: تو اگر
شَہِدُوۡا: وہ گواہی دے دیں
فَاَمۡسِکُوۡہُنَّ: تو بند کر دو انہیں
فِی: میں
الۡبُیُوۡتِ: گھروں میں
حَتّٰی: یہاں تک کہ
یَتَوَفّٰہُنَّ: اٹھا لے ان کو
الۡمَوۡتُ: موت
اَوۡ: یا
یَجۡعَلَ: بنائے
اللّٰہُ: اللہ
لَہُنَّ: ان کے لیے
سَبِیۡلًا: کوئی راستہ

14۔ نکاح یا قید

15۔ اصلاح کی کوئی اور کوشش

16۔ ''سَبِيۡلًا''میں توسع کی بحث

17۔ مجرموں کے جرم حد میں ہونا یا حد سے متجاوز ہونا

18۔ قرآن اور حدیث کا مترادف المعنیٰ ہونا

19۔ قرآن اور حدیث کا مخالف المعنیٰ ہونا

20۔ نتیجہ کلامی

قرآن مجید کا زور

اس آیت میں قرآن مجید کا اصل زور جنسی زیادتیوں کی روک تھام پر ہے۔آیت کا اسلوب ظاہر کرتا ہے کہ اسلامی قانون سازی مرحلہ در مرحلہ ہوتی ہے۔

1۔ گھروں کو پاک صاف رکھنا

2۔ قبیلوں اور برادریوں کا صاف رکھنا

3۔ معاشرہ کو طہارت کے لیے مضبوط بنیادیں فراہم کرنا

4۔ ملک، ریاست اور بلاد المسلمین کو صاف ستھرا رکھنا

گھروں میں طہارت فکری، طہارت عملی، طہارت روحانی قائم رکھنے کے لیے علاج معالجہ زیادہ تر دعوتی، نفسیاتی اور تدبیراتی ہوتا ہے۔ برادریوں میں جو سزائیں یا فہمائشیں اپنائی جاتی ہیں وہ پنچائتی ہوتی ہیں اور جرائم اگر گھروں اور قبیلوں سے نکل جائیں تو پھر سزائیں ریاستی ہوتی ہیں۔اس سے بالا قرآن مجید کے فیصلے تعزیراتی ہوتے ہیں۔ حدود کا خیال ہر رنگ اور ہر حال میں رکھا جاتا ہے۔قرآن مجید کی آیات کو ناسخ منسوخ کی میزان پر چڑھائے بغیر اگر اجرائی ضمانتوں کو پشت پناہ بنا کر سمجھنے کی سعی کی جائے تو اعجازِ قرآن مزید محکم ہو کر سامنے آتا ہے۔اصل چیز جنسی انارکی کا ختم کرنا ہے اور اس میں بھی قانون کا مزاج عادلانہ رکھنا ہے۔حدود سے تجاوز کے لیے ہر شعبہ میں احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔''مِّنۡكُمۡ، فِى الۡبُيُوۡتِ''اور''سَبِيۡلًا''کے دریچوں سے جھانک کر علوم اور معارف کے آسمانوں تک مزید رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا
عَنْهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿١٦﴾
اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ
مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧﴾
وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ
الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۗ
اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٨﴾

(16) اور تم میں سے جو دو ایسی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو انہیں ایذا پہنچاؤ پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور اپنے آپ کو درست کر لیں تو ان کے معاملہ سے اعراض کر لو بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا بے حد مہربان ہے

(17) اس بات پر پختہ یقین رکھیے کہ ایسی توبہ جس کا قبول کرنا اللہ پر ہے وہ ان لوگوں کی ہے جو جہالت سے بُرائی کر بیٹھیں پھر جلدی توبہ کرنے لگ جائیں تو ایسوں پر اللہ رجوع رحمت فرماتا ہے اور اللہ بڑے علم والا اور حکمت والا ہے

(18) ان لوگوں کی توبہ نہیں ہوتی جو بُرے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی ایک کو موت آ لیتی ہے تو اس وقت وہ کہتا ہے اب میں نے توبہ کی اور نہ ہی توبہ ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو کفر ہی کی حالت میں مرتے ہیں ہم نے ایسے لوگوں کے لیے ہی دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے

مفردات

وَالَّذٰنِ: اور وہ دو
یَاۡتِیٰنِھَا: جو بدکاری کا ارتکاب کریں
مِنۡکُمۡ: تم میں سے
فَاٰذُوۡھُمَا: توان دونوں کو ایذا دو
فَاِنۡ: پھر اگر
تَابَا: وہ دونوں توبہ کریں
وَاَصۡلَحَا: اور اصلاح کرلیں دونوں
فَاَعۡرِضُوۡا: توتم سب اعراض برتو
عَنۡھُمَا: ان دونوں سے
اِنَّ: بے شک
اللّٰہَ: اللہ
کَانَ: ہے
تَوَّابًا: توبہ قبول کرنے والا
رَّحِیۡمًا: مہربان، رحیم، شفیق

وَالَّذٰنِ یَاۡتِیٰنِھَا مِنۡکُمۡ فَاٰذُوۡھُمَا ۚ فَاِنۡ تَابَا وَاَصۡلَحَا فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡھُمَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا ﴿۱۶﴾

"اور تم میں سے جو دو ایسی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو انہیں ایذا پہنچاؤ پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور اپنے آپ کو درست کرلیں تو ان کے معاملہ سے اعراض کرلو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا بے حد مہربان ہے"۔

فی ظلال القرآن میں سید قطب لکھتے ہیں (28):

> "یہ آیت ہم جنس پرستوں کے بارے میں ہے وہ دو مرد جو باہم فحاشی کا ارتکاب کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے مطابق دونوں کو اذیت یوں دی جائے کہ انہیں گالی گلوچ کر کے ذلیل کیا جائے اور جوتے وغیرہ مارے جائیں"۔

ابن کثیر نے یہ بھی نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا (29):

> "جسے تم لواطت کرتے دیکھو تو دونوں بدفعلی کے مرتکبین کو قتل کر ڈالو"۔

ابن جوزی نے سنگین سزا دینے کا قول کیا ہے۔ خیال ہے قتل کردو سے مراد بھی سنگین سزا دینا ہے وگرنہ پھر اگر توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں کا مفہوم قتل کرنے کے بعد کیا معنی رکھتا ہے۔ قرآن حکیم کی ایذا کا معنی سنگین سزا سے کرنا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے (30)۔

بعض مفسرین نے گالی گلوچ کرنے کا معنی سمجھنے سے معذرت چاہی۔ ایک غلطی کو ختم کرنے کے لیے دوسری غلطی کرنا اس لبیکیت کی کوئی گنجائش نہیں۔

حضرت عکرمہ، عطا، حسن اس سے مراد مرد اور عورت کا آپس میں ملوث ہونا مراد لیتے تھے (31)۔

آیت میں توبہ اور اصلاح سے مراد زندگی میں تبدیلی ہے۔ ایسا شخص جو اصلاح کی طرف مراجعت کرلیتا ہے تو پھر معاشرتی دباؤ قائم رکھنے کا کوئی معنی نہیں بچتا۔ سزاؤں کا مقصد صرف ہڈیاں توڑنا نہیں ہوتا لوگوں میں طرزِ عمل کی تبدیلی، طہارت نفسی کی کوشش اور انحراف کا خاتمہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات سزا وہ کام نہیں کرتی جو چشم پوشی کردیتی ہے۔ آیت کا بیانیہ مصلحانہ ہے۔ قرآن مجید کی آیت میں مجرموں اور

مفردات

اِنَّمَا: نہیں ہے سوا اس کے
التَّوْبَةُ: توبہ ہے
عَلَى: پر
اللهِ: اللہ
لِلَّذِيْنَ: ان لوگوں کے لیے
يَعْمَلُوْنَ: جو کرتے ہیں
السُّوْٓءَ: برائی
بِجَهَالَةٍ: جہالت کے ساتھ
ثُمَّ: پھر
يَتُوْبُوْنَ: توبہ کرتے ہیں
مِنْ: سے
قَرِيْبٍ: قریب
فَاُولٰٓئِكَ: پس وہی ہیں
يَتُوْبُ اللهُ: اللہ رجوع رحمت فرماتا ہے
عَلَيْهِمْ: ان پر
وَكَانَ اللهُ: اور اللہ ہے
عَلِيْمًا: علم والا
حَكِيْمًا: حکمت والا

ملزموں کو رعایت نہیں دی گئی، ان کے باطنوں کو دھویا گیا ہے۔ ان کے لیے توبہ کی گنجائش رکھ کر اوصاف اور اخلاق پیدا کرنے کی مہلت دی گئی ہے۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ حدود کو جہاں تک ہو سکے دور پھیرو لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ روشنی کے چراغوں کو پلٹا دو اور قانون کو درہم برہم کردو۔ یہاں اشارہ شاید اس طرف کرنا مقصود ہے کہ اصلاح یافتہ لوگوں کو طعنے نہ دیے جائیں، ان پر گندگی نہ اچھالی جائے، ان کو سابقہ یادوں کی وجہ سے اذیت نہ دی جائے، معاشرے میں انہیں ایک بہتر آدمی کی حیثیت سے قبول کیا جائے اکثر دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں کو اصرار کے ساتھ برا نام دے دیا جاتا ہے وہ دوبارہ جرائم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ قرآن دباتا نہیں اٹھاتا ہے اور ظلمتوں سے اُجالوں کی طرف سفر کرنے میں مدد دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے البتہ ارشاد فرمایا:

> ”تم جسے پاؤ کہ وہ ہم جنس بدفعلی کا مرتکب ہو رہا ہے تو
> فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کردو“۔

حدیث شریفہ کا معنیٰ ممکن ہے یہ ہو کہ دو آدمی اتنے گندے ہو جائیں کہ وہ تم سب کے سامنے گندگی کرنے لگ جائیں تو ایسوں کے لیے سزا میں نرمی کرنا تو گناہ کا بیج معاشرے میں بو دینا ہے جو بذات خود جرم ہے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾

”اس بات پر پختہ یقین رکھیے کہ ایسی توبہ جس کا قبول کرنا اللہ پر ہے وہ ان لوگوں کی ہے جو جہالت سے بُرائی کر بیٹھیں پھر جلدی توبہ کرنے لگ جائیں تو ایسوں پر اللہ رجوع رحمت فرماتا ہے اور اللہ بڑے علم والا اور حکمت والا ہے“۔

رابطہ

مفتی احمد یار خان بدایونی لکھتے ہیں (32):

آیت کے پچھلی آیات سے ربط کے چند قرینے ہیں:

1۔ گزشتہ آیات میں بدکاروں کی توبہ کا ذکر تھا اس آیت میں اب توبہ کی نوعیت کا ذکر ہے کہ کس قسم کی توبہ سے گناہ گار مستحق رحمت ہوئے۔

2۔ مقبول توبہ کی شرائط بیان ہوئیں اس طرح یہ آیت پہلی آیات کا تتمہ ہے۔

3۔ پہلے توبہ کی ترغیب تھی اب توبہ کا وقت بیان کیا جا رہا ہے۔

4۔ اس آیت میں مسئلہ توبہ پر اعتراضات دفع کیے جا رہے ہیں۔

تفسیر

''اِنَّمَا'' کلمہ حصر ہے یہ اپنے مابعد کو ثابت کر کے باقی کی نفی کرتا ہے۔ یہاں آیت میں ''اِنَّمَا'' کہہ کر توبہ کی قبول کی خبر دی گئی ہے اور ما سوا کی نفی کر دی گئی۔ ''التَّوۡبَةُ'' کا مفہوم یہ ہوگا کہ گناہ کے مرتکب کا نیکی کی طرف لوٹنا، غفلت سے بیداری کی طرف نکلنا اور بُرائی سے بھلائی کی طرف عدول اور اللہ کی طرف توبہ یہ نسبت رکھتی ہے کہ ناراضگی سے کرم، رحمت اور معاف کر دینے کی طرف مراجعت (33)۔

ایک روحانی بات

علامہ آلوسی لکھتے ہیں (34):

> ''آیت میں ''عَلَى'' آیا ہے اور یہ لزوم کے لیے آتا ہے۔ یہاں التزام یعنی لزوم کو اللہ نے اپنی طرف نسبت فرمائی ہے۔ ہو سکتا ہے یہاں ''عَلَى، عند'' کے معنوں میں ہو یا ''مِنۡ'' کی معنویت کو کلام میں سمو دیا ہو، مفہوم ہر صورت میں یہ ہوگا کہ اللہ نے اپنے ذمہ کرم پر توبہ کی حقیقت لازم القبول فرمائی تو ''عند'' کے معنوں میں مفہوم یہ متبادر ہوگا کہ یہ توبہ اللہ کے نزدیک ہے اور ''مِنۡ'' کے معنوں میں مفہوم یہ ہوگا کہ یہ توبہ کی توفیق اللہ کی طرف سے ہے''۔

واللہ اعلم

''التَّوۡبَةُ'' میں الف لام عہدی ہے اور توبہ سے مراد مقبول توبہ ہے (35)۔

''سوٓء'' سے گناہ کی تعبیر

قرآن مجید نے یہاں آیت میں گناہ کے لیے ''سوٓء'' لفظ استعمال کیا ہے۔ برائی، بدی اور گناہ کے لیے یہ تعبیر گناہ کے اثرات کی وجہ سے ہوئی ہے۔ گناہ اور بدی، بدکار شخص کی روح، بدن اور نفس میں ہمیشہ بے چینی پیدا کرتے ہیں، الم کا سبب بنتے ہیں، اذیت اور دکھ اسی سوتے سے جنم لینے والی چیزیں

ہیں، نیکی حسن المآب ہوتی ہے اور برائی کا چہرہ کالا ہوتا ہے، نیکوکار شخص سکون کے چشمہ پر آخر کار رسائی پالیتا ہے اور بدکار آدمی بے چینیوں، الم سوزیوں اور تباہیوں کی دوزخ میں جلتا رہتا ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت چشمۂ رحمت کی حیثیت رکھتی ہے تاکہ لوگ توبہ کے آبِ صافی سے خود کو نہلاتے رہیں اور صاف ستھرے ہو کر اللہ کی رضا پاتے رہیں۔

جہالت کیا ہے؟

قرآن مجید نے اس آیت میں جس گناہ کی تہہ میں جہالت ہو اس کے لیے توبہ ضروری قرار دی ہے۔ جہالت کیا چیز ہے؟ کیا یہ گناہ سے بے خبری کا نام ہے یا گناہوں کے منحوس اثرات اور تباہ کاریوں سے ناواقفیت کا نام جہالت ہے؟ یہ ٹھیک اور درست ہے کہ جہل کی ایک صورت بے خبری کی ہوتی ہے، دوسری صورت ڈھٹائی کی ہوتی ہے، تیسری صورت طبعی ضد کی ہوتی ہے، چوتھی صورت شہوت کے غلبہ کی ہوتی ہے، پانچویں صورت ماحول کی گندگی کی ہوتی ہے، چھٹی صورت تقدیر کی شقاوت کی ہوتی ہے، ساتویں صورت خواہشات کے تلاطم کی ہوتی ہے، آٹھویں صورت تعقلات کی ظلمت کی ہوتی ہے، نویں صورت مبلغین علم کی بے حسی کی ہوتی ہے، دسویں صورت عداوت کی ہوتی ہے اور گیارہویں صورت ایمان کی کمزوری کی ہوتی ہے اور بارہویں صورت انکار اور عناد کی ہوتی ہے، تیرہویں صورت دشمنوں کی کاسہ لیسی کی ہوتی ہے، چودھویں صورت شیطانیت کے مکر وفریب کی ہوتی ہے اور پندرہویں صورت مزخرفین کی صحبت کی ہوتی ہے۔ توبہ ہر ایک کو فائدہ دینے اور صاف ستھرا کرنے والا غسل ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ دین اقرار سے شروع ہوتا ہے، تصدیق سے زور پکڑتا ہے، تسلیم کی راہ چلتا ہے، یقین اور اعتماد سے مضبوط ہوتا ہے اور توبہ و استغفار سے قبولیت کا مقام اور فضیلت پالیتا ہے۔

نفوس نفیسہ وہی ہوتے ہیں:

- احکم الحاکمین کی ربوبیت سے جو انکار نہیں کرتے
- اس کی توفیق کے خزانہ کو معمولی تصور نہیں کرتے
- خدا کی سزاؤں کو خفیف نہیں جانتے
- جہالت کو اپنا حاکم نہیں بنا لیتے
- اللہ کی عطاؤں کو مقدر کی معراج جانتے ہیں
- جب ان سے غلطی ہو جاتی ہے تو ہوس اور ضد کو اپنا رفیق اور معتمد نہیں جانتے بلکہ توبہ اور استغفار کی راہ پڑ جاتے ہیں۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

احیاء العلوم کا خوبصورت حوالہ

امام غزالی احیاء العلوم میں خامہ فرسا ہوتے ہیں (36):

گناہوں پر اقدام کے تین درجے ہیں:

- پہلا یہ کہ گناہ کا کبھی ارتکاب نہ ہو، یہ فرشتوں اور انبیاء کی خصوصیت ہے۔
- دوسرا درجہ یہ ہے کہ گناہوں کا ارتکاب کیا جائے اور ان پر اصرار جاری رہے۔ ان پر دل میں ندامت بھی نہ ہو اور انہیں چھوڑنے کا خیال تک نہ آئے۔
- تیسرا مقام ان لوگوں کا ہے جن سے گناہ سرزد ہو لیکن فوراً اس پر دل میں ندامت پیدا ہو اور آئندہ کے لیے گناہ چھوڑ دینے کا پختہ عزم ہو۔

توبہ کے تین ارکان

صدق دل سے کی جانے والی توبہ کے تین ارکان ہیں:

- پہلا رکن یہ ہے کہ اپنے کیے پر ندامت ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''انما التوبة الندم'' توبہ نام ہی ندامت کا ہے۔
- دوسرا رکن توبہ کا گناہ کو ترک کر دینا ہے اور آئندہ کے لیے اس گناہ سے قریب تک نہ ہونے کا عزم ہے۔
- تیسرا رکن یہ ہے کہ تلافی مافات کی فکر کی جائے (37)۔

''ثُمَّ يَتُوۡبُوۡنَ مِنۡ قَرِيۡبٍ'' کا معنی

مفسرین نے اس کی تین صورتیں لکھی ہیں (38):

- پہلی صورت یہ ہے کہ آثارِ موت ظاہر ہونے سے پہلے توبہ کی جائے۔
- دوسری صورت یہ ہے کہ گناہ گار شخص سے جونہی گناہ سرزد ہو فوراً وہ پشیمان ہو کر توبہ کرے اور اللہ کی طرف لوٹ آئے۔ ''قَرِيۡبٍ'' کا لفظ تعبیر کی اسی صورت سے مکمل مناسبت رکھتا ہے (39)۔
- تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ کے قرب کے احساس یا اماکن رحمت یا وسائل کرم کو اختیار کرے اللہ ضرور توبہ قبول فرمائے گا۔

واللہ اعلم

آیت کے آخر میں عمودِ تفسیر کو کھول کر بیان کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر ہی اپنے کرم کی مراجعت فرماتا ہے اس لیے کہ وہ علم والا ہے اور حکمتوں کا مالک وہی ہے۔

مفردات

وَلَیۡسَتِ: اور نہیں
التَّوۡبَۃُ: توبہ
لِلَّذِیۡنَ: ان لوگوں کے لیے
یَعۡمَلُوۡنَ: جو ارتکاب کرتے ہیں
السَّیِّاٰتِ: برائیوں کا
حَتّٰۤی: یہاں تک کہ
اِذَا: جب
حَضَرَ: حاضر ہو
اَحَدَھُمُ: ان میں ایک کے پاس
الۡمَوۡتُ: موت
قَالَ: کہتا ہے یا کہا اس نے
اِنِّیۡ: بے شک میں نے
تُبۡتُ: توبہ کی
الۡـٰٔنَ: اب
وَلَا الَّذِیۡنَ: اور نہ ان لوگوں کی
یَمُوۡتُوۡنَ: وہ فوت ہوتے ہیں
وَھُمۡ: درآنحالیکہ وہ
کُفَّارٌ: کفر کی حالت ہی میں ہوتے ہیں
اُولٰٓئِکَ: یہی ہیں
اَعۡتَدۡنَا: تیار کیا ہم نے
لَھُمۡ: ان کے لیے
عَذَابًا: عذاب
اَلِیۡمًا: دردناک

وَلَیۡسَتِ التَّوۡبَۃُ لِلَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الۡمَوۡتُ
قَالَ اِنِّیۡ تُبۡتُ الۡـٰٔنَ وَلَا الَّذِیۡنَ یَمُوۡتُوۡنَ وَھُمۡ کُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِکَ اَعۡتَدۡنَا لَھُمۡ
عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿۱۸﴾

”ان لوگوں کی توبہ نہیں ہوتی جو بُرے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی ایک کو موت آلیتی ہے تو اس وقت وہ کہتا ہے اب میں نے توبہ کی اور نہ ہی توبہ ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو کفر ہی کی حالت میں مرتے ہیں ہم نے ایسے لوگوں کے لیے ہی دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے“۔

وہ لوگ جو ہمہ وقت، ہمہ عمر اور ہمہ زیست گناہوں کے سمندر میں غرق رہتے ہیں۔ غفلتوں کی بادِسموم نے ان کی گردن توڑ دی ہوتی ہے، ایسے لوگوں کی رسمی توبہ کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ایسے لوگوں کی توبہ اس لیے کوئی اثر نہیں رکھتی کہ ان کی زندگی میں عملی اصلاح کا کوئی اظہار نہیں پایا جاتا، ان کے رویوں سے معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے دلوں میں کوئی تبدیلی بپا ہوگئی ہے۔ توبہ تو ایک رحمت اور کرم کا دروازہ ہے، جس میں سے وہی لوگ گزر کر کے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن کے ضمیروں میں تبدیلی واقع ہو اور وہ ارادہ کرلیں کہ آئندہ انہوں نے شیطانی جھنڈوں تلے ایک منٹ بھی بسر نہیں کرنا۔ وہ رحمٰن کے بندے ہیں اور زندگی کا لمحہ لمحہ رحمٰن کے نام پر وقف ہے۔

آیت اپنا فیصلہ سنا دیتی ہے کہ قبولِ توبہ کا وعدہ اس قسم کے لوگوں کے لیے نہیں ہے جو توبہ کو بھی رسم بنا لیتے ہیں یہاں تک کہ ان کی موت آپہنچتی ہے۔ ایسے لوگوں کا معاملہ اللہ پر ہوتا ہے چاہے تو بخش دے اور چاہے تو عذاب دے دے (40)۔

آیت میں دوسرے وہ لوگ ہیں جو کفر ہی کی حالت میں موت کی چوکھٹ پر پہنچ جاتے ہیں۔ ان کی توبہ کچھ معنی نہیں رکھتی۔ یہ تو واویلا ہے جو موت کے آثار دیکھ کر انسان ہنگامے اٹھانے لگ جاتا ہے۔

آیت کا عمود یہ ہے کہ توبہ کرنے میں سرعت اور جلدی ہونی چاہیے۔

واللہ اعلم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (41):

”گناہ سے توبہ کرنے والا اللہ کا محبوب ہے“۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (42):

”مومن موت سے ایک ماہ پہلے توبہ کرلے یا ایک دن

پہلے یا ایک گھڑی پہلے تو اللہ توبہ قبول کر لیتا ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (43):

''اللہ تعالیٰ زندگی کے آخری لمحہ تک توبہ قبول فرماتا ہے''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں (44):

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ابلیس نے بارگاہ ربّ العزت میں کہا جب تک بندہ کی روح اس کے جسم میں رہے گی میں اس کے اندر رہوں گا''۔

ربّ قدوس نے فرمایا:

''جب تک بندہ کی روح اس کے جسم میں رہے گی میں اس کے لیے توبہ کا دروازہ بند نہیں کروں گا''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسے ہو جاتا ہے جیسے اس کا گناہ ہے ہی نہیں''۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَ لَا
تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ
مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ
تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾
وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا
فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾
وَ كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ
مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾

(19) اے ایمان والو! تمہارے لیے حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن بیٹھو اور نہ انہیں روک کر رکھو تا کہ انہیں جو مال تم دے بیٹھے ہو اس کا بعض لے اُڑو، ہاں جبکہ وہ کھلی بدکاری کی مرتکب ہوں اور ان کے ساتھ تم معاشرت اچھی رکھو پھر اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز کو تم بُرا جانو اور اللہ نے اس میں خیر کثیر رکھی ہو

(20) اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنے کا ارادہ کر ہی لو اور ان میں سے ایک کو اگر تم ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس سے ذرہ بھر بھی واپس نہ لو، کیا تم وہ مال بہتان اور کھلے گناہ سے لوگے

(21) اور تم اس سے وہ کیسے لوگے حالانکہ تم ایک دوسرے سے خلوت کا ملاپ کر چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں

مفردات

یٰۤاَیُّهَا: اے
الَّذِیۡنَ: وہ لوگ جو
اٰمَنُوۡا: ایمان لائے ہو
لَا: نہ
یَحِلُّ: حلال ہوا
لَکُمۡ: تمہارے لیے
اَنۡ: یہ کہ
تَرِثُوا: تم وارث بن جاؤ
النِّسَآءَ: عورتوں کے
کَرۡهًا: زبردستی
وَلَا: اور نہ
تَعۡضُلُوۡهُنَّ: تم ان کو روکو
لِتَذۡهَبُوۡا: تاکہ تم لے اڑو
بِبَعۡضِ: بعض مال
مَاۤ: جو
اٰتَیۡتُمُوۡهُنَّ: تم نے انہیں دے دیا
اِلَّاۤ: سوائے
اَنۡ: یہ کہ
یَّاۡتِیۡنَ: وہ آئیں
بِفَاحِشَۃٍ: بدکاری کے ساتھ
مُّبَیِّنَۃٍ: کھلی
وَعَاشِرُوۡهُنَّ: اور تم اچھی زندگی بسر کروان کے ساتھ
بِالۡمَعۡرُوۡفِ: دستوری اور قانونی ماحول میں اچھے طریقے پر
فَاِنۡ: پھر اگر
کَرِهۡتُمُوۡهُنَّ: ناپسند کرو تم
فَعَسٰۤی: تو قریب

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا یَحِلُّ لَکُمۡ اَنۡ تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرۡهًا ؕ وَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ لِتَذۡهَبُوۡا بِبَعۡضِ مَاۤ اٰتَیۡتُمُوۡهُنَّ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ ۚ وَعَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ فَاِنۡ کَرِهۡتُمُوۡهُنَّ فَعَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَهُوۡا شَیۡئًا وَّیَجۡعَلَ اللّٰهُ فِیۡهِ خَیۡرًا کَثِیۡرًا ﴿۱۹﴾

”اے ایمان والو! تمہارے لیے حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن بیٹھو اور نہ انہیں روک کر رکھو تاکہ انہیں جو مال تم دے بیٹھے ہو اس کا بعض لے اُڑو، ہاں جبکہ وہ کھلی بدکاری کی مرتکب ہوں اور ان کے ساتھ تم معاشرت اچھی رکھو پھر اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز کو تم بُرا جانو اور اللہ نے اس میں خیر کثیر رکھی ہو“۔

شانِ نزول

زمانہ جاہلیت میں لوگ اموالِ اقتصاد کی طرح اقارب کی بیویوں کے بھی وارث بن جاتے۔ ان کے نزدیک عورتیں بھی گھوڑوں اور اونٹوں کی طرح مقوم مال تھا۔ نکاحوں میں کبھی تو مہر کی رقم باز ہتھیانے کے لیے مکروفریب کرتے، کبھی تو عورتوں کو دوسروں کی زوجیت میں دے دیتے اور مہر کی رقم پر قبضہ کر لیتے یا عورتوں کو قید میں محصور کر لیتے، حتیٰ کہ ان کے پاس ورثہ کی رقم ہتھیا کر انہیں آزادی دیتے۔ ظلم کے کئی راستے تھے جو وارث بن کر مردانہ سوسائٹی کے ظالمین عورتوں پر روا رکھتے۔ معاشرتی اصلاح کے لیے قرآن حکیم نے اس غلط سوسائٹی کو عدل وانصاف کی راہ ڈالا۔

ایمان والوں سے خطاب

آیت میں جن لوگوں کے ماحول کو صاف ستھرا بنانے کی دعوت ہے وہ ایمان والوں کا معاشرہ ہے۔ اسلامی سوسائٹی اگر صحیح اور مضبوط بنیادوں پر استوار ہوجائے تو پوری کائنات سنبھل سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت میں خطاب ایمان والوں سے کیا گیا ہے۔ ویسے بھی اللہ کی طرف سے ایمان والوں کو مخاطبت سے نوازنا اقتصادی اور معاشی مشکل چڑھائیوں کو سہل اور آسان بنا دینا ہے اور اسلامی احکام پر عمل ممکن، سہل اور مسرت نواز بنا دینا ہے۔

واللہ اعلم

تمہیں حلال نہیں

اے ایمان والو! تمہیں حلال نہیں۔ مسلمان کا ذہن قرآن حکیم کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اس کی

مفردات

اَنۡ: یہ کہ
تَكۡرَهُوۡا: تم ناپسند کرو
شَیۡـًٔا: ایک چیز کو
وَّیَجۡعَلَ: اور کرے وہ
اللّٰهُ: اللہ
فِیۡهِ: اس میں
خَیۡرًا: بہتری
كَثِیۡرًا: بہت زیادہ

تربیت میں یہ احساس پاکیزہ اور لطیف روح کی صورت میں موجود اور زندہ رہتا ہے کہ اس کے لیے ''حرام اور ظلم'' دو ممنوعہ خباثتیں ہیں۔ اس نے اپنے آپ کو آلودگی سے بچانا ہے۔ کسی چیز کا حلال نہ ہونا مسلمان کے لیے اس سے بچنے کے لیے یہ علم ہی کافی ہے۔ شرعی ذمہ داریوں سے آگاہ ہونا اسلام کے تربیتی نظام کی اجرائی ضمانت ہے۔

عورتوں کے زبردستی وارث نہ بنو

اسلام میں دین کی قدریں متعین ہیں۔ اقتصادی لحاظ سے پیدائش دولت اور تقسیم دولت ہر ایک کے لیے قرآن حکیم نے معیار مقرر کر دیا ہے۔

''زمانہ'' جاہلیت میں مردوں کی ایک ظالمانہ عادت یہ تھی کہ وہ ان دولت مند عورتوں سے شادی کر لیتے جو بدصورت ہوتیں، پھر ان کے حال پر انہیں چھوڑ دیتے، نہ تو انہیں طلاق دیتے اور نہ ہی ان سے بیوی والا حسن سلوک برتتے، اس اُمید پر کہ انہیں موت آجائے اور وہ ان کے مال پر قبضہ کر لیں اور ایک صورت یہ بھی تھی کبھی عورت کو طلاق دیتے کبھی رجوع کر لیتے، پھر طلاق دیتے پھر رجوع کر لیتے غرض یہ ہوتی کہ عورت کہیں بھی سکون سے نہ رہ سکے۔ معلقہ ہو جائے، کسی نہ کسی طریقے سے عورت کی وہ دولت نچوڑ لیں۔ اگر مر جائے تو اس کے ترکہ پر قبضہ کر لیں اور یہ بھی کہا گیا میت کے اولیاء اپنے مورث کی بیوی کو روک نہ لیں کہ مال ہڑپ کر لیں۔

''وَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ'' کا مفہوم

''عضل'' کا معنیٰ روک ہوتا ہے اور ''وَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ'' کا معنیٰ ہوگا اور نہ روکو انہیں کہ تم ان کے مال کا بعض حصہ لے اڑو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اس کے متعلق حکم ہے جو اپنی بیوی سے نفرت رکھتا ہو اور اس وجہ سے اس سے بدسلوکی کرتا ہو کہ عورت مجبور ہو کر مہر واپس دے دے۔ اس ظالمانہ فعل سے روکنے کے لیے اللہ نے تربیت فرمائی۔

ایک استثنائی صورت

عورتیں اگر منفی روش اختیار کر لیں اور شرمناک حرکتیں شروع کر دیں تو شوہروں کو یہ حق حاصل ہے کہ ان پر سختی روا رکھیں تاکہ عورتیں اپنا حق مہر ان کے لیے حلال کر کے طلاق لے لیں۔ اصل میں یہ ایک قسم کی سزا ہے جو فاحشہ عورتوں کے لیے روا رکھی گئی ہے۔ ''**فاحشہ مبینہ**'' سے مراد وہ تمام برے کام ہیں جو عفت اور پاکدامنی کے منافی ہوں۔

بیویوں سے اچھا برتاؤ

یہ آیت گھریلو زندگی میں بیویوں کے ساتھ معاشرت کو معروف پر استوار کرتی ہے۔ ''**معروف**،

مفردات

عرف'' سے ہے۔ یہ مرغ کی کلغی کو کہتے ہیں اور اس کا ایک معنیٰ خوشبو بھی ہے اور ''معروف'' کا معنیٰ دستور اور قانون کا بھی کیا گیا ہے، اس اعتبار سے ''معروف'' دین ہوگا۔ اسلامی گھرانا جس معاشرت کو اختیار کرتا ہے اس میں محبتوں کی خوشبوئیں ہوتی ہیں، زیبائش ہوتی ہے، حسن کاری کے جلوے ہوتے ہیں اور وہ دین جس میں رسولِ رحمت کے اسوہ کو مشعل زندگی بنایا گیا ہے اس کی رہبری اور اصولوں کی روشنی ہوتی ہے۔ دینی گھرانوں میں نفرتیں اور کدورتیں نہیں پلتیں اور معاشی حیوانوں کی طرح بیوی خاوند زندگی نہیں گزارتے، کتنا معنیٰ خیز جملہ ہے کہ تم اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے طریقے کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ تمہارے ہر قدم اور ہر اقدام کے اندر شائستگی ہونی چاہیے۔ ''فاحشہ مبینہ'' پر قدرے سختی کے حکم کے بعد حسن معاشرت کا سبق خوبصورت ہے، لطیف ہے اور گھر کی فضا کو مقناطیسیت سے لبریز کر دینے والا ہے۔

اگر بیویاں اچھی نہ لگتی ہوں

اسلام گھروں کو امن وسکون اور محبت ورافت کی آماجگاہ بناتے ہوئے گھریلو فضا کو انس ومحبت اور ہمدردی وایثار کی اساس پر منظم کرتا ہے، یہ اسی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے کہ ایک گھر کے اندر بیوی خاوند باہمی رضا، محبت اور آزادی کی فضا قائم کریں۔ یہ آیت کتنی خوبصورت رہنمائی کرتی ہے کہ اگر دل کبھی میلے بھی ہو جائیں تو پھر بھی ''برداشت کرو'' کا قانون اپناؤ۔ آیت میں یہ جملہ کتنا دلکش ہے کہ اگر تم بیویوں کو ناپسند بھی کرتے ہو تب بھی یہ سمجھو کہ ہوسکتا ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تمہیں اس میں بھلائی دے دے۔ یہ تلقین اس لیے کی جاتی ہے کہ جذبات کے پہلے جھونکے ہی میں رشتۂ زوجیت ختم نہ ہو کر رہ جائے۔ گھر ایک قیمتی ادارہ ہے معمولی باتوں میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیے جاتے۔ عصرِ رواں کی تہذیب انسانوں میں حیوانیت کی آگ بھڑکاتی ہے۔ اسے انسانیت کے اصلی جوہر شرافت، برداشت اور مروت کی خیرِ کثیر کی عظمت کا اندازہ ہی نہیں۔

وَ اِنۡ اَرَدۡتُّمُ اسۡتِبۡدَالَ زَوۡجٍ مَّكَانَ زَوۡجٍ ۙ وَّاٰتَيۡتُمۡ اِحۡدٰهُنَّ قِنۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ شَيۡـًٔـا ؕ اَتَاۡخُذُوۡنَهٗ بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِيۡنًا ﴿۲۰﴾

''اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنے کا ارادہ کر ہی لو اور ان میں سے ایک کو اگر تم ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس سے ذرہ بھر بھی واپس نہ لو، کیا تم وہ مال بہتان اور کھلے گناہ سے لوگے''۔

شانِ نزول

تفسیر ابی السعود میں ہے (45):

وَ: اور
اِنۡ: اگر
اَرَدۡتُّمُ: تم ارادہ بنالو
اسۡتِبۡدَالَ: تبدیلی کا
زَوۡجٍ: جوڑا
مَّكَانَ: جگہ
زَوۡجٍ: جوڑے کی
وَّ: اور
اٰتَيۡتُمۡ: تم نے دے دیا ہے
اِحۡدٰهُنَّ: ان میں سے ایک کو
قِنۡطَارًا: ڈھیروں ڈھیر مال
فَلَا: تو نہ
تَاۡخُذُوۡا: لو
مِنۡهُ: اس میں سے
شَيۡـًٔـا: ذرہ بھر بھی
اَتَاۡخُذُوۡنَهٗ: کیا تم لینے لگے ہو
بُهۡتَانًا: تہمت اور بدنامی
وَّ: اور
اِثۡمًا: گناہ
مُّبِيۡنًا: کھلا

زمانۂ جاہلیت میں یہ بُری رسم جاری تھی کہ مرد اگر چاہتے کہ جوڑا بدل لیں اور شادی نئی ہو جائے تو وہ حق مہر سے بچنے کے لیے اپنی بیوی پر بہتان باندھ دیتے اور منافیِ عفت باتیں اس کی طرف منسوب کرتے اور اس پر سختی کرتے تاکہ وہ اس پر آمادہ ہو جائے کہ مہر کی رقم واپس کر دے اور طلاق لے لے۔ یوں اسی مہر پر خاوند کسی دوسری عورت پر اڑنگا ڈال لیتے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں اس قسم کے بُرے افعال کی مذمت کی گئی۔

احساس بیدار کرو تم کیا کر رہے ہو؟

قرآن مجید کی اس آیت میں اسلام کی اخلاقی تعلیم کی خوشبو ''وَ اِنۡ'' میں سونگھی جا سکتی ہے اور اگر تم نے اپنی موجودہ بیوی سے ارادہ بنا لیا ہے کہ بے رغبتی برتو اور اس کی جگہ دوسری بیوی لے آؤ۔ حکم سنانے سے پہلے احساس کو جھنجھوڑا جا رہا ہے سوچو تو سہی تم کیا کر رہے ہو؟ اعراض تو رفیقِ محفل سے برتنا بھی پستی کی علامت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت میں ''زَوۡجٍ'' لفظ استعمال کیا گیا تاکہ محسوس ہو کہ بے رغبتیاں بے رغبتی ہی کو جنم دیتی ہیں۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ '' زَوۡجٍ '' کا لفظ بیوی اور خاوند دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ارادہ اگر دونوں طرف نفرت کی آگ لگا دے اور برداشت کی جگہ استبدال آ جائے تو پھر یہ ضرور کرو کہ سابقہ عطاؤں کے اخلاق کا گلا نہ گھونٹو (46)۔

''قِنۡطَارًا'' کا مفہوم

''قنطر علینا'' وہ ہمارے پاس طویل عرصہ تک مقیم رہا۔ ''القنطرہ'' پل اور بڑی عمارت کو کہتے ہیں۔ راغب نے لکھا کہ غیر متعین اور کثیر مال کو ''قِنۡطَارًا'' کہتے ہیں۔ زیادہ مال پل کی طرح ہوتا ہے جس سے انسان زندگی بھر فائدہ اٹھاتا ہے (47)۔

مرد کی مردانگی اسی میں ہے

آیت مردانہ کردار کی وضاحت کرتی ہے اور خاوندوں کے سامنے ایک شرعی اور معاشرتی کردار کا نمونہ رکھتی ہے۔ انہیں سمجھاتی ہے کہ اگر تم اپنی بیویوں کو ڈھیروں ڈھیر مال بھی دے چکے ہو تو ان سے واپس نہ لو۔ مردوں کو مزید سمجھایا جا رہا ہے کہ تمہیں بدنامی، پستی، تہمت اور کھلے گناہ کا راستہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ یہ مردانگی تھوڑی ہی ہوتی ہے کہ جب گھر لاؤ تو کانوں میں سونے کے قیمتی زیورات آراستہ کرو اور جب تبدیلیِ زوج کی حکمت اختیار کرنا پڑے تو عورت کو رخصت کرتے ہوئے اس بے چاری سے نالہ حبالہ بھی چھین لو۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

''بہتان'' کا معنیٰ

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ ''بہتان'' لغت میں اس جھوٹ کو کہتے ہیں جو کسی انسان کے سامنے ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس کو جھوٹا کہنے پر اکسائے۔ اصل میں وہ شخص جھوٹا نہ ہو ''بہت'' کا معنیٰ ہی حیرانگی میں وہ کچھ کر جانا ہوتا ہے جو اصل میں موجود نہ ہو اسی باطل اور ظلم کو ''بہتان'' کہہ دیتے ہیں (48)۔

وَ كَيۡفَ تَاۡخُذُوۡنَهٗ وَقَدۡ اَفۡضٰى بَعۡضُكُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ وَّ اَخَذۡنَ مِنۡكُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ﴿۲۱﴾

''اور تم اس سے وہ کیسے لو گے حالانکہ تم ایک دوسرے سے خلوت کا ملاپ کر چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں''۔

آیت استفہام انکاری سے شروع ہو رہی ہے اور یہ مردوں کے اندر پرانی محبتوں کے خشک سوتے جاری کرنے کے لیے ہے۔ کہا یہ جا رہا ہے کہ تم اور تمہاری بیویاں مدتوں یکجا رہے، تمہارا میل میلاپ رہا۔ تم ایک دوسرے پر فریفتہ ہونے کے دعوے کرتے رہے۔ ایک ہی چادر اور ایک ہی بستر تمہاری محبتوں کے گواہ بنتے رہے۔ تم ایک روح اور دو قالب کے امین بنے رہے۔ نان نمک تمہارا یکجائی کی تاریخ رقم کرتا رہا۔ ''مندریوں کے تھیوے'' تمہاری محبت کے گیت گنگناتے رہے۔ اچانک جب مزاج بگڑا اور بدلا تو دھیلے دھیلے کا حساب کرنے بیٹھ گئے۔

آیت میں ''اَفۡضٰى'' کا لفظ ''فضا'' سے ماخوذ ہے۔ وسیع مکان اور کھلی زمین ''فضا'' کہلاتی ہے۔ ''اَفۡضٰى'' کا معنیٰ ہاتھ کا کھلے طور پر کہیں رسائی پا لینا ہوتا ہے۔ آیت میں جماع یا خلوت صحیحہ سے کنایہ استعمال ہوا ہے (49)۔

''میثاق غلیظ'' سے مراد اللہ کی امانت ہے۔ بعض مفسرین نے اس سے مراد نکاح لیا ہے۔ آیت میں تفسیری عموماً عورتوں کے معاشی حقوق ادا کرنے کی تحریص ہے۔ ابو حیان اندلسی نے ''غلظ'' کا معنیٰ قوت اور عظمت سے لیا ہے کہ عہد پختہ، مضبوط اور عظمت مآب تھا (50)۔

اللہ کی امانتیں جب بھی باندھو تو پکی رسیوں سے باندھو اسی میں بہتری ہے۔

❁❁❁❁❁

وَ كَيۡفَ: اور کیسے
تَاۡخُذُوۡنَهٗ: اسے لے سکتے ہو تم
وَقَدۡ: اور بے شک
اَفۡضٰى: خصوصی میل ملاپ رکھتے رہے ہو
بَعۡضُكُمۡ: تمہارے بعض
اِلٰى: کی طرف
بَعۡضٍ: بعض
وَّ اَخَذۡنَ: اور لے چکی ہیں
مِنۡكُمۡ: تم سے
مِّيۡثَاقًا: پختہ عہد
غَلِيۡظًا: مضبوط

وَلَا تَنۡكِحُوۡا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ
كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقۡتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيۡلًا ﴿۲۲﴾
حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ اُمَّهٰتُكُمۡ وَبَنٰتُكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ وَعَمّٰتُكُمۡ وَخٰلٰتُكُمۡ وَبَنٰتُ
الۡاَخِ وَبَنٰتُ الۡاُخۡتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىۡۤ اَرۡضَعۡنَكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ مِّنَ
الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمۡ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِىۡ فِىۡ حُجُوۡرِكُمۡ مِّنۡ
نِّسَآئِكُمُ الّٰتِىۡ دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَاِنۡ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيۡكُمۡ وَحَلَآئِلُ اَبۡنَآئِكُمُ الَّذِيۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِكُمۡ ۙ وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا
بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۲۳﴾

(22) اورتم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادے نکاح کر چکے ہیں البتہ جو گزر چکا سو گزر چکا، بے شک ایسا کرنا کھلی بے حیائی اور باعثِ غضب معاملہ اور بری راہ ہے

(23) تم پر حرام کردی گئی ہیں مائیں تمہاری اور بیٹیاں تمہاری اور بہنیں اور پھوپھیاں تمہاری اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں تمہاری اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری گود میں پرورش پانے والی وہ لڑکیاں جو تمہاری ان بیویوں سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو اور اگر تم نے ان سے جماع نہیں کیا تو پھر تم پر انہیں لینے میں کوئی گناہ نہیں اور تمہارے صُلبی بیٹوں کی بیویاں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو اکٹھا کرلو مگر جو گزر گیا سو گزر گیا، بے شک اللہ بخشنے والا بے حد مہربان ہے

مفردات

وَ: اور
لَا تَنْكِحُوْا: نکاح نہ کرو
مَا: جس سے
نَكَحَ: نکاح کیا
اٰبَآؤُكُمْ: تمہارے باپ دادوں نے
مِّنَ: سے
النِّسَآءِ: عورتوں
اِلَّا: مگر
مَا: جو
قَدْ سَلَفَ: ہو گزر ا ہو
اِنَّهٗ: بے شک وہ
كَانَ: ہے
فَاحِشَةً: بے حیائی
وَّمَقْتًا: اور غضب کا باعث کام ہے
وَسَآءَ: اور برا
سَبِيْلًا: راستہ

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾

''اور تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادے نکاح کر چکے ہیں البتہ جو گزر چکا سو گزر چکا، بے شک ایسا کرنا کھلی بے حیائی اور باعثِ غضب معاملہ اور بری راہ ہے''۔

شان نزول

ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی شخص فوت ہو جاتا تو اس کی زوجہ پر اس کا بیٹا جو دوسری بیوی سے ہوتا وہ اپنی سوتیلی ماں پر زیادہ حقدار بن جاتا اور نکاح کر لیتا یا کسی دوسرے کو وہ بیاہ دیتا۔ جب ابو قیس بن سلمہ انصاری فوت ہوئے تو ان کا بیٹا محض سوتیلی ماں کا وارث بن گیا۔

طبرانی کی روایت کے مطابق بیٹے نے اپنی ماں کو نکاح کا پیغام دیا تو اس عورت نے کہا: میں تمہیں بیٹا شمار کرتی رہی اور تم اپنی قوم کے نیک آدمی ہو بھی، آؤ میں حضور ﷺ سے پوچھتی ہوں دیکھو! وہ کیا فرماتے ہیں؟

حضور ﷺ نے اسے تو واپس کر دیا اور فرمایا:

دیکھو اللہ کیا رہنمائی فرماتا ہے، اس پر یہ آیت اتری اور مسئلہ حل ہو گیا (51)۔

رشتوں کا تقدس

قرآن مجید کی یہ آیت اولاد کے لیے ماں باپ کے رشتوں کا تقدس واضح کرتی ہے۔ وہ عورتیں جن سے باپ نکاح کر چکے ہوں ان سے شادی نکاح ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اس شنیع عمل کی تین برائیاں صحیفۂ نور نے بیان کیں:

- **یہ فحش حرکت ہے**

آیت نے اسے اخلاقی پائمالگی قرار دیا۔ بے حیائی کی اس سے بڑی مثال کیا ہو سکتی ہے کہ انسان ماں کے ساتھ اس رویہ کو اپنائے جو بیوی کے ساتھ اپنایا جاتا ہے۔

- **نفرت کا سبب عمل**

یہ حرکت نفرت کا سبب بنتی ہے۔ معاشرہ اسے قبول نہیں کرتا۔ ایسے نکاحوں سے جو بچے پیدا ہوتے ہیں وہ مقیت کہلاتے ہیں یعنی قابل نفرت اولاد کہلاتی ہے۔ مقیت کا معنیٰ

مفردات

حُرِّمَتۡ: حرام کردی گئیں
عَلَيۡكُمۡ: تم پر
اُمَّهٰتُكُمۡ: مائیں تمہاری
وَبَنٰتُكُمۡ: اور بیٹیاں تمہاری
وَاَخَوٰتُكُمۡ: اور بہنیں تمہاری
وَعَمّٰتُكُمۡ: اور پھوپھیاں تمہاری
وَخٰلٰتُكُمۡ: اور خالائیں تمہاری
وَبَنٰتُ الۡاَخِ: اور بھتیجیاں
وَبَنٰتُ الۡاُخۡتِ: اور بھانجیاں
وَاُمَّهٰتُكُمُ: اور مائیں تمہاری
الّٰتِىۡۤ: وہ
اَرۡضَعۡنَكُمۡ: جنہوں نے دودھ پلایا تمہیں
وَاَخَوٰتُكُمۡ: اور بہنیں تمہاری
مِّنَ: سے
الرَّضَاعَةِ: دودھ کے رشتے
وَاُمَّهٰتُ: اور مائیں
نِسَآئِكُمۡ: تمہاری بیویوں کی
وَرَبَآئِبُكُمُ: اور تمہاری بیٹیاں
الّٰتِىۡ: وہ جو
فِىۡ: میں
حُجُوۡرِكُمۡ: تمہاری گود میں
مِّنۡ: سے
نِّسَآئِكُمُ: تمہاری بیویاں
الّٰتِىۡ: وہ جو
دَخَلۡتُمۡ: تمہاری جنسی آمیزش پا چکی ہیں
بِهِنَّ: ساتھ ان کے
فَاِنۡ: پھر اگر
لَّمۡ: نہ

غصہ اور غضب بھی ہوتا ہے۔ جس چیز کو جاہلی معاشرہ بھی قابل نفرت سمجھے اسلام اس کو کیسے گوارا کر سکتا ہے۔

یہ بُرا راستہ ہے

تاریخ اس کی گواہ ہے کہ کسی دور میں بھی اس قسم کی شادیوں کو پسندیدہ نہیں سمجھا گیا اور اسے ان احترامات کی ہتک سمجھا گیا ہے جو مذہب اور دین کی دنیا میں مسلّمہ سمجھے جاتے ہیں۔ واللہ اعلم

حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ اُمَّهٰتُكُمۡ وَبَنٰتُكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ وَعَمّٰتُكُمۡ وَخٰلٰتُكُمۡ وَبَنٰتُ الۡاَخِ
وَبَنٰتُ الۡاُخۡتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىۡۤ اَرۡضَعۡنَكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ
نِسَآئِكُمۡ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِىۡ فِىۡ حُجُوۡرِكُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِىۡ دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَاِنۡ
لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ وَحَلَآئِلُ اَبۡنَآئِكُمُ الَّذِيۡنَ مِنۡ
اَصۡلَابِكُمۡ وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۲۳﴾

”تم پر حرام کردی گئی ہیں مائیں تمہاری اور بیٹیاں تمہاری اور بہنیں اور پھوپھیاں تمہاری اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں تمہاری اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری گود میں پرورش پانے والی وہ لڑکیاں جو تمہاری ان بیویوں سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو اور اگر تم نے ان سے جماع نہیں کیا تو پھر تم پر انہیں لینے میں کوئی گناہ نہیں اور تمہارے صُلبی بیٹوں کی بیویاں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو اکٹھا کرلو مگر جو گزر گیا سو گزر گیا، بے شک اللہ بخشنے والا بے حد مہربان ہے“۔

سوتیلی ماں سے نکاح کی حرمت بیان کرنے کے بعد اب وہ عورتیں قاری قرآن کے سامنے بیان کی جا رہی ہیں جن سے نکاح جائز نہیں۔ قرآن مجید نے پہلے محرماتِ نسبی بیان کیں اور وہ تعداد میں سات ہیں:

1۔ مائیں
2۔ بیٹیاں
3۔ بہنیں
4۔ پھوپھیاں

مفردات

تَكُوۡنُوۡا: تم نے کیا ہو
دَخَلۡتُمۡ: دخول
بِهِنَّ: ان سے
فَلَا: تو نہیں ہے
جُنَاحَ: کوئی گناہ
عَلَيۡكُمۡ: تم پر
وَحَلَآئِلُ: اور بیٹیاں
اَبۡنَآئِكُمُ: تمہارے بیٹوں کی
الَّذِيۡنَ: وہ جو
مِنۡ: سے
اَصۡلَابِكُمۡ: تمہاری صلب سے ہیں
وَاَنۡ: اور یہ کہ
تَجۡمَعُوۡا: تم جمع کرو
بَيۡنَ: درمیان
الۡاُخۡتَيۡنِ: دو بہنوں
اِلَّا: سوائے، مگر
مَا: جو
قَدۡ: بے شک
سَلَفَ: گزر گیا
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
كَانَ: ہے
غَفُوۡرًا: بخشنے والا
رَّحِيۡمًا: مہربان

5۔ خالائیں

6۔ بھتیجیاں

7۔ بھانجیاں

دادیاں اور نانیاں اوپر تک ماؤں کے حکم میں داخل ہیں، اس طرح پوتیاں نواسیاں نیچے تک بیٹیوں کے حکم میں داخل ہیں اور عینی، علاتی اور اخیافی سب بہن کے حکم میں داخل ہیں اور پھوپھیوں میں باپ دادا اور اوپر تک کی پشتوں کی بہنیں سگی ہوں یا سوتیلی داخل ہیں اور خالہ کے حکم میں ماں نانی سب کی بہنیں داخل ہیں اور بھتیجیوں میں تینوں قسم کے بھائیوں کی اولاد اور اولاد اولاد داخل ہے اور بھانجیوں میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد اور اولاد اولاد داخل ہے (52)۔

محارم رضاعی

آیت کا دوسرا حصہ ان محارم کے بیان میں ہے جو رضاعت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اس باب میں قرآن مجید نے صرف دو گروہوں کی طرف اشارہ کیا ہے:

1۔ تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔

2۔ اور تمہاری وہ بہنیں جو دودھ شریک ہونے کی وجہ سے بہنیں بنی ہیں۔

قرآن مجید کی آیت نے اگرچہ دو ہی گروہ نقل کیے ہیں لیکن آثار و شواہد کی بنا پر رضاعی محارم ان دو رشتوں تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ تمام افراد جو نسبی رشتہ کی وجہ سے حرام ہوں وہ دودھ پلائی کی وجہ سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔

محارم مصاہرت کا بیان

قرآن مجید کی اس آیت کا تیسرا حصہ سسرالی محارم سے تعلق رکھتا ہے۔ نکاح کی وجہ سے جو رشتے محارم میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں: اوّل وہ کہ نکاح کی وجہ سے بننے والے رشتے ہمیشہ کے لیے محارم میں شامل ہو جائیں جیسے زوجہ کی ماں ہے یا زوجہ کی بیٹی ہے لیکن یہ وہ زوجہ ہے جس سے صحبت ہو چکی ہو۔ دوسری صورت بیٹوں کی بیویوں کی ہے اور اس میں نیچے تک پوتوں اور نواسوں کی عورتیں بھی شامل ہیں۔

دوسری قسم ان کی ہے جن سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام نہ ہو مثلاً بیوی کی وجہ سے بیوی کی بہن کو نکاح میں لینا حرام ہوتا ہے لیکن طلاق یا وفات کی صورت میں بیوی مطلقہ کی بہن وغیرہ سے عدت کے بعد نکاح درست ہو جاتا ہے اور یہی حکم زوجہ کی پھوپھی اور خالہ کا ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

بیانِ محارم میں چوتھی صورت

آیت میں چوتھی صورت یہ بیان ہوئی ہے کہ تم پر دو بہنوں کا جمع کرنا منع ہے یعنی ایک ہی وقت میں دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع نہیں کیا جا سکتا۔ آیت میں ''اِلَّا مَاقَدۡ سَلَفَ'' کا مفہوم یہ ہے کہ زمانۂ سابق میں اگر اس گندگی کا ارتکاب کیا جا چکا ہے تو ان کو اب کوئی سزا یا عذاب نہیں سنایا جا سکتا۔ جن مفسرین نے ان احکام کی حکمتیں بیان کی ہیں۔ صحیح لکھا ہے کہ دو بہنیں طبعی اور فطری نسبی رشتے کی وجہ سے ایک دوسرے سے بہت زیادہ پیار کرتی ہیں لیکن جب وہ ایک دوسرے کی رقیب بن جائیں گی تو ان کی اصلی محبت کا چشمہ میلا ہو کر دب جانے کا اندیشہ پیدا ہو گا جو نئی آنے والی نسل کی روحانی، عمرانی اور نفسیاتی تربیت کے لیے مضر ہو گا اور اسلام کے عمومی مزاج کے خلاف یہ سنگین اقدام اٹھانے کی اجازت ہرگز نہیں دی جا سکتی۔ آثار و شواہد کی بنا پر اسلام میں جیسے ایک ہی وقت میں دو بہنوں کو جمع نہیں کیا جا سکتا، ایسے ہی خالہ اور بھانجی، پھوپھی اور بھتیجی کو بھی جمع نہیں کیا جا سکتا ہے۔ فقہاء نے ایک ضابطہ رکھا کہ وہ دو عورتیں جن میں سے ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو ان کا آپس میں نکاح درست نہ ہو، انہیں ایک نکاح میں بیک وقت جمع بھی نہیں کیا جا سکتا (53)۔

واللہ اعلم

7- جولائی بوقت سحر سوا چار بجے بروز بدھ چوتھا پارہ بفضلہٖ تعالیٰ ختم ہوا اور پانچواں پارہ شروع۔ اختتام پر اللہ کا شکر اور آغاز پر اختتام کی دعا۔

❁❁❁❁❁

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ
وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ
مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ
وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

(24) اور دوسروں کی منکوحہ عورتیں حرام کی گئیں ہیں سوائے ان باندیوں کے جن کے مالک تمہارے ہاتھ بنے ہوں، اللہ نے تم پر یہ فرض ٹھہرا دیا ہے اور ان کے ماسویٰ عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں یہ کہ تم انہیں مہروں کے ذریعے قیدِ نکاح میں لینے والے ہو نہ کہ شہوت رانی کرنے والے پھر ان سے جو تم نکاح کے ذریعے فائدہ اٹھاؤ تو انہیں مہر بطور فرض ادا کرو البتہ مہر مقرر کرنے کے بعد تمہاری باہمی رضامندی سے کچھ طے کر لینے میں گناہ نہیں بے شک اللہ علم والا اور حکمت والا ہے

مفردات

وَّالۡمُحۡصَنٰتُ: اور شوہر والی عورتیں
مِنَ: سے
النِّسَآءِ: عورتوں
اِلَّا: مگر
مَا: جو
مَلَکَتۡ: مالک بن گئے ہوں
اَیۡمَانُکُمۡ: ہاتھ تمہارے
کِتٰبَ: لکھت ہے
اللّٰہِ: اللہ کی
عَلَیۡکُمۡ: تم پر
وَاُحِلَّ: اور حلال کر دی گئیں
لَکُمۡ: تمہارے لیے
مَّا: جو
وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ: ان کے علاوہ ہیں
اَنۡ: یہ کہ
تَبۡتَغُوۡا: تلاش کرو تم
بِاَمۡوَالِکُمۡ: اپنے اموال کے ذریعے
مُّحۡصِنِیۡنَ: پاک دامن بنتے ہوئے
غَیۡرَ: نہ کہ
مُسٰفِحِیۡنَ: شہوت رانی کرتے ہوئے
فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ: تو جن عورتوں سے تم نے فائدہ اٹھایا
بِہٖ: اس کے ساتھ
مِنۡہُنَّ: ان میں سے
فَاٰتُوۡہُنَّ: تو ادا کرو انہیں
اُجُوۡرَہُنَّ: ان کے حق
فَرِیۡضَۃً: جو مقرر ہوئے
وَلَا: اور نہیں

وَّالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ۚ کِتٰبَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ ۚ وَاُحِلَّ
لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِکُمۡ مُّحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ ؕ فَمَا
اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِہٖ مِنۡہُنَّ فَاٰتُوۡہُنَّ اُجُوۡرَہُنَّ فَرِیۡضَۃً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ فِیۡمَا
تَرٰضَیۡتُمۡ بِہٖ مِنۡۢ بَعۡدِ الۡفَرِیۡضَۃِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۲۴﴾

''اور دوسروں کی منکوحہ عورتیں حرام کی گئیں ہیں سوائے ان باندیوں کے جن کے مالک تمہارے ہاتھ بنے ہوں، اللہ نے تم پر یہ فرض ٹھہرا دیا ہے اور ان کے ماسوی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں یہ کہ تم انہیں مہروں کے ذریعے قیدِ نکاح میں لینے والے ہو نہ کہ شہوت رانی کرنے والے پھر ان سے جو تم نکاح کے ذریعے فائدہ اٹھاؤ تو انہیں مہر بطور فرض ادا کرو البتہ مہر مقرر کرنے کے بعد تمہاری باہمی رضامندی سے کچھ طے کر لینے میں گناہ نہیں بے شک اللہ علم والا اور حکمت والا ہے''۔

''محصنٰت'' کی بحث

''محصنٰت 'محصنہ'' کی جمع ہے۔ سورۃ النساء کی تعلیمات اپنی انتہا کو چھو رہی ہیں۔ اسلام کی پاکیزہ عمرانی اور معاشرتی بنیادیں ایک نظام کو مستحکم کرتی ہوئی محسوس ہو رہی ہیں۔ علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ ''احصان'' لغت میں منع کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ''مدینہ حصینہ'' وہ شہر ہوتا ہے جو اپنے مکینوں کو شر و شرور سے محفوظ رکھے۔ ''درہ حصینہ'' وہ زرہ ہوتی ہے جو اپنے مالک کو زخمی ہونے سے بچائے۔ ''حصن'' وہ قلعہ ہوتا ہے جو فوجیوں کی پناہ گاہ اور محفوظ رہنے کی جگہ ہوتی ہے (54)۔ استعمال کے لحاظ سے علامہ فخر الدین رازی نے اس لفظ کے پانچ معانی قرآن مجید کی مدد سے لکھے ہیں:

1۔ محفوظ رکھنا اور محفوظ رہنا (الانبیاء:80)
2۔ حریت و آزادی (النور:4)
3۔ عفت اور پاکیزگی (النساء:25)
4۔ اسلام (فَاِذَآ اُحۡصِنَّ)
5۔ شوہروں والی عورتیں

آیت میں ''احصان'' کا معنیٰ شوہر والی عورت ہی کے لیے استعمال ہوا ہے (55)۔ بات ہو رہی

مفردات

جُنَاحَ: گناہ
عَلَيۡكُمۡ: تم پر
فِيۡمَا: اس میں
تَرٰضَيۡتُمۡ بِهٖ: جس پر تم باہمی رضامندی سے فیصلہ کرو
مِنۡۢ: سے
بَعۡدِ: بعد
الۡفَرِيۡضَةِ: مقرر کرنے کے بعد
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
كَانَ: ہے
عَلِيۡمًا: علم والا
حَكِيۡمًا: حکمت والا

تھی محارم اور محرمات کی کہ کن عورتوں سے شادی نہیں کی جا سکتی۔ آیت کہتی ہے: خاوند رکھنے والی سہاگنوں کے ساتھ شادی اور مباشرت حرام ہے۔ یہ حکم صرف مسلمان عورتوں کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ کسی بھی مذہب کی شوہر دار عورت سے شادی نہیں ہو سکتی۔

استثنا اور ''مَا مَلَکَتۡ'' کا مفہوم

باندیوں اور لونڈیوں کے احکام پیچیدہ ہیں۔ امہات کتب کی طرف مراجعت ہی سے شفائے ذہنی حاصل کی جا سکتی ہے۔ عام طور پر مفسرین نے اس استثنا سے مراد صرف وہ غیر مسلم عورتیں لی ہیں جو جنگ میں مسلمانوں کی قیدی ہو جائیں۔ ''مَا مَلَکَتۡ'' کے الفاظ اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اصل میں قید میں آنے کے فوراً بعد ایسی عورتوں کا تعلق پرانے شوہروں سے منقطع ہو جاتا ہے۔ وہ بالکل طلاق یافتہ عورت کی طرح ہو جاتی ہیں۔ اسلام اجازت دیتا ہے اور یہ آیت ترجمانی کرتی ہے کہ عدت ختم ہو جانے کے ساتھ ہی دستور کے مطابق وہ عورت جس مسلمان کو ملے گی وہ اس کے لیے حلال ہو گی۔ دار السلام کے امیر کا فیصلہ ہی قائم مقام نکاح کے ہو جائے گا، البتہ ایسی عورتوں کی عدت صرف وضع حمل یا ایک مرتبہ حیض کا آ جانا ہو گا۔

حلال ہیں اس کے سوا عورتیں

قرآن مجید کی یہ آیت محرمات کے بیان میں ''ام الاصول'' کی حیثیت رکھتی ہے۔ عورتوں کو اپنے اموال کے ذریعہ اپناؤ اس میں مقصود پاکدامنی کا قیام ہے اور زنا، شہوت رانی اور اسباب زنا سے بچنے کے لیے قانونی راہ ہے۔ آیت میں چار چیزوں کی طرف اشارہ کیا گیا:

- عورتوں کو اپنانے میں پہلی چیز یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ جس طرف پیغام نکاح بھیجا جا رہا ہے اس عورت سے نکاح حلال بھی ہے یا حلال نہیں۔ حلال اور جائز میں بھی فقہاء نے فرق کیا ہے۔
- دوسری چیز یہ ہے کہ امور کنجوسی سے نہیں نبھانے چاہییں۔ ''تفویضات مالیہ'' استحکام خاندان کی بنیاد ہوتے ہیں، مہر وغیرہ کی رقم خوش اسلوبی سے ادا کرنی چاہیے۔ اس میں بھی حیلے بہانے نخرے اسلام کا مزاج نہ سمجھنے والی بات ہے۔
- تیسری چیز ''احصان'' کا حصول ہوتا ہے۔ شادی کا مقصود یہ ہے کہ نفس میں عفت اور عصمت کے دواعیات بیدار ہوں، گناہ سے نفرت پیدا ہو۔ احصان نفسی کا مطلب یہی ہے کہ یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ لڑکے کی لڑکی کی طرف رغبت اور میلان ہو، وہ شادی کے بعد خوشی سے آپس میں مل جل کر رہیں۔ زبردستیاں کرنا، شادیاں ٹھونس دینا اور زیادتیوں کی حوصلہ

افزائی کرنا ''حصول احصان'' کے لیے ایٹم بم کی آگ ہے جو سب کچھ بھسم کر دیتی ہے۔

❁ اور چوتھی چیز زنا اور شہوت رانی کی طرف کھلنے والے دروازوں کو بند کر دینا ہے۔

آیت میں ''استمتاع'' سے مراد کیا ہے؟

''فَمَا'' میں ''فا'' تفصیل کی ہے اور ''ما'' سے مراد بیویاں ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''فا'' تعقیبیہ ہو اور ''ما'' سے مراد نکاح ہو اس لیے کہ ''بہ'' میں ''با'' سببیہ ہے اس طرح ''ہ'' ضمیر کا مرجع نکاح ہے اور ''متعہ'' سے مراد نفع حاصل کرنا ہے اور ''مِنۡهُنَّ'' میں ''مِنۡ'' تبعیضیہ ہے اور ''ھن'' کا مرجع ''ما'' ہے، جملہ پورا مبتدا ہے جس کی خبر ''ف'' آ رہی ہے۔ مفہوم یہ ہوگا کہ منکوحات کو ان کی مہر کی رقم خوشی سے ادا کرو چونکہ یہ مالی معاملہ ہے اس لیے آیت نے اس میں باہمی رضامندی کی سہولت پیدا کر دی۔

''متعہ'' کی مختصر بحث

مفتی احمد یار خان بدایونی لکھتے ہیں:

''متعہ'' کی حلت وحرمت دو بار ہوئی۔ یہ جنگ خیبر سے پہلے حلال تھا خیبر کے دن حرام کیا گیا، پھر یہ جنگ اوطاس میں حلال ہوا پھر یہ قیامت تک کے لیے حرام قرار دے دیا گیا۔ امام شافعی فرماتے ہیں: یہ وہ حکم ہے جو اسلام میں دو بار حلال اور حرام ہوا۔ خیال رہے کہ متعہ کے حرام ہونے پر اُمت کا اجماع ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما پہلے اس کی حلت کے قائل تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمان پر انہوں نے اس سے رجوع کر لیا لیکن مجبوری کی حالت میں جائز مانتے رہے، پھر عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں اس سے بھی رجوع کر لیا (56)۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ
فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ
بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ
وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا
مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ
نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ
مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٥﴾

(25) اور تم میں سے جو اتنی کشائش نہ رکھتا ہو کہ آزاد مومن عورتوں سے نکاح کر سکے تو ان مومن باندیوں سے نکاح کر لے جو تمہاری ملک میں ہوں اور تمہارے ایمان کی حقیقت اللہ ہی خوب جاننے والا ہے تمہارے بعض بعضوں سے ہیں سو ان سے نکاح ان کے مالکوں کی اجازت سے کرو اور انہیں دستور کے مطابق مہر ادا کرو وہ عفت و عصمت کا تحفظ اسی طرح کر سکتی ہیں نہ کہ شہوت رانی سے اور نہ ہی پس پردہ دوستیاں بنانے سے پس جب وہ نکاح کے ذریعہ محفوظ ہو جائیں پھر وہ کسی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان کی سزا آزاد عورتوں کی نسبت آدھی ہوگی، یہ اجازت اس شخص کو ہے جسے تم میں سے بدکاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اور اگر تم رُک سکو تو تمہارے لیے بہتر ہے اور اللہ بخش دینے والا مہربان ہے

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ
اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْ
بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ
مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ
بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ
خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

''اور تم میں سے جو اتنی کشائش نہ رکھتا ہو کہ آزاد مومن عورتوں سے نکاح کر سکے تو ان مومن باندیوں سے نکاح کر لے جو تمہاری ملک میں ہوں اور تمہارے ایمان کی حقیقت اللہ ہی خوب جاننے والا ہے تمہارے بعض بعضوں سے ہیں سو ان سے نکاح ان کے مالکوں کی اجازت سے کرو اور انہیں دستور کے مطابق مہر ادا کرو وہ عفت وعصمت کا تحفظ اسی طرح کر سکتی ہیں نہ کہ شہوت رانی سے اور نہ ہی پس پردہ دوستیاں بنانے سے پس جب وہ نکاح کے ذریعہ محفوظ ہو جائیں پھر وہ کسی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان کی سزا آزاد عورتوں کی نسبت آدھی ہوگی، یہ اجازت اس شخص کو ہے جسے تم میں سے بدکاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اور اگر تم رُک سکو تو تمہارے لیے بہتر ہے اور اللہ بخش دینے والا مہربان ہے''۔

کنیزوں سے نکاح کا مسئلہ

سورۃ النساء کی یہ آیت لونڈیوں سے نکاح کرنے کی شرطیں بیان کرتی ہے۔ وہ لوگ جو آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی مالی استطاعت سے محروم ہیں وہ کنیزوں سے نکاح کر سکتے ہیں۔ کنیزوں سے نکاح کی قرآنی حکمت یہ بیان کی جارہی ہے کہ ان پر مصارف کم اٹھتے ہیں اور مہر کی رقم بھی آزاد عورت کی نسبت سے کم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ''طول'' لفظ ''طول'' سے ہے اور اس کا اطلاق راغب اصفہانی کے نزدیک مالی وسائل، معاشی طاقت، نفقاتی وسعت اور اقتصادی توانائی پر ہوتا ہے (57)۔ اس اجازت کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا کہ مالک اپنی کنیز سے نکاح کرے، نکاح کی اجازت سے مراد کنیز کے مالک کے علاوہ دوسرے لوگوں کا نکاح کرنا ہے۔

آیت کی صراحت

آیت پورے وثوق کے ساتھ اس امر کی وضاحت کرتی ہے کہ مومن مرد کے ساتھ جس کنیز کا نکاح

مفردات

وَمَنْ: اور جو
لَّمْ: نہ
يَسْتَطِعْ: طاقت رکھے
مِنْكُمْ: تم میں سے
طَوْلًا: مالی استطاعت
اَنْ: یہ کہ
يَّنْكِحَ: نکاح کرے
الْمُحْصَنٰتِ: آزاد عورتوں سے
الْمُؤْمِنٰتِ: ایمان والی
فَمِنْ: تو ان میں سے
مَّا: جو
مَلَكَتْ: ملک میں ہو
اَيْمَانُكُمْ: تمہارے ہاتھوں کے
مِّنْ: سے
فَتَيٰتِكُمُ: لونڈیوں
الْمُؤْمِنٰتِ: ایمان والی
وَاللّٰهُ: اور اللہ
اَعْلَمُ: خوب جانتا ہے
بِاِيْمَانِكُمْ: تمہارے ایمانوں کو
بَعْضُكُمْ: بعض تمہارے
مِّنْ: سے
بَعْضٍ: بعض
فَانْكِحُوْهُنَّ: تو تم نکاح کرو ان سے
بِاِذْنِ: ساتھ اجازت کے
اَهْلِهِنَّ: ان کے اہل کے
وَاٰتُوْهُنَّ: اور دو تم انہیں
اُجُوْرَهُنَّ: ان کے اجور
بِالْمَعْرُوْفِ: دستور کے مطابق اچھے طریقے سے

مفردات

مُحۡصَنٰتٍ: پاک دامنی کے ساتھ
غَیۡرَ: نہ کہ
مُسٰفِحٰتٍ: شہوت رانی کرنے والی
وَّلَا: اور نہ
مُتَّخِذٰتِ: بنانے والی ہو
اَخۡدَانٍ: یارانے، دوستیاں
فَاِذَآ: سو جب
اُحۡصِنَّ: قبضہ میں آجائیں
فَاِنۡ: تو اگر
اَتَیۡنَ: آئیں
بِفَاحِشَۃٍ: فحاشی کریں
فَعَلَیۡہِنَّ: تو ان پر ہے
نِصۡفُ: نصف
مَا عَلَی: جو ہوتا ہے اوپر
الۡمُحۡصَنٰتِ: آزاد عورتوں کے
مِنَ: سے
الۡعَذَابِ: سزا سے
ذٰلِکَ: یہ
لِمَنۡ: اس کے لیے ہے
خَشِیَ: جو ڈرے
الۡعَنَتَ: زنا سے
مِنۡکُمۡ: تم میں سے
وَاَنۡ: اور یہ کہ تم
تَصۡبِرُوۡا: صبر کرو
خَیۡرٌ لَّکُمۡ: بہتر ہے تمہارے لیے
وَاللّٰہُ: اور اللہ
غَفُوۡرٌ: بہت بخشنے والا
رَّحِیۡمٌ: مہربان

ہو وہ بھی ایمان والی ہونی چاہیے۔ اس اشارہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابیہ کنیزوں سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ یہ اسلوب مفکر شافعی اور مالک کا ہے۔ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اصولی طور پر اس نکاح کے جواز کے قائل تھے۔ آیت کنیزوں کے لیے ''فتیات'' لفظ استعمال کرتی ہے۔ یہ لفظ عام طور پر نوجوان لڑکیاں جو نیک اور قابل احترام ہوں ان کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید کا یہ جملہ کہ اللہ تمہارے ایمانوں کو خوب جانتا ہے دراصل مسلمان مردوں جو نکاح کے طالبین ہیں ان میں احتیاط پیدا کرتا ہے کہ تم ہونے والی بیوی کے ایمان کی تفتیش ضرور کرلو باقی رہ گئے دل کے بھید تو وہ اللہ خوب جانتا ہے۔

لونڈیوں کے نکاح سے بچنا

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں (58):

- کنیز پر مولیٰ کا حق خاوند سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس طرح کی بیوی آزاد بیوی کی طرح خاوند کے لیے خالص نہیں ہوتی۔ بسا اوقات خاوند کو بیوی کی طرف بہت زیادہ احتیاج ہوتی ہے لیکن وہ اس تک پہنچ نہیں سکتا اس لیے کہ مالک ان کے درمیان رکاوٹ اور مانع ہوتا ہے۔
- دوسری وجہ یہ ہے کہ اولاد غلامی اور آزادی میں ماں کی تابع ہوتی ہے۔ اگر ماں غلام ہوگی تو اولاد بھی غلامی سے معلق ہوگی اور غلامی اولاد کے حق میں نقص اور عیب ہوتا ہے۔
- تیسری وجہ کنیز کا بار بار باہر نکلنا اور مردوں کے ساتھ اختلاط ہے۔ یہ چیز باعثِ غیرت ہو کر خاوندوں کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔
- مولیٰ اگر لونڈی کو بیچ دے تو الجھنیں پیدا ہو سکتی ہیں اور قائم مقام طلاق بن سکتی ہے، یہ چوتھی وجہ ہے۔
- پانچویں وجہ یہ ہے کہ لونڈیوں کے مہر کا مالک مولیٰ ہوتا ہے اور لونڈی اپنا مہر خاوند کو ہبہ کرنے کی مالک نہیں ہوتی ان وجوہات کی بنا پر لونڈیوں کے ساتھ نکاح صرف اجازت ہے۔

''بَعۡضُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ'' کی تعبیر

رازی نے اس کے دو معانی لکھے ہیں (59):

- تم سب اولاد آدم سے ہو۔ تمہارے لیے تکریم انسانیت کا ایک احساس اس میں بھی موجود ہے کہ تم کنیزوں سے خود کی وابستگی بے عزتی تصور نہ کرو۔
- دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ ایمان میں تم سب مشترک ہو اور ایمان ہی سب سے بڑی فضیلت ہے۔ جب فضیلت میں اشتراک ہے تو متعلقات میں بھی اشتراک اس کا فرع ہوگا۔

زجاج نے دوسرے معنیٰ کو بہتر جانا ہے(60)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بات کو مزید کھولتی ہے(61):

''تین چیزیں جاہلیت کی ہیں: نسب پر طعن، حسد پر فخر اور ستاروں سے بارش طلبی، اسلام میں بھی لوگ اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتے''۔

کنیزوں کا نکاح اور مولیٰ کی اجازت

سنن ابی داؤد کی حدیث ہے، حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا(62):

''جو غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ زانی ہے''۔

فقہاء نے لکھا کہ غلام کا نکاح آقا کی اجازت کے بغیر موقوف رہتا ہے اور اگر منع کردے تو نکاح باطل ہوجاتا ہے اور اجازت دے دے تو منعقد ہوجاتا ہے(63)۔

آیت میں مالک کو''اھل'' سے تعبیر کرنا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مولیٰ کو چاہیے کہ وہ کنیزوں کے ساتھ مالِ تجارت سمجھ کر صرف اقتصادی سلوک نہ کرے بلکہ ایک خاندان کے سرپرست کی طرح آل اولاد ایسا برتاؤ کرے۔

مقاصد نکاح کی تکمیل

مقاصد نکاح میں سے اہم تر مقصد نفوس اور معاشرہ میں عفت اور پاکیزگی کی لہر اٹھانا ہے۔ آیت میں وہ سطحیات جن سے معاشرہ میں آلودگی پیدا ہوتی ہے اس پر شدید چوٹ ماری گئی ہے۔ پوشیدہ دوستیاں اور ظاہری رنگ کاریاں ہر ایک کو قرآن نے موضوع بنا کر مومنوں کے وجود کو داغدار ہونے سے بچایا ہے۔ قرآن مجید نے وہ لوگ جو جنسی دباؤ میں رہتے ہوں انہیں پریشر سے نکالتے ہوئے کہا کہ یہ اہتمامات ان لوگوں کے لیے ہیں جو''عنت'' کا خوف رکھتے ہیں وہ نکاح کرلیں خواہ کنیزوں ہی سے کرنا پڑجائے۔

''عنت'' کی لغوی تحقیق

''عنت'' ہڈی کے دوبارہ ٹوٹنے کو کہتے ہیں۔ اس میں تفصیل یہ ہے کہ ہڈی ایک بار زخم کھانے کے بعد درست ہوجائے لیکن بعد میں نئے سرے سے کسی حادثہ کا شکار ہوجائے''عنت'' ہوتا ہے (64)۔ اصل میں اشارہ اس طرف ہے کہ ہڈی کا اس قسم کا ٹوٹنا الم ناک ہوتا ہے۔ اس لفظ کے اندر شدید جنسی دباؤ اور حرارت کو سمو دیا گیا ہے، یعنی وہ لوگ جو آزاد عورتوں سے شادی کی استطاعت نہیں

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

رکھتے انہیں اجازت ہے کہ کنیزوں سے شادی کرلیں لیکن نفوس اور معاشرہ کو گندگی اور آلودگی سے محفوظ رکھیں۔ اسلام نے لوگوں کو پاکیزہ ماں کا تحفہ دیا ہے۔ وہ کیا معاشرہ ہے جس میں گلی کوچے اور بازار شہوات کے تعفن سے اٹ جائیں۔

علامہ رازی نے ''عنت'' کے دو مفہومات کی طرف اشارہ کیا ہے(65):

- پہلا یہ کہ شدید شہوت اور عظیم جوانی بعض اوقات زنا پر برانگیختہ کرتی ہے جس کی وجہ سے دنیا میں ندامت اور آخرت میں سزا کی شدت پاتا ہے
- اور دوسرا معنیٰ یہ کہ شہوت کی شدت انسانوں کو امراض تک پہنچا دیتی ہے اس لیے ایک کنیز سے نکاح کا جائز راستہ دیا گیا ہے۔

واللہ اعلم

ایک اہم مسئلہ

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

> ''اگر پہلے سے کسی مرد کے نکاح میں آزاد عورت ہو تو اس صورت میں کنیز سے نکاح کرنا مطلقاً ناجائز ہوتا ہے خواہ حرّہ راضی ہو یا راضی نہ ہو۔ تمام ائمہ اس پر متفق ہیں البتہ امام مالک نے یہ شرط لگائی ہے کہ اگر حرّہ راضی ہو تو لونڈی سے نکاح کرنا جائز ہے اگر وہ راضی نہ ہو تو جائز نہیں''(66)۔

❁❁❁❁❁

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ
يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾
وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ
اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾
يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ
تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾

(26) اللہ ارادہ رکھتا ہے کہ تمہارے لیے روشنیاں بپا کر دے اور تمہیں تم سے پہلے لوگوں کی راہوں پر چلائے اور تم پر رجوع رحمت فرمائے اور اللہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے

(27) اور اللہ تم پر رجوع رحمت فرمانا چاہتا ہے اور وہ لوگ جو خواہشات کی غلامی کرتے ہیں وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ تم دور کے جا بھٹکو

(28) اللہ تم سے تمہارے بوجھ ہلکے کرنا چاہتا ہے اس لیے کہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے

(29) اے ایمان والو! تم اپنے مالوں کو آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ الاّ یہ کہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو اور اپنی جانوں کو تباہ مت کرو، بے شک اللہ تم پر بے حد مہربان ہے

مفردات

يُرِيۡدُ: چاہتا ہے
اللّٰهُ: اللہ
لِيُبَيِّنَ: تا کہ بیان کرے
لَكُمۡ: تمہارے لیے
وَيَهۡدِيَكُمۡ: اور رہنمائی کرے تمہاری
سُنَنَ: راہوں اور طریقوں کی طرف
الَّذِيۡنَ: وہ جو
مِنۡ: سے
قَبۡلِكُمۡ: تم سے پہلے
وَيَتُوۡبَ: اور رجوع فرمائے
عَلَيۡكُمۡ: تم پر
وَاللّٰهُ: اور اللہ
عَلِيۡمٌ: بہت زیادہ علم والا
حَكِيۡمٌ: حکمتوں کا مالک، حکمتوں والا

يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمۡ وَ يَهۡدِيَكُمۡ سُنَنَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَ يَتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۶﴾

''اللہ ارادہ رکھتا ہے کہ تمہارے لیے روشنیاں بپا کر دے اور تمہیں تم سے پہلے لوگوں کی راہوں پر چلائے اور تم پر رجوع رحمت فرمائے اور اللہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے''۔

گزشتہ آیات میں جو احکام بیان ہوئے ممکن ہے کوئی ذہن سوچتا ہو ان پابندیوں کی نسبت بہتر یہ نہ تھا کہ انسان کو کھلی چھٹی دے دی جاتی تا کہ انسان ہر طریقے سے لذت یاب ہوتا۔

یہ آیت ایسے تمام مقدر اور فرضی سوالوں کا جواب دیتی ہے کہ اللہ ارادہ فرماتا ہے کہ ان تمام موظفات اور احکام کے ذریعے تمہارے لیے حق کا راستہ واضح کر دے اور تمہارے لیے صلحاء کا وہ راستہ واضح کر دے جس میں تمہارا فائدہ ہی فائدہ ہو۔

''اللہ کی مرضی اسی میں ہے، تم اس حکمت کو بچشمِ سر دیکھو،
اس پر غور کرو اور اسے اس حال میں قبول کرو کہ تمہاری
آنکھیں کھلی ہوں، تمہارے دل آمادہ ہوں اور تمہاری
عقل انہیں تسلیم کر رہی ہو''۔

وہ شخص جو اللہ کی الوہیت کو مانتا ہے وہ اس کی حکمتوں اور دانائی کو بھی تسلیم کرتا ہے۔

اللہ چاہتا یہ ہے کہ وہ تمہیں ان انعام یافتہ لوگوں کی راہوں پر چلائے جو اللہ کے راستوں کی قدر کرنے والے ہیں۔ پہلے زمانہ میں جو لوگ مومنانہ زندگی گزار کر چل بسے ہیں ان کے تجربات شاہد ہیں کہ اس زندگی اور آخرت دونوں کے مثمرات اسلامی طرزِ حیات ہی میں رکھے گئے ہیں۔ اللہ تم مومنوں کو بھی یہ ہدایت تحفے میں دینے کا ارادہ فرما چکا ہے۔

اللہ تم پر رجوعِ رحمت فرماتا ہے اس لیے کہ تم معصیت کی راہیں ترک کر دو اور زندگی کے خوبصورت ترین صراطِ عظیم پر چلنا شروع کر دو۔

آیت کے آخر میں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے اور دانا بھی ہے اس لیے اس نے جو قانون تمہیں دیا ہے اس راز کو تم پالو کہ تمہارے لیے وہی بہتر ہے۔ وہ تمہاری نفسیات سے بھی آگاہ ہے اور تمہارے حالات پر بھی اس کی نظر ہے اور تمہارے لیے مفید بھی وہی کچھ ہے جو اللہ علیم اور حکیم نے عطا فرمایا ہے (67)۔

مفردات

وَاللّٰهُ: اور اللہ
يُرِيۡدُ: ارادہ کرتا ہے
اَنۡ: یہ کہ
يَّتُوۡبَ: رجوع رحمت فرمائے
عَلَيۡكُمۡ: تم پر
وَيُرِيۡدُ: اور ارادہ کرتا ہے محلا معنی جمع کا ہوگا اس لیے کہ فعل جمع فاعل سے مقدم ہے اور ارادہ رکھتے ہیں
الَّذِيۡنَ: وہ جو
يَتَّبِعُوۡنَ: پیروی کرتے ہیں
الشَّهَوٰتِ: شہوات کی
اَنۡ: یہ کہ
تَمِيۡلُوۡا: تم پھر جاؤ
مَيۡلًا: پھرنا، گھوم جانا
عَظِيۡمًا: بہت زیادہ

وَاللّٰهُ يُرِيۡدُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ ۗ وَيُرِيۡدُ الَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ الشَّهَوٰتِ اَنۡ تَمِيۡلُوۡا مَيۡلًا عَظِيۡمًا ﴿۲۷﴾

''اور اللہ تم پر رجوع رحمت فرمانا چاہتا ہے اور وہ لوگ جو خواہشات کی غلامی کرتے ہیں وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ تم دور کے جا بھٹکو''۔

شانِ نزول

مجوسیوں کے ہاں محرمات کے ساتھ نکاح کو جائز تصور کیا جاتا۔ ان کا استدلال یہ ہوتا کہ پھوپھی اور خالہ کی بیٹی سے تم مسلمان نکاح کو جائز سمجھتے ہو یہ کیا تکلف ہوا کہ بہن اور بھائی کی بیٹیوں سے شادی جائز نہیں سمجھتے ہو اور ان ایسے کمزور اور ضعیف خیالات کی دلدل سے نکالنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ شہوات شیطانیہ ہیں جن کے پیچھے پڑنے سے بندہ راہ راست سے بھٹک جاتا ہے (68)۔

سید قطب نے درست لکھا (69):

> ''وہ لوگ جو نظام زندگی کو صرف جنسی تعلقات پر استوار کرنا چاہتے ہیں اور وہ لوگ جو لوگوں کو اسلامی نظام زندگی سے دور ہٹانا چاہتے ہیں، ان سب کی سوچیں شیطانی ہوتی ہیں اور وہ یقینی بات ہے کہ شہوات کے غلام بن کر جیتے ہیں۔ صرف ایک اسلام ہے جو سنجیدگی، سچائی اور احساس ذمہ داری پر قائم کرنے والا نظام ہے باقی جو کچھ ہے وہ اتباع نفس، اطاعت شہوت، فسق و فجور اور کج روی پر مبنی ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرما لیا ہے کہ وہ راہ راست لوگوں پر واضح کر دے اور انہیں آگاہ کر دے کہ زندگی میں کون کون سے مقامات پھسلانے کا خطرہ رکھتے ہیں۔ اللہ سربلندی اور ترقی میں انسانوں کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ اللہ کے دین کے مقابلے میں جو کچھ ہے شہوات کی پیروی ہے اور صحیح راستے سے بھٹک جانا ہے۔

عصر رواں میں خاندانی تباہیاں، جنسی بیماریاں، روحی بے چینیاں، نفسیاتی پریشانیاں، ناجائز اولاد، نسلی محرومیاں اور افتراقی بدحالیاں اللہ کے دیے ہوئے نظام کو ترک کر کے شہوات کی پیروی ہی کی وجہ سے ہیں۔ اللہ کو ماننے والوں کے لیے تو رہبری اور راہنمائی کی بارانِ رحمت برس رہی ہے اور نہ

مفردات

ماننے والوں کے لیے سوائے تباہی کے اور کچھ نہیں (70)۔

قرآن مجید کی یہ تین آیات سکون کی جنت سے پردہ ہٹا دیتی ہیں اور وہ آگ کا جلتا ہوا تنور بھی بتا دیتی ہیں جن میں تباہ حال انسان جل سکتے ہیں۔

وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ ان پر کسی روحانی قوت کا کنٹرول نہ رہے، وہ آزاد نفس پرست بن جائیں اور معاشرہ میں کسی کی عزت محفوظ نہ رہے، خاندانوں کا وجود تباہ ہو جائے اور عائلی نظام اپنے روحانی مرکز سے بکھر جائے، مرد عورتوں کو دیکھتے ہی ان پر جانوروں کی طرح ٹوٹ پڑیں اور ہر طرف فساد ہی فساد ہو۔ وہ سمجھ لیں کہ وہ خود کو جہنم میں جھونکنے کی خود تیاری کر رہے ہیں۔ اللہ خیالوں، طبیعتوں، ارادوں اور عزائم کو توفیق کا نور عطا فرمائے تاکہ انسان تقویٰ کی سربلندیوں کو چھو سکے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

''اللہ تم سے تمہارے بوجھ ہلکے کرنا چاہتا ہے اس لیے کہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے''۔

یہ آیت بنیادی طور پر کنیزوں سے نکاح کے حکم پر حکیمانہ بحث کرتی ہے کہ یہ حکم آسانی اور کشادگی کے لیے تھا، کیوں کہ انسان اصولی طور پر ایک کمزور مخلوق ہے ممکن ہے اس پر شہوانی خیالات کا طوفان یلغار کر دے تو اس کے پاس اپنے دفاع کے لیے زیادہ سے زیادہ ذرائع ہوں جہاں وہ اپنی چاہتوں کی جائز راستے سے تسکین تلاش کر سکے اور وہ اپنے آپ کو غلط راستوں سے محفوظ رکھ سکے۔ مجاہد اور مقاتل کا یہی انداز فکر ہے۔ دوسرا قول احکام میں تسہیل کا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے (71):

''میں تمہارے پاس آسان اور درگزر کرنے والی تعلیمات اور دین لے کر آیا ہوں''۔

انسان کے ضعیف اور کمزور پیدا کیے جانے پر علامہ آلوسی نے پانچ اقوال نقل کیے ہیں (72):

- پہلا قول یہ ہے کہ انسان اپنی تخلیق ہی میں کمزور رکھا گیا ہے کیونکہ وہ کمزور اور مخلوط پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔
- دوسرا قول یہ ہے کہ انسان خواہشات کی طرف تکمیل کے لیے عجلت کرنے کے لحاظ سے کمزور واقع ہوا ہے۔
- تیسرا قول یہ ہے کہ انسان عورتوں سے صبر نہیں کر سکتا اس لحاظ سے یہ کمزور واقع ہوا ہے۔
- چوتھا قول یہ ہے کہ وہ اطاعت کی مشقت اٹھانے میں ضعیف ہے۔
- اور پانچواں قول یہ ہے کہ انسان کی رائے ضعیف واقع ہوئی ہے۔

يُرِيْدُ: چاہتا ہے
اللّٰهُ: اللہ
اَنْ: یہ کہ
يُّخَفِّفَ: وہ تخفیف کرے، وہ کام کو آسان کر دے
عَنْكُمْ: تم سے
وَ: اور
خُلِقَ: بنایا گیا
الْاِنْسَانُ: انسان
ضَعِيْفًا: کمزور

مفردات

يَاَيُّهَا: اے
الَّذِيۡنَ: وہ جو
اٰمَنُوۡا: ایمان لائے ہو
لَا تَاۡكُلُوۡۤا: تم نہ کھاؤ
اَمۡوَالَكُمۡ: اپنے مالوں کو
بَيۡنَكُمۡ: تم آپس میں
بِالۡبَاطِلِ: ناجائز طریقے سے
اِلَّاۤ: ہاں مگر
اَنۡ: یہ کہ
تَكُوۡنَ: ہو وہ
تِجَارَةً: تجارت
عَنۡ: سے
تَرَاضٍ: رضامندی سے
مِّنۡكُمۡ: تمہاری طرف سے
وَلَا: اور نہ
تَقۡتُلُوۡۤا: تم قتل کرو
اَنۡفُسَكُمۡ: اپنی جانوں کو خودکشی کے طریقے سے
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
كَانَ: ہے
بِكُمۡ: تمہارے ساتھ
رَحِيۡمًا: بہت مہربان

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (73):

''انسان کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ جسمانی طور پر کمزور واقع ہوا ہے''۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ ۚ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمۡ رَحِيۡمًا ﴿۲۹﴾

''اے ایمان والو! تم اپنے مالوں کو آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ الا یہ کہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو اور اپنی جانوں کو تباہ مت کرو، بے شک اللہ تم پر بے حد مہربان ہے''۔

باطل کیا ہوتا ہے؟

''بَطَلَ'' اگر باب ''نَصَرَ'' سے ہو تو اس صورت میں ''بُطُوْل، بُطْلًا اور بُطْلَانً'' کا معنیٰ فاسد ہونا ہوتا ہے، بے کار ہونا اور ناپائیدار ہونا بھی اس کے معانی آتے ہیں اور اگر یہ لفظ باب ''كَرُمَ'' سے ہو تو پھر ''بطالت'' کا معنیٰ دلیر ہونا اور بہادر ہونا ہوتا ہے۔ عام طور پر یہ مادہ زائل ہونے اور مٹ جانے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور بے کار اور عبث ہونے کے معنوں میں زیر تفسیر آیت نے یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ آیت نے ناجائز ذرائع سے دولت کمانے کو باطل قرار دیا ہے (74)۔

تعبیر آیت کا عملی تقاضا

مناکحات کے بعد اقتصادی اور معاشی معاملات میں یہ آیت ٹھوس بنیاد فراہم کر رہی ہے۔ فقہائے کرام کے نزدیک امور مالیہ میں اس آیت کی ایک خاص اور منفرد اہمیت ہے۔ ایمان والوں کو مخاطب کر کے کہا یہ جا رہا ہے کہ ایک دوسرے کے اموال کو غلط، ناجائز اور باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔ دوسروں کے اموال میں ہر قسم کا تصرف جو عقلی منطقی اور شرعی جواز کے بغیر ہوا سے ممنوع قرار دے دیا گیا (75)۔ لفظ ''باطل'' عملی زندگی کو حسین بنانے کے لیے ہے اس لیے کہ باطل حق کے مقابلے میں ہے اور ہر وہ چیز جو بری ہو، بے مقصد ہو اور بے بنیاد ہو وہ باطل ہوتی ہے۔ مومنوں کو سمجھایا جا رہا ہے تم حق کے پرچم بردار ہو تمہیں اپنی زندگیوں کو باطل سے بچا کر حق ہی کے حسن سے آراستہ کرنا چاہیے۔ معاش میں زیادتیاں، دھوکے، فریب، سودی لین دین اور قمار بازیاں اور بددیانتیاں مومنانہ زندگی کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتیں۔ آیت میں یہ معنیٰ بھی موجود ہے کہ تم اپنے حلال مال حرام کاموں میں خرچ نہ کرو (76)۔

تجارت کا مفہوم

مال کا مال سے تبادلہ جس میں مقصود نفع ہو، زبانی الفاظ سے ہو یا صرف لین دین سے تجارت کہلاتا ہے(77)۔

راغب نے لکھا کہ نفع کمانے کے لیے راس المال کو کاروبار میں لگا دینا تجارت ہوتا ہے(78)۔

محیط نے لکھا کہ وہ مال بھی تجارت کہلاتا ہے جس سے کاروبار کیا جائے(79)۔

مجاز میں جا کر کسی معاملہ میں مہارت اور ہوشیاری بھی تجارت ہوتی ہے(80)۔

حاذق اور ماہر شخص کو بھی تاجر کہہ دیتے ہیں(81)۔

آیت یہ کہہ کر تربیت کرتی ہے کہ ایک دوسرے کے اموال باطل طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ باہمی رضامندی سے جو طے پائے۔ رضامندی بھی شرعی قانون کو توڑ کر عمل میں نہیں لائی جا سکتی اس کے مسلّمہ اصول ہیں ان کا ہر حال میں خیال رکھنا ضروری ہے۔

تجارت اور شارع علیہ السلام کے اقوال

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا(82):

''بے شک خرید و فروخت درست وہی ہے جس میں رضا مندی پائی جائے''۔

رافع بن خدیج روایت کرتے ہیں(83):

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا

یارسول اللہ! کسب کون سا پاکیزہ ہے؟

آپ نے فرمایا:

''انسان جو اپنے ہاتھ سے کمائے اور ہر تجارت جو جائز طریقے سے ہو''۔

مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا(84):

''کوئی ایک بھی ہرگز بہتر روزی نہیں کھاتا جب تک وہ اپنے ہاتھوں کے کسب سے نہ کھائے۔ بے شک اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی کمائی ہی سے کھاتے تھے''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تاجر میں جب چار خصلتیں پائی جائیں تو اس کی کمائی پاکیزہ ہو

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا

جاتی ہے(85):

- جب وہ خرید چکے تو اس کی مذمت بیان نہ کرے
- اور جب بیچنا چاہے تو اس کی مدح نہ کرے
- بیع میں ملاوٹ اور جھوٹ سے کام نہ لے
- اور خرید وفروخت میں قسمیں نہ اٹھائے

ایک اور حدیث میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا(86):

''قیامت کے دن تاجر فاجر اٹھائے جائیں گے سوائے ان کے جنہوں نے تقویٰ قائم رکھا، صاف ستھری تجارت کی اور سچ بولا''۔

مستدرک کی حدیث ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا(87):

''سچا، امانت دار اور مسلمان تاجر قیامت کے دن شہداء کے ساتھ اٹھے گا''۔

صفوان کی مرفوع حدیث ہے کہ بے شک اللہ کی مدد صالح تاجروں کے ساتھ رکھی گئی ہے(88)۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق سچا تاجر قیامت کے دن عرش کے سائے میں ہوگا(89)۔

اور خودکشی نہ کرو

آیۂ کریمہ کا اگلا حصہ قتل نفس کی ممانعت کے حکم پر مشتمل ہے۔ اسلوب اچھی طرح واضح کر رہا ہے کہ یہ خودکشی سے ممانعت کا حکم ہے، البتہ تجارت والی آیت میں یہ جملہ لانا کہ باہم ایک دوسرے کو قتل نہ کرو ایک اجتماعی نکتے کی طرف اشارہ ضرور کرتا ہے کہ لوگوں کے مالی اور اقتصادی مسائل اگر صحیح طریقے سے سرانجام نہ دیے جائیں تو بے اعتدالیاں اجتماعی خودکشی کے قائم مقام ہو کر رہ جاتی ہیں۔ جہاں ایک دوسرے کے اموال میں بے جا تصرفات کی آگ لگ جائے معاشرہ خود جل کر بھسم ہو جاتا ہے، گویا سماج ایک قسم کی خودکشی کا ارتکاب کر لیتا ہے۔

آیت کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں شفقتوں اور رحمتوں کا حوالہ دیا کہ اللہ تم پر مہربان ہے اس لیے روحانی حوادث کی خبریں دے رہا ہے۔ لوگ آگاہی کے اس مربوط، عظیم اور فضیلت مآب نظام سے فائدہ نہ اٹھا سکیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے اللہ کی مہربانیوں کو پیٹھ دے دی۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ
ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾
اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ
وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾
وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ
مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ
فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

(30) اور جو زیادتی اور ظلم سے ایسا کرے گا تو زیادہ دور نہیں ہم اسے آگ میں ڈالیں گے اور یہ اللہ کے لیے آسان ہے

(31) اور اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب کرتے رہے جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو ہم تم سے تمہاری برائیاں مٹا دیں گے اور تمہیں عزت والے مقام میں داخل کریں گے

(32) اور تمنا نہ کرو اس کی جس سے اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی، مردوں کے لیے حصّہ ہے اس سے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور اللہ سے اس کا فضل مانگو، بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے

مفردات

وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ عُدۡوَانًا وَّظُلۡمًا فَسَوۡفَ نُصۡلِيۡهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرًا ۝۳۰

''اور جو زیادتی اور ظلم سے ایسا کرے گا تو زیادہ دور نہیں ہم اسے آگ میں ڈالیں گے اور یہ اللہ کے لیے آسان ہے''۔

عدوان اور ظلم کی بحث

علامہ بیضاوی انوار التنزیل میں لکھتے ہیں (90):

> ''عدوان'' کا معنیٰ ہوتا ہے حق سے بہت زیادہ تجاوز کرنا اور ''ظلم'' کا معنیٰ ہوتا ہے ایسا کام کرنا جو ناحق ہو۔ ''ذٰلِكَ'' کا اشارہ ان تمام حرام کاموں کی طرف ہے جن کا بیان اس سورت میں ہوا ہے اور عدوان اور ظلم میں یہ فرق بھی بیان کیا گیا ہے کہ عدوان دوسروں پر تجاوز کرنا ہوتا ہے اور ظلم اپنے آپ پر زیادتی کرنا ہوتا ہے۔ مفہوم جملہ یہ ہوگا کہ جو شخص دوسروں پر زیادتی کر کے حرام کام کرنے والا ہو اور خود کو گناہوں میں مبتلا کرنے والا ہو اسے ہم آگ میں جھونک دیں گے''۔

''وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ'' کا اشارہ کس طرف ہے؟

علامہ فخر الدین رازی نے اس میں تین اقوال نقل کیے ہیں (91):

- پہلا قول عطا کا ہے کہ یہ محترم نفس کے قتل کے ساتھ خاص ہے۔ ضمیر کا مرجع اقرب اسی صورت میں ہوگا۔
- دوسرا قول زجاج کا ہے یہ ''قتل نفس'' اور باطل طریقہ سے مال کھانے کی طرف اشارہ ہے۔
- اور تیسرا قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے کہ یہ ان تمام احکام کی طرف اشارہ ہے جن کی ممانعت اس سورت کے اس مقام تک بیان ہوئی۔

آیت کے آخر میں کہا گیا کہ گناہوں پر عذاب دیتے ہوئے جہنم میں جھونک دینا اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں، اللہ کی راہ میں کوئی حائل نہیں ہوسکتا۔

وَ: اور
مَنۡ: جو
يَّفۡعَلۡ: کرے گا
ذٰلِكَ: یہ سب کچھ
عُدۡوَانًا: زیادتی اور حق سے بہت زیادہ تجاوز
وَّظُلۡمًا: اور ظلم سے
فَسَوۡفَ: تو عنقریب
نُصۡلِيۡهِ: ہم اسے ڈالیں گے
نَارًا: آگ میں
وَكَانَ: اور ہے
ذٰلِكَ: یہ معنیٰ ایسا کرنا
عَلَى: پر
اللّٰهِ: اللہ
يَسِيۡرًا: بہت آسان

مفردات

اِنۡ: اگر
تَجۡتَنِبُوۡا: تم بچو گے
کَبٰٓئِرَ: بڑے گناہوں سے
مَا: جن، جو
تُنۡہَوۡنَ: تمہیں منع کیا گیا ہے
عَنۡہُ: اس سے
نُکَفِّرۡ: زائل کردیں گے، کفارہ بنادیں گے، پردہ پوشی کریں گے
عَنۡکُمۡ: تم سے
سَیِّاٰتِکُمۡ: سَیِّہ کی جمع ہے، چھوٹے گناہوں سے
وَنُدۡخِلۡکُمۡ: اور داخل کریں گے تمہیں
مُّدۡخَلًا: داخل ہونے کا مقام اور جگہ
کَرِیۡمًا: عمدہ، اچھی اور عزت والی جگہ

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں (92):

> ''یہ بات قابل تسلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف کسی کام کو منسوب کر کے آسان یا مشکل کہنا ممکن نہیں لیکن یہ اسلوب اصل میں ہماری نسبت سے ہے، مطلب یہ ہے کہ اے میرے بندو! اسے تم بھی تسلیم کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کو ہر قسم کی قدرت حاصل ہے اس لیے کوئی انسان اس کی پکڑ سے بھاگ نہیں سکتا۔ اس نقطۂ نظر سے یہ کہا گیا کہ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہیں بلکہ آسان ہے''۔

واللہ اعلم

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا کَبٰٓئِرَ مَا تُنۡہَوۡنَ عَنۡہُ نُکَفِّرۡ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَنُدۡخِلۡکُمۡ مُّدۡخَلًا کَرِیۡمًا ﴿۳۱﴾

''اور اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب کرتے رہے جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو ہم تم سے تمہاری برائیاں مٹادیں گے اور تمہیں عزت والے مقام میں داخل کریں گے''۔

آیت کا ماقبل سے ربط

اس سے پہلی آیت میں گناہوں اور زیادتیوں پر گرفت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اب اس آیت میں اس کی تفصیل ذکر کی جارہی ہے کہ گناہوں پر مواخذہ کب ہوتا ہے اور ان کی معافی کی صورتیں کیا ہوتی ہیں؟

- پہلی آیت میں ظلم اور زیادتی کو ذلتِ نفسی کا سبب بنا کر بیان کیا گیا ہے اب اس آیت میں نفوس کو پاکیزہ کرنے کا عمل بتایا جارہا ہے۔
- پہلی آیت میں آتش جہنم میں پہنچنے والے امور بتائے گئے اب '' مُّدۡخَلًا کَرِیۡمًا '' عزت والی جگہ کا ذکر کیا جارہا ہے۔

کبائر سے اجتناب

''کبائر، کبیرۃ'' کی جمع ہے۔ قرآن مجید میں اس کے تین مقامات ہیں:

پہلی جگہ تو یہی آیت جہاں کہا جارہا ہے کہ اگر تم کبائر سے بچنے کے لیے کوشاں ہو جاؤ تو ہم تمہارے ساتھ چمٹی ہوئی برائیاں تم سے دور کردیں گے۔ سورۂ کہف میں کبیرہ کے مقابلے میں صغیرہ کا ذکر ہے اور

سمجھایا یہ گیا ہے کہ نامۂ اعمال نے بڑے اور چھوٹے گناہوں کو گن رکھا ہے، کوئی چیز حساب سے باہر نہیں اور سورۂ نجم میں صغیرہ گناہ کے لیے ''لِمَمْ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ چھوٹے اور کم اہمیت والے کام کو ''لِمَمْ'' کہہ دیتے ہیں۔

ابن قیم جوزی نے ''الداو الدوا'' کے اندر لکھا(93):

''جب دو گناہوں کا ایک دوسرے سے مقابلہ کیا جائے جس پر ممانعت زیادہ شدید ہو وہ کبیرہ ہے اور جس پر ممانعت خفیف ہو وہ صغیرہ ہے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''کبیرہ ہر وہ گناہ ہے جس پر اللہ نے آگ یا غضب یا لعنت یا عذاب کا ذکر کیا ہے کہ ان گناہوں پر یقیناً وہ ان وعیدوں کا مستحق ہوتا ہے''(94)۔

تفسیر بیضاوی میں ہے(95):

''کبیرہ کی تعریف میں سمجھ سے قریب قول یہی ہے کہ وہ گناہ جن پر اللہ نے حد کو مرتب کیا ہے یا جن پر اللہ نے وعید کا ذکر کیا ہے''۔

ابن کثیر نے ایک حدیث کی مدد سے یہ سات گناہ کبائر لکھے ہیں(96):

1۔ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا
2۔ ناحق قتل کرنا
3۔ جادو کرنا
4۔ سود کھانا
5۔ یتیم کا مال کھانا
6۔ جنگ کے دن پیٹھ دے کر بھاگنا
7۔ اور پاک دامن مومن عورتوں پر تہمت لگانا

ایک حدیث میں والدین کی نافرمانی کو بھی کبیرہ گناہ کہا گیا ہے(97)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق جھوٹی گواہی کو بھی کبیرہ گناہ کہا گیا ہے(98)۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

وَلَا: اور نہ
تَتَمَنَّوْا: تمنا کرو تم
مَا: جو
فَضَّلَ اللّٰهُ: اللہ نے فضیلت بخشی
بِهٖ: ساتھ اس کے
بَعْضَكُمْ: بعض تمہارے
عَلٰى: پر
بَعْضٍ: بعض
لِلرِّجَالِ: مردوں کے لیے
نَصِيْبٌ: حصہ ہے
مِّمَّا: اس میں سے
اكْتَسَبُوْا: ان مردوں نے کمائی کی
وَلِلنِّسَآءِ: اور عورتوں کے لیے
نَصِيْبٌ: حصہ ہے
مِّمَّا: اس میں سے
اكْتَسَبْنَ: ان عورتوں نے کمائی کی
وَسْـَٔلُوا: اور سوال کرو
اللّٰهَ: اللہ سے
مِنْ: سے
فَضْلِهٖ: اس کے فضل
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
كَانَ: ہے
بِكُلِّ: ہر چیز
شَيْءٍ: چیز
عَلِيْمًا: بہت زیادہ جاننے والا

تفسیر طبری میں ہے(99):

''حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سات سے لے کر سات سو تک کبائر ہیں البتہ سات ان میں سے زیادہ واقع ہوتے ہیں، ہاں کبیرہ کے بعد توبہ کرنے سے کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا اور صغیرہ پر اصرار کرنے سے صغیرہ صغیرہ نہیں رہتا''۔

''مُّدْخَلًا كَرِيْمًا'' کا معنی

اگر ''مُّدْخَلًا'' میں میم کو مصدر میمی مانا جائے تو مفہوم آیت یہ ہوگا کہ ہم تمہیں ایک خوبصورت اور اچھے مقام میں داخل کریں گے اور یہ داخل کرنا باعزت ہوگا(100)۔

دوسری صورت یہ ہوگی کہ مفہوم بنے گا کہ ہم تمہیں حسین جنت میں داخل کریں گے جب کہ وہ مقام ''مقام عزت'' ہوگا۔ اس صورت میں ''مدخل'' ظرف مکان ہوگا اور ترکیب میں مفعول بہ واقع ہو گا(101)۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

''اور تمنا نہ کرو اس کی جس سے اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی، مردوں کے لیے حصہ ہے اس سے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور اللہ سے اس کا فضل مانگو، بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

شان نزول

علامہ رشید رضا لکھتے ہیں(102):

''جب میراث کی آیت نازل ہوئی اور اس میں عورتوں کا حصہ مردوں کی نسبت کم رکھا گیا اور مردوں کا حصہ دوگنا معین ہوا۔ بعض مردوں نے تمنا ظاہر کی کہ کاش! بروز آخرت بھی ایسا ہی ہو۔ عورتیں آرزو کرنے لگیں کاش! عورتوں کی سزا بھی آدھی ہو جائے اس پر آیت مذکورہ کا نزول ہوا''۔

شانِ نزول میں دوسری روایت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی رقم کی گئی،

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں(103):

’’میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مرد جہاد کرتے ہیں اور عورتیں جہاد نہیں کرتیں اور میراث ہمیں نصف ملتی ہے۔ در پردہ اشارہ اس طرف مقصود تھا کہ میراث ہمیں زیادہ ملنی چاہیے اس لیے کہ ہم کمزور مخلوق ہیں‘‘۔

آیۂ کریمہ عجالۂ فہم وذکا ہے۔ بات عام ذہن سے تھوڑی دور پڑ رہی تھی کہ میراث کے حصے کما حقہ تسلیم کر لیے جائیں۔ کچھ لوگ نسوانیت کو پیس دینے کی خواہش رکھتے تھے۔ ان کے لیے عورت کو کچھ بھی دینا عقل کے منافی تھا اور کچھ لوگوں کو مردوں کی نسبت عورتوں کے لیے ایک گنا ہونا ناقابل ہضم بنا ہوا تھا۔ آیت نے سمجھایا کہ امورِ زندگی کا بوجھ زیادہ تر مردوں کے کندھوں پر ہوتا ہے اور عورتوں کو اس سے مستثنیٰ سمجھا جاتا ہے اور یہ بھی کہ عورتوں کے اخراجات بھی عام طور پر مردوں ہی کو دینے پڑتے ہیں۔ عورتیں تعامل زندگی میں بھی نصف ہوتی ہیں اس لیے میراث میں بھی انہیں آدھا ملتا ہے۔ آیت نے سمجھایا تم تمناؤں کے کاغذی گھوڑوں پر نہ بیٹھو بلکہ فضیلتوں کے اس نظام کو سمجھو جو اللہ نے بعض کے لیے بعض پر استوار فرمایا ہے۔ خلقت، جنسیت، صنفیت اور جسمانی صفات کے حوالے سے مردوں اور عورتوں میں جو فرق ہے اسے سمجھ لو۔

کیا اکتساب کے دائرے اپنے اپنے ہیں؟

سعی اور کوشش کے لحاظ سے مردوں اور عورتوں کا اپنا اپنا دائرہ ہے۔ ہر ایک زندگی کی دوڑ میں اکتساب کے پھل سے بہرہ مند ہو سکتا ہے۔ ہر ایک کے لیے وہ ہے جو وہ کمائے۔ میراث میں حصوں کا تعین قرب، ضرورت اور جنسیت کے ضوابط پر ہوتا ہے جبکہ زندگی میں اکتساب صلاحیت اور کوشش کے ضابطہ پر ہوتا ہے۔ اکتساب کے لفظ میں وسعت ہے۔ اختیاری مساعی اور طبعی حیثیات ہر ایک کی اہمیت ہے۔

تمنا کیا ہے؟

تفسیر خازن میں ہے(104):

’’تمنا کرنا کسی چیز کی خواہش کرنا اور ارادہ کرنا ہوتا ہے، فلاں مرغوب چیز مجھے مل جائے تمنا ہے۔ اپنے نفس سے

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

بات کرنا کہ یہ کام ہوجائے گا یا نہیں ہوگا، یہ بھی تمنا ہے۔
یہ بھی کہا گیا کہ تمنا کرنا اپنے جی میں ایک قسم کا اندازہ لگانا
بھی ہوتا ہے۔ یہ چیز کبھی تخمینہ اور ظن سے حاصل ہوتی
ہے اور کبھی دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے"۔

تمنا کی دو قسمیں ہیں:

- ایک میں تو کسی چیز کی خواہش ہوتی ہے کہ مجھے مل جائے اور فلاں اس سے محروم ہو جائے، یہ حسد ہے اور بُری چیز ہے۔
- دوسرا غبطہ ہے کہ خود تو حاصل کرنے کی خواہش ہو لیکن دوسرے کو محروم کرنا مقصود نہ ہو اس کو رشک بھی کہتے ہیں۔

اللہ سے فضل مانگو

ابن ماجہ کی حدیث ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (105):

"جس نے اللہ سے نہ مانگا اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے"۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (106):

"اللہ سے اس کا فضل مانگو، یہ عبادت ہے یہ کوئی دنیوی
معاملہ نہیں"۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں (107):

"اپنے پروردگار سے مانگو یہاں تک کہ سیر ہو جاؤ۔ اگر اللہ
کسی کام میں آسانی پیدا نہ فرمائے تو آسانی کبھی نہ ملے"۔

رازی لکھتے ہیں کہ اللہ سے معین کر کے کوئی چیز نہ مانگی جائے بلکہ اللہ سے اس کا فضل مانگا جائے (108)۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ
اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿٣٣﴾
اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ
اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا
حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي
الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿٣٤﴾

(33) اور ہم نے سب کے لیے وارث بنا دیے ہیں اس مال میں جو ماں باپ اور قرابت دار چھوڑ جائیں اور وہ لوگ جن سے تمہارے پیمان بندھ چکے ہیں انہیں ان کا حصہ دو، بے شک اللہ ہر چیز کو کھلا دیکھنے والا ہے

(34) مردوں کو عورتوں پر پاسبان ٹھہرایا گیا ہے اس وجہ سے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے اور اس لیے کہ مردوں نے اپنے مال سے خرچ کیا پس صالح عورتیں ادب بجالانے والی ہوتی ہیں پردہ میں رہ کر بھی اللہ کی دی گئی حفاظت کی برکت سے وہ اپنے آپ کو محفوظ رکھنے والی ہوتی ہیں اور ایسی عورتیں جن کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو تو انہیں اچھی طرح سمجھاؤ اور خواب گاہوں میں انہیں الگ چھوڑ دو اور انہیں (حسب ضرورت) مارو سو اگر وہ تمہاری اطاعت میں آجائیں تو کوئی اور راہ نہ ڈھونڈو بے شک اللہ بے حد علم والا سب سے بڑا ہے

مفردات

وَ لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مَوَالِىَ مِمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ ؕ وَ الَّذِيۡنَ عَقَدَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ فَاٰتُوۡهُمۡ نَصِيۡبَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدًا ۝۳۳

''اور ہم نے سب کے لیے وارث بنا دیے ہیں اس مال میں جو ماں باپ اور قرابت دار چھوڑ جائیں اور وہ لوگ جن سے تمہارے پیمان بندھ چکے ہیں انہیں ان کا حصہ دو، بے شک اللہ ہر چیز کو کھلا دیکھنے والا ہے''۔

آیت کی تفسیر میں چار چیزیں زیر غور لائی جاسکتی ہیں:

- پہلی : موالی کی بحث
- دوسری : ترکہ اور میراث کا حکم
- تیسری : معاہدوں کی حیثیت اور آیت کا حکم
- چوتھی : شہید ہونے کا مفہوم

ترتیب سے چاروں کی تفصیل رقم کی جاتی ہے:

''مَوَالِىَ'' کی بحث

''مَوَالِىَ'' مولی کی جمع ہے اس میں معانی کی مشارکت لفظ کی شہامت پر دلالت کرتی ہے (109)۔

پہلا معنی

''مولی'' کا معنی مُعتِق ہوتا ہے۔ غلامی سے آزادی کی طرف لا کر نعمت سے نوازتا ہے۔ یہ ایک قسم کا مولائے نعمت ہوتا ہے۔

دوسرا معنی

آزاد کردہ غلام کو بھی ''مولی'' کہہ دیتے ہیں اس لیے کہ آزاد کر کے اسے نعمتوں کا مالک بنا دیا جاتا ہے۔

تیسرا معنی

حلیف، حلف میں شریک شخص کو بھی ''مولی'' کہہ دیتے ہیں اس لیے کہ معاہدہ سے وہ شخص ''ولی الامر'' ہو جاتا ہے۔

چوتھا معنی

چچا کے بیٹے کو بھی ''مولا'' کہہ دیتے ہیں اس لیے کہ قرابت داری اس کو ولایت کی رسی

وَلِكُلٍّ: اور ہر ایک کے لیے
جَعَلۡنَا: بنائے ہیں ہم نے
مَوَالِىَ: وارث، مال کے مستحق
مِمَّا تَرَكَ: اس سے جو چھوڑ گئے
الۡوَالِدٰنِ: ماں باپ
وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ: اور قرابت دار
وَالَّذِيۡنَ: اور وہ جو
عَقَدَتۡ: بندھ ہو چکا
اَيۡمَانُكُمۡ: عہد و پیمان
فَاٰتُوۡهُمۡ: تو دو انہیں
نَصِيۡبَهُمۡ: ان کا حصہ
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
كَانَ: ہے
عَلٰى: پر
كُلِّ شَىۡءٍ: ہر چیز
شَهِيۡدًا: مشاہدہ کرنے والا

پکڑا دیتی ہے۔

❁ پانچواں معنیٰ

''مولیٰ'' ولی کے معنیٰ میں ہوتو مفہوم ہوتا ہے دوست اور مددگار۔

❁ چھٹا معنیٰ

''مَوَالِیَ'' عصبات کو کہہ دیتے ہیں، وہ رشتہ دار جو میراث اور ترکہ پانے والے ہوں۔ آیت میں مفسرین نے لکھا کہ ''مولیٰ'' کا معنیٰ عصبہ ہی لیا گیا ہے۔

❁ ساتواں معنیٰ

ایسی دوستی جو اختیار اور قدرت قائم کردے، بے تکلف دوستی میں بندہ مدد بھی کرے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس کا میں مولیٰ ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے مولی ہیں''۔

❁ آٹھواں معنیٰ

''مولیٰ'' بمعنیٰ والی بھی ہے، اقتدار رکھنے والا مالک، مولیٰ ہوتا ہے۔

❁ نواں معنیٰ

''ولی'' ہی سے مولیٰ ہے۔ اس کا معنیٰ قریب ہونا اور قرب رکھنا ہوتا ہے۔ قرابت داری ہی کی وجہ سے وراثت ثابت ہوتی ہے۔

❁ دوسری بحث

یہاں بحث کو دوبارہ ترکہ اور میراث کی طرف پھیرا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہم نے مردوں اور عورتوں میں سے ہر ایک کے لیے وارث بنائے ہیں۔ جو کچھ والدین اور نزدیکی رشتہ دار چھوڑ جائیں تو وہ کچھ خاص رہنمائی میں ان میں تقسیم ہوگا۔ مفسر کے فہم کے مطابق یہ جملہ ان احکام کا خلاصہ ہے جو گزشتہ آیتوں میں اقربا اور نزدیکیوں کے بارے میں بیان ہوئے۔

❁ تیسری بحث

آیت کی تیسری بحث ان لوگوں کا حصہ بیان کرنا ہے جن سے عہد و پیمان باندھا گیا ہو، کہا جارہا ہے کہ ان کا حصہ بھی دے دو۔ آیت میں پیمان کو عقدِ یمین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس اصطلاح کا لغوی معنیٰ دائیں ہاتھ سے گرہ باندھنا ہوتا ہے۔ پیمان باندھنا بھی ایک قسم کی گرہ باندھنا ہوتا ہے ''عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ'' وہ گرہ جو تمہارے ہاتھ باندھ دے پیمان ہی

کے لیے خوبصورت مجاز ہوگا۔تفسیر کبیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ عرب عام طور پر معاہدے کرتے تو ہاتھ میں ہاتھ لے کر عقد باندھتے، یہ ایک قسم کا عقد پختہ کرنے کا عزم ہوتا۔ ''یمین'' کا معنیٰ قسم بھی ہوتا ہے۔مفہوم آیت یہ ہوگا کہ وہ معاہدہ جو تم قسموں سے پختہ کر لیتے ہو۔آیت کے اس حصہ کو سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن میں رکھی جائے کہ مفسرین کی دو آرائیں ہیں: بعض اسے منسوخ تصور کرتے ہیں اور بعض آیت کے حکم کو محکم جانتے ہیں یعنی منسوخ نہیں سمجھتے (110)۔

اس سلسلہ میں خوبصورت بحث تفسیر بیضاوی اور مظہری کی ہے:

''امام بیضاوی فرماتے ہیں: جو عقد موالات کا موالی باندھ لیں تو عقد کے مطابق ان کی ادائیگی ہونی چاہیے''۔

مولیٰ دو قسم کا ہوتا ہے: ایک مولیٰ اسفل ہوتا ہے اور ایک مولیٰ اعلیٰ ہوتا ہے۔اسفل وہ غلام ہوتا ہے جسے آزاد کر دیا جائے اور آزاد کرنے والے کو مولیٰ اعلیٰ کہتے ہیں (111)۔

شیخ زادہ وغیرہ نے دوسرا مطلب یہ لیا کہ زوج اور زوجہ کے درمیان جو عقد نکاح باندھا جاتا ہے، اس وجہ سے وہ ایک دوسرے کے وارث بن گئے ہیں، اس لیے قرآن کہہ رہا ہے کہ ان کے حقوق میراث ادا کرو۔ترتیب میں بات یوں ہوگی کہ والدین اور اقرباء کے ساتھ زوج اور زوجہ کی میراث بھی تاکیداً بیان کر دی گئی۔

آیت کا حکم منسوخ سمجھنے والوں نے کہا ہے کہ یہ حکم ابتدائے اسلام کا ہے کہ عرب جب قسم اٹھا کر ایک دوسرے کے حلیف بن جاتے کہ ہم تمہاری امداد کریں گے اس وقت ورثاء کی موجودگی میں بھی حلیف چھٹے حصہ کا ترکہ میں حقدار سمجھا جاتا۔قائلین نسخ نے لکھا کہ '' وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ '' والی آیت نے اسے منسوخ کر دیا (112)۔

ابن کثیر اور صابونی وغیرہ نے اسے وصیت کے حکم میں قائم رکھنے کا عندیہ دیا ہے (113)۔

طبری وغیرہ نے بھی اسے مواساۃ کی نصیحت ہی سمجھی ہے۔اسے وراثت کے قانون کے ساتھ نہیں جوڑا (114)۔

❁ چوتھی بحث

قرآن مجید میں جب بھی اللہ کی صفات بیان کرتے ہوئے لفظ '' کَانَ '' استعمال ہو تو یہ '' کَانَ '' دائمہ کہلاتا ہے۔اس میں انقطاع نہیں ہوتا اور '' شَهِيۡدًا '' کبھی شاہد کے معنیٰ

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

اَلرِّجَالُ: مرد
قَوّٰمُوۡنَ: قوت اور نشوونما دینے کا ذریعہ، نگہبان و سرپرست یا خدمت گزار
عَلَی: پر
النِّسَآءِ: عورتوں
بِمَا: بسبب اس کے جو
فَضَّلَ: فضیلت بخشی
اللّٰہُ: اللہ نے
بَعۡضَھُمۡ: ان کے بعض کو
عَلٰی: پر
بَعۡضٍ: بعض
وَّبِمَآ: اور سبب سے جو
اَنۡفَقُوۡا: خرچ کیا انہوں نے
مِنۡ: سے
اَمۡوَالِھِمۡ: ان کے مالوں سے
فَالصّٰلِحٰتُ: نیک صالحہ عورتیں
قٰنِتٰتٌ: متواضع اور منکسر المزاج خواتین
حٰفِظٰتٌ: حفاظت کرنے والیاں
لِّلۡغَیۡبِ: عدم موجودگی میں
بِمَا: بسبب اس کے جو
حَفِظَ اللّٰہُ: اللہ نے حفاظت فرمائی
وَالّٰتِیۡ: اور وہ عورتیں جو
تَخَافُوۡنَ: تم خوف رکھتے ہو
نُشُوۡزَھُنَّ: ان کی نافرمانی کا
فَعِظُوۡھُنَّ: تو ان کو وعظ نصیحت کرو
وَاھۡجُرُوۡھُنَّ: اور چھوڑ دو ان کو بے تعلق
فِی: میں
الۡمَضَاجِعِ: بستروں

میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی مشاہد کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

- پہلی صورت میں ''شَہِیۡدًا'' گواہ کے معنوں میں استعمال ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بروز قیامت تمام لوگوں کے اعمال کا گواہ ہوگا۔
- دوسری صورت میں مشاہدہ کرنا ہے یعنی اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اس لیے وہ اعمال میں سے جزئیات اور کلیات سب کا جاننے والا ہے۔

رازی لکھتے ہیں کہ ایک صورت کے مطابق عالم ہونے کا معنیٰ اور دوسری صورت میں مخبر ہونے کا مفہوم اُجاگر ہوتا ہے (A-114)۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعۡضَھُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ وَّ بِمَآ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِھِمۡ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَیۡبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ ؕ وَ الّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَھُنَّ فَعِظُوۡھُنَّ وَ اھۡجُرُوۡھُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ وَ اضۡرِبُوۡھُنَّ ۚ فَاِنۡ اَطَعۡنَکُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَیۡھِنَّ سَبِیۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیۡرًا ﴿۳۴﴾

''مردوں کو عورتوں پر پاسبان ٹھہرایا گیا ہے اس وجہ سے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے اور اس لیے کہ مردوں نے اپنے مال سے خرچ کیا پس صالح عورتیں ادب بجا لانے والی ہوتی ہیں، پردہ میں رہ کر بھی اللہ کی دی گئی حفاظت کی برکت سے وہ اپنے آپ کو محفوظ رکھنے والی ہوتی ہیں اور ایسی عورتیں جن کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو تو انہیں اچھی طرح سمجھاؤ اور خواب گاہوں میں انہیں الگ چھوڑ دو اور انہیں (حسب ضرورت) مارو سو اگر وہ تمہاری اطاعت میں آجائیں تو کوئی اور راہ نہ ڈھونڈو بے شک اللہ بے حد علم والا سب سے بڑا ہے''۔

گھریلو نظام کے حقیقی پاسبان

اسلام ایک ایسا نظام ہے جس میں انسانی معاشرت کو اہمیت دی گئی ہے اور معاشرت کے حسین بنانے کے لیے ٹھوس ضوابط دیے ہیں۔ اسلام یہ یقین رکھتا ہے کہ فرد اور معاشرے میں گھر کو بنیادی فضیلت حاصل ہے اس لیے بغیر کسی تکلف کے قرآن نے اس آیت میں اعلان کر دیا ہے کہ گھریلو نظام کی پاسبانی کے لیے مرد قوام ہے، پاسبان ہے اور نگہبان ہے۔ مرد اور عورت میں رئیس کی حیثیت ایک ہی کی ہوسکتی ہے البتہ دوسرے کی مدد اور تعاون کے بغیر گھریلو نظام مستحکم نہیں ہوسکتا۔ مرد کو یہ اہمیت اور ذمہ داری اس کی چند خصوصیات کی بنا پر دی گئی ہے۔ مرد کے لیے آسان ہوتا ہے کہ وہ ''قوت فکر''

مفردات

وَاضۡرِبُوۡهُنَّ: اور ہلکی مار سے خبر گیری کرو
فَاِنۡ: تو اگر
اَطَعۡنَکُمۡ: اطاعت کریں
فَلَا تَبۡغُوۡا: تو نہ تلاش کرو
عَلَیۡهِنَّ: ان پر
سَبِیۡلًا: کوئی راستہ
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
کَانَ: ہے
عَلِیًّا: بلند، بڑا اور بزرگ
کَبِیۡرًا: بہت بڑا

اور قوت تنظیم کو جذبات پر ترجیح دے لیتا ہے جبکہ عورت خواہشات اور جذبات کے ہجوم میں گھری ہوتی ہے۔ منصوبہ بندی میں فکری محاسن کا حامل قائد کامیابیوں سے ہم کنار رہتا ہے۔ ہاں بعض اوقات بعض عورتیں مردوں پر تفوق رکھتی ہیں لیکن استثنائی خصوصیات کی وجہ سے قانون سازی نہیں کی جاسکتی ہے۔

شان نزول

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (115) ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ وہ اپنے خاوند سے بدلہ لینا چاہتی تھی اس لیے کہ اس کے خاوند نے اسے تھپڑ مارا تھا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قصاص جاری کرنے کا ارادہ فرمالیا تھا لیکن اللہ نے یہ آیت نازل کر کے قصاص جاری کرنے سے منع کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کا ارادہ میرے ارادے پر غالب آ گیا''۔ کلبی کہتے ہیں کہ خاوند کا نام سعد بن ربیع تھا اور ان کی زوجہ حبیبہ بنت زید بنت زبیر تھیں۔ ایک دوسری روایت میں کہا گیا کہ زوجہ محمد بن مسلمہ کی بیٹی تھیں۔ ممکن ہے سعد کی دو بیویاں ہوں اس لیے شان نزول کی روایات میں کوئی اضطراب نہیں۔

مردوں کے قوام ہونے کی دو وجوہات

اللہ تعالی نے مردوں کے قوام ہونے کی جو دو وجوہات نقل کیں ان میں پہلی یہ ہے کہ مردوں کو جو اعزازات معاشرہ دیتا ہے وہ گھر میں بھی تسلیم شدہ ہونے چاہییں:

1۔ گواہی میں فضیلت
2۔ وجوب جہاد، علمی اور جسمی حیثیت
3۔ وجوب جمعہ
4۔ وجوب جماعت
5۔ امامت صغریٰ اور امامت کبریٰ
6۔ مردوں کو بیک وقت چار نکاح کرنے کی اجازت
7۔ امور نبھانے میں فطری صلاحیت
8۔ علوم و معارف کا روحانی امین ہونا
9۔ کل وقتی امامت کو کوئی عارضہ لاحق نہ ہونا

افراد خانہ کی مالی ضرورتیں بھی عام طور پر مرد ہی پوری کرتے ہیں اس لیے گھریلو نظام کی چابیاں مرد کو سونپی جاتی ہیں۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

اچھی عورتوں کی خصوصیات

قرآن مجید نے خاندان میں ذمہ داریوں کو سمجھنے کے لحاظ سے عورتوں کی جو خصوصیات نقل کی ہیں ان میں پہلی خاصیت عورت کا صالحہ ہونا ہے۔ صالحہ سمندر کی طرح گہری اصطلاح ہے جو دینی لحاظ سے حسن عقیدہ اور حسنِ عمل پر دلالت کرتی ہے۔ صالحہ خاتون ہی گھر کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس کا احساس تیز ہوتا ہے کہ گھر کو تباہ کرنے والی کون سی چیزیں ہوتی ہیں۔ اچھی عورت اس احساس سے بھی محروم نہیں ہوتی کہ مرد سے ٹکرا جانا تباہی لاتا ہے اور اس کی اطاعت میں رہنا گھریلو معاشرہ کو آراستہ کرتا ہے۔ عورتوں کو صالحہ کہنے میں یہ حکمت بھی ہوسکتی ہے کہ مرد جنگ پر بھی آمادہ رہتا ہو تو بھی عورت کو صلح پر ہی خود کو تربیت دینی چاہیے۔ مرد کو قوام کہنا اور عورت کو صالحہ کہنا بڑی حکمتیں رکھتا ہے۔ ایک میں نشوونما کا احساس آراستہ کرنے کا مفہوم اور پاسبانی کا معنیٰ اور جوڑے کے دوسرے فریق میں صلح اور صلاحیت اچھے خاندان کو عروج دینے والی حکمتیں ہیں۔ عورت کی دوسری صفت ''قانتہ'' ہونا ہے۔ اس میں عبادت گزاری کا مفہوم اور اطاعت کا معنیٰ بھی موجود ہے اور منکسر المزاج ہونا اور عاجزی کا پایا جانا بھی موجود ہے اور اچھی عورت کی تیسری صفت قرآن مجید نے لکھی کہ وہ خاوند کی عدم موجودگی میں عزت اور ناموس کے حوالے سے اور مالی معاملات میں خیانتوں سے بچنے والی ہوتی ہے۔

تصویر پلٹ دی

قرآن مجید کی اس آیت نے تصویر پلٹ دی۔ پہلے بتایا کہ اچھی خواتین کون سی ہوتی ہیں؟ اب نافرمان عورتوں کے ساتھ رویوں میں تعمیر کو سمو دیا۔ اصل سمجھانا ان عورتوں کو ہے جو اپنے فرائض سے روگردانی کرتی ہیں اور سرکشی اور عداوت پر آ اترتی ہیں یا جنسی یا مالی خیانت پر اتر آتی ہیں ''نُشُوۡزَ'' زمین کا وہ حصہ ہوتا ہے جو نا مناسب ابھرا ہوا ہو۔ آیت میں مردوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ بگڑی ہوئی عورت کو بھی حکیمانہ مراحل سے گزارو ممکن ہے اس میں تعمیر اور صلح کی نرمی پھوٹ پڑے۔ ایسی عورتوں کے لیے پہلا مرحلہ وعظ و نصیحت کا ہے۔ مشفقانہ نصیحتیں حالات بدل دیتی ہیں۔ دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ انہیں بستروں میں تنہا کر دو، لا پرواہی اور بے رخی شاید انہیں حقیقت کی طرف لوٹا دے۔ اگر اس کے باوجود سرکشی اور فرائض سے عدول انہیں سوقیت میں جا جکڑے تو عملی شدت اور مناسب سزا سے ضرور گزارو، گھر کو تباہی سے بچانے کے لیے یہ ناگواریت بھی صلح کا تعویز بن سکتا ہے تو نفسیاتی مرحلہ کی کڑوی دوا ضرور استعمال کر لی جائے لیکن اطاعت کا راستہ اختیار کرنے والیوں پر کوئی اور راہ استعمال نہ کی جائے۔ آیت کے آخر میں مردوں کو سمجھایا گیا کہ وہ خاندان کا سرپرست ہونے کی حیثیت سے غلط

فائدہ نہ اٹھائیں۔ اللہ کی قدرت بہت بلند ہے اور وہ بہت بڑا ہے، اس کی پکڑ سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

ایک حدیث ''یہ اچھے لوگ نہیں''

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا (116):

''اللہ کی بندیوں کو نہ مارو''

اس پر حضرت عمر حاضر ہوئے، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ
عورتیں مردوں پر جری ہو گئی ہیں تو حضور ﷺ نے ہلکی
مار کی اجازت دی، پھر عورتیں آپ کے پاس حاضر ہوئیں
اور خاوندوں کی مار اور شدت کی شکایت کی

اس پر آقا ﷺ نے فرمایا:

''میرے خاندان کی عورتیں حاضر ہوئیں اور خاوندوں
کی مار کی شکایت کی

آپ ﷺ نے فرمایا:

''ایسے لوگ اچھے نہیں''۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ
اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ يُّرِيۡدَاۤ اِصۡلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
عَلِيۡمًا خَبِيۡرًا ﴿۳۵﴾

وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـــًٔا ‌ؕ وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِى
الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡجَـارِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡجَـارِ الۡجُـنُبِ
وَالصَّاحِبِ بِالۡجَـنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ۙ وَمَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا ۙ ﴿۳۶﴾

(35) اور اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان علیحدگی کا اندیشہ ہو تو ایک منصف مرد والوں کی طرف سے اور ایک منصف عورت والوں کی طرف سے مقرر کرلو اگر وہ دونوں اصلاح کے طالب ہوئے تو اللہ ان دونوں میں موافقت کردے گا بے شک اللہ بہت جاننے والا عظیم آگاہی رکھنے والا ہے

(36) اور عبادت کرو اللہ کی اور کسی کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ نیک رہو اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی پڑوسیوں اور دور کے ہمسائیوں اور ساتھ رہنے والوں اور مسافروں اور جن کے تم مالک ہوئے ہو سب سے بھلائی برتو، بے شک اللہ کسی بھی مغرور متکبر کو پسند نہیں کرتا

مفردات

وَ اِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَیۡنِہِمَا فَابۡعَثُوۡا حَکَمًا مِّنۡ اَہۡلِہٖ وَ حَکَمًا مِّنۡ اَہۡلِہَا ۚ اِنۡ
یُّرِیۡدَاۤ اِصۡلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیۡنَہُمَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا خَبِیۡرًا ﴿۳۵﴾

''اور اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان علیحدگی کا اندیشہ ہو تو ایک منصف مرد والوں کی طرف سے اور ایک منصف عورت والوں کی طرف سے مقرر کر لو اگر وہ دونوں اصلاح کے طالب ہوئے تو اللہ ان دونوں میں موافقت کر دے گا، بے شک اللہ بہت جاننے والا اعظیم آگاہی رکھنے والا ہے''۔

قرآن مجید کی یہ آیت خاندانی معاشرت کو مضبوط کرنے کے لیے مصالحتی عدالت کے قیام کی تحریص دلاتی ہے۔ کہا یہ جا رہا ہے کہ اگر تم محسوس کرو کہ میاں بیوی کے درمیان تنازع جنم لے رہا ہے تو معاشرتی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ ناچاقی کی وجوہات معلوم کر کے موافقت کا راستہ تلاش کیا جائے۔ اس عظیم اور فضیلت مآب منزل کے حصول کے لیے دو رکنی مصالحتی عدالت قائم کی جائے ایک نمائندہ خاوند کے خاندان سے لیا جائے اور دوسرا عورت کے خاندان سے چنا جائے۔ اگر ''حکمین'' نیک نیتی سے کام کریں گے تو اللہ مدد فرما دے گا۔

مفسرین کی یہ رائے ایک حقیقت پر مبنی ہے کہ خاندان کا ماحول احساس اور محبت کا مرکز ہوتا ہے۔ عام جرائم کی عدالتوں میں پہنچ کر اس اساس کو مضبوط نہیں کمزور کیا جا سکتا ہے اس لیے کوشش کی جائے کہ خاندانوں کی سطح پر ہی ہمدردی کے جذبہ سے مسئلہ کا حل تلاش کر لیا جائے۔ رازوں کے کھل جانے سے تو انتقام کی آگ مزید بھڑک اٹھے گی، فیصلہ کا قرآنی راستہ کثیر اخراجات اور پریشانیوں سے بچا سکتا ہے۔ اس طرح کم وقت میں سنگین مسائل کی ظلمتوں سے نکلا جا سکتا ہے (117)۔

وَ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ لَا تُشۡرِکُوۡا بِہٖ شَیۡئًا وَّ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا وَّ بِذِی الۡقُرۡبٰی وَ
الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ الۡجَارِ ذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡجَارِ الۡجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالۡجَنۡۢبِ وَ
ابۡنِ السَّبِیۡلِ ۙ وَ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنۡ کَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا ﴿۳۶﴾

''اور عبادت کرو اللہ کی اور کسی کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ نیک رہو اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی پڑوسیوں اور دور کے ہمسائیوں اور ساتھ رہنے والوں اور مسافروں اور جن کے تم مالک ہوئے ہو سب سے بھلائی برتو، بے شک اللہ کسی بھی مغرور متکبر کو پسند نہیں کرتا''۔

اس آیۂ کریمہ میں آداب معاشرت کے دس اصول بیان کیے جا رہے ہیں:

وَ اِنۡ: اور اگر
خِفۡتُمۡ: تم خوف محسوس کرو
شِقَاقَ: علیحدگی، پھوٹ، انتشار
بَیۡنِہِمَا: ان دونوں کے درمیان
فَابۡعَثُوۡا: مقرر کرو، چن لو، تو بنا لو
حَکَمًا: با اختیار نمائندہ
مِّنۡ: سے
اَہۡلِہٖ: مرد والوں کی طرف سے
وَ حَکَمًا: مختار نمائندہ، جرگوئی
مِّنۡ: سے
اَہۡلِہَا: عورت والوں کی طرف سے
اِنۡ یُّرِیۡدَاۤ اِصۡلَاحًا: اگر دونوں اصلاح کر لیں
یُّوَفِّقِ: موافقت
اللّٰہُ: اللہ
بَیۡنَہُمَا: ان دونوں کے درمیان
اِنَّ اللّٰہَ: بے شک اللہ
کَانَ: ہے
عَلِیۡمًا: بہت زیادہ علم والا
خَبِیۡرًا: دانا و خبردار

وَ اعۡبُدُوا اللّٰہَ: اور عبادت کرو
وَ لَا: اور نہ
تُشۡرِکُوۡا: تم شرک کرو
بِہٖ: اس کے ساتھ
شَیۡئًا: ذرہ بھر
وَّ بِالۡوَالِدَیۡنِ: اور ماں باپ کے ساتھ
اِحۡسَانًا: نیکی کرو
وَّ بِذِی الۡقُرۡبٰی: اور قرابت والوں کے ساتھ

مفردات

وَالۡيَتٰمٰى: اور یتیموں
وَالۡمَسٰكِيۡنِ: اور مسکینوں
وَالۡجَارِ ذِى الۡقُرۡبٰى: اور پڑوسی قریبیوں سے
وَالۡجَارِ: اور پڑوسی
الۡجُنُبِ: اجنبی
وَالصَّاحِبِ: اور ساتھی
بِالۡجَنۡۢبِ: قرب انتہائی رکھنے والا
وَابۡنِ السَّبِيۡلِ: اور مسافر
وَمَا مَلَـكَتۡ: اور جس کے مالک ہو جائیں
اَيۡمَانُكُمۡ: تمہارے ہاتھ
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
لَا يُحِبُّ: پسند نہیں کرتا
مَنۡ: جو
كَانَ: ہو
مُخۡتَالًا: گھمنڈ کرنے والا فریبی
فَخُوۡرَا: فخر کرنے والا

پہلا نکتہ

آیت کی پہلی دعوت اللہ کی عبادت ہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے کی ممانعت ہے۔ اسلامی احکام کی جڑ یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید پر مکمل ایمان روح کو پاکیزگی دیتا ہے، ارادوں کو طاقت بخشتا ہے، نیتوں کو نکھارتا ہے اور اعمال کو خلوص کا رنگ دیتا ہے اور عزائم کو نکھارتا ہے۔ قرآن مجید کی تربیت مسلمانوں میں عبادت پیدا کرتی ہے اور انسانوں میں اصل کی پہچان کا جذبہ پیدا کرتی ہے اور یہ بھی کہ شرک پگڈنڈی کی طرح ہے مسلمان اس مشکل میں پڑنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

دوسرا نکتہ

اللہ کی عبادت کے بعد انسانی حقوق سے شناسا ہونا ہے اور اس باب میں سب سے زیادہ اہمیت ماں باپ کی ہے، ان کے ساتھ حسنِ سلوک دین بھی ہے اور انسانیت بھی ہے۔ قرآن مجید میں چار مقامات ہیں جہاں توحید کے بعد فوراً ماں باپ کے ساتھ حسن احسان کی بات کی گئی ہے(118)۔

تیسرا نکتہ

قرآن مجید کی یہ آیت ماں باپ کے بعد رشتہ داروں سے نیکی کرنے کا درجہ بیان کرتی ہے۔ اسلام میں فیضان کا ابھار دریا کے بہاؤ کی طرح ہوتا ہے۔ جہاں سے پانی گزرتا ہے پہلے کو پہلے کی طرح نوازتا ہے زندگی جہاں سے شروع ہوتی ہے اس کے بعد قریب ترین رشتہ دار ہی ہوتے ہیں۔ صلہ رحمی، قرابت شناسی اور رشتوں کا احترام اسلام کی عظمت کے روشن نشان ہیں۔ معاشرت کا دریا رشتوں ناطوں کے صحن ہی سے پھوٹتا ہے اس لیے اسلام اسے اہمیت دیتا ہے بلکہ عبادت کے بعد صلہ رحمی پر زور دیتا ہے۔

چوتھا نکتہ

آیت نے مسلمانوں کو چوتھا تربیتی سبق یہ دیا کہ وہ یتیموں کے حقوق کا خیال رکھیں۔ معاشرے میں کوئی بھی حادثہ ہو تو اصل میں چوٹ تو یتیم بچوں پر پڑتی ہے۔ وہ زندگی کے، اللہ کے بعد سہارے سے محروم ہو جاتے ہیں۔ چھوٹا ہونے کی وجہ سے توجہ مانگتے ہیں جبکہ وہ مال اپنا بھی تو خرچ کرنہیں سکتے، ہر لحاظ سے وہ محرومی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ قرآن تحریص دلاتا ہے کہ مسلم معاشرہ میں یتیم نوازی کی نسیم محبت چلتی رہنی چاہیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں(119):

''یتیموں کے ساتھ نرم سلوک روا رکھنا چاہیے ،ان کی تربیت کی طرف خصوصی توجہ دی جائے ،ان کے سر پر شفقت کے ساتھ ہاتھ پھیرنا چاہیے اوران کے اموال کی حفاظت کی فکر کرنی چاہیے''۔

پانچواں نکتہ

مساکین کے حقوق ادا کرنے کی رغبت اس آیہ کا پانچواں نکتہ ہے۔ایک صحت مند معاشرہ وہی ہوتا ہے جس میں مساکین ،لاچار اور ضرورت مند لوگوں کی نگہداشت کا مکمل اور مضبوط نظام موجود ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا(120):

''بیوہ اور مسکین کے لیے کوشاں شخص اوران کی معاونت میں منہمک رہنے والا ایسے ہی ہوتا ہے جیسے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتا رہتا ہے۔ایسا شخص رات کو بغیر سستی کے قیام کرنے والے اور بغیر ناغہ کے روزہ رکھنے والے کی طرح ہوتا رہتا ہے''۔

چھٹا نکتہ

اس کے بعد نزدیک کے پڑوسیوں کے حقوق بیان کیے گئے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک برتا جائے۔نزدیک کے پڑوسی کون ہوتے ہیں؟اس کے لیے مفسرین کے کثیر اقوال ملتے ہیں: پہلی رائے یہ کہ ایسے پڑوسی جو رشتہ دار ہوں۔دوسری رائے یہ کہ مکان اور رہائش کے وقوع کے لحاظ سے ہمسایہ اس سے مراد ہیں۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ نظریاتی قرب کے حاملین اسی زمرے میں آتے ہیں۔

ساتواں نکتہ

ساتویں قسم ان پڑوسیوں کی ہے جو اجنبی ہوں ،لفظی دلالت سے یہی سمجھ آتی ہے۔تفسیر خازن میں معزز مفسر نے لکھا ہے'' **اَلۡجَارِ الۡجُنُبِ** '' سے مراد وہ اجنبی لوگ ہیں جو رشتہ دار نہ ہوں(121)۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا (122):

''ایسا شخص ایماندار نہیں''

عرض کی گئی کون شخص یا رسول اللہ ﷺ!

فرمایا:

''ایسا شخص جس کا ہمسایہ اس سے تکلیف میں ہو''۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا (123):

''جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ پڑوسی کے ساتھ اچھا پیش آئے''۔

آٹھواں نکتہ

اس باب میں وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جو کسی بھی طرح کی رفاقت رکھتے ہیں۔

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

''جو تمہارا مصاحب ہو وہ تمہاری کروٹ کا ساتھی ہے، وہ رفیق سفر بھی ہو سکتا ہے اور تمہارا صاحب عمل بھی ہو سکتا ہے۔ علم حاصل کرتے ہوئے تمہارا ہم نشین اور مسجد میں آپ کے ساتھ کثرت سے نشست رکھنے والا ہو، ہر وہ آدمی جو آپ کی صحبت میں شریک ہو وہ استحقاق رکھتا ہے کہ تم اس پر احسان کرو۔ قرآن حکیم یہی تربیت دیتا ہے۔ رازی نے بھی لکھا کہ کروٹ کا ساتھ ہونے سے مراد زوجہ بھی ہو سکتی ہے (124)''۔

واللہ اعلم

نواں نکتہ

آیت کے اس سبق میں مہمانوں اور مسافروں کے حقوق بیان کیے جا رہے ہیں۔ وہ لوگ جو راہ گیر ہوتے ہیں وہ بھی اس حکم میں شامل ہیں۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا (125):

''جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو شخص اللہ اور
آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ پڑوسی کو ایذا نہ دے اور جو
شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ بات کرے تو
اچھی ورگرنہ چپ رہے''۔

دسواں نکتہ

آخری مرحلے میں غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ حسن سلوک کا سبق دیا گیا۔ آیت خدا کے حق سے شروع ہوتی ہے اور غلاموں کے حقوق پر ختم ہوتی ہے۔

آیت کا آخری جملہ یہ ہے کہ اللہ ''مختال'' اور ''فخور'' قسم کے لوگوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ ''مختال'' کا معنیٰ تکبر کرنے والا ہوتا ہے یعنی ایسا شخص جو اپنے آپ کو بڑا جانے اور کسی کے حقوق کا لحاظ نہ رکھے۔ زجاج نے کہا ''اختیال'' کا معنیٰ یہ ہوتا ہے قرابت دار اگر غریب ہوں تو یہ ان پر بات بات پر ناک چڑھائے اور انہیں شفقت سے محروم رکھے اور یوں ہی ہمسائے اگر کمزور ہوں تو یہ ان سے اچھا پیش نہ آئے اور ''فخر'' کا معنیٰ تطاول ہوتا ہے، گردن کو لمبا رکھنا یعنی ایسا شخص جو اپنی ہی تعریف میں لگا رہے اور اپنے کمالات سننے کے لیے دوسروں کو استعمال کرے (126)۔

مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ ''فخور'' وہ شخص ہوتا ہے جسے اللہ نے نعمتیں عطا کی ہوں لیکن وہ اللہ کا شکر ادا نہ کرتا ہو اور شر پسندیوں میں غرق رہے۔ تاج وغیرہ نے یہ بھی لکھا کہ ''مختال'' خیال سے نکلا ہے، وہ شخص جس کے اندر کوئی خیال اُسے بڑا سمجھنے پر اکسائے۔ گھوڑے کو ''خیل'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ دوڑتا ہے تو قدم خاص متکبرانہ ادا سے رکھتا ہے۔ ''مختال'' بھی وجود کو اترا کر مروڑتا سمیٹتا ہے، اس لیے اسے ''مختال'' کہہ دیتے ہیں (127)۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ
اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾ۚ
وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا
بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾
وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ
اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾

(37) وہ لوگ جو بخل کریں اور لوگوں کو بخل کا حکم دیں اور چھپائیں اسے جو اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اور ہم نے کفر کی حد تک ناشکری کرنے والوں کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے

(38) اور وہ جو اپنے مالوں کو لوگوں کے دکھلاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے، حال دیکھیے اس شخص کا جس کا ساتھی شیطان ہو جائے تو وہ کتنا بُرا ساتھی ہوتا ہے

(39) اور کوئی نقصان نہ ہوتا اگر وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لے آتے اور اللہ نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس سے خرچ کرتے اور اللہ ان کا خوب علم رکھنے والا ہے

مفردات

اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ
فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾

''وہ لوگ جو بخل کریں اور لوگوں کو بخل کا حکم دیں اور چھپائیں اسے جو اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اور ہم نے کفر کی حد تک ناشکری کرنے والوں کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے''۔

زندگی میں گندی ترین حرکت

معاشی اور معاشرتی اخلاق کی ہر جہت سورۃ النساء قاریٔ قرآن کے سامنے لا رہی ہے۔اس ضمن میں ایک پورا دستور ہے جو جنتی درختوں کی طرح روحانی میووں سے لدا ہوا ہے۔ یہ آیت تین مذموم حرکتوں کی نشاندہی کرتی ہے کہ تکبر اور فخر کی طرح یہ بھی ایسی گندی حرکتیں ہیں جو زندگی کے برتن کو گندہ کر دیتی ہیں:

1۔ بخل برتنا

2۔ بخل کا لوگوں کو حکم دینا

3۔ اور اللہ نے جو فضل سے نوازا اسے چھپانا

بخل برتنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں (128):

سخی اللہ کے قریب ہے

جنت سے قریب ہے

اور لوگوں سے بھی قریب ہے

جبکہ دوزخ سے وہ دور ہے

اور بخیل اللہ سے دور ہے

جنت سے دور ہے

اور لوگوں

سے بھی دور ہے

جبکہ آگ سے وہ

اَلَّذِيْنَ: وہ جو
يَبْخَلُوْنَ: بخل کرتے ہیں
وَ: اور
يَاْمُرُوْنَ: حکم دیتے ہیں
النَّاسَ: لوگوں کو
بِالْبُخْلِ: بخل کا
وَيَكْتُمُوْنَ: اور چھپاتے ہیں
مَآ: جو
اٰتٰىهُمُ: دیا ہے انہیں
اللّٰهُ: اللہ
مِنْ: سے
فَضْلِهٖ: فضل سے
وَاَعْتَدْنَا: اور تیار کیا ہے ہم نے
لِلْكٰفِرِيْنَ: کافروں کے لیے
عَذَابًا: عذاب
مُّهِيْنًا: ذلیل وخوار کرنے والا

قریب ہے
اور جاہل سخی اللہ کو
پسند ہے بنسبت بخیل عبادت گزار کے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (129):

''دھوکا باز، بخیل اور احسان جتلانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا''۔

ایک حدیث میں واضح کیا گیا کہ دو خصلتیں مومن میں ہرگز جمع نہیں ہوسکتیں ''بخل اور بداخلاقی'' (130)۔

بخل کا حکم دینا

بخل بذاتِ خود ایک مذموم فعل ہوتا ہے لیکن ہوا و ہوس کے غلام جب حد سے گزر جاتے ہیں وہ دوسروں میں بھی بخل سازی کی تحریک چلا دیتے ہیں۔ مال خرچ نہ کرنا، اس میں کنجوسی برتنا، اسے سر کو لیشن سے نکالنا متعدی امراض ہیں جو معاشرہ کو زنجیریں پہنا کر قیدی بنا لیتے ہیں۔ آج کا سرمایہ دارانہ معاشرہ یہی کچھ تو ہے۔

تیسری بُری خصلت

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ معاشرتی بُری خصلتوں میں کتمانِ فضل بھی ایک جرم ہے۔ اللہ نے آپ کو مال دیا ہے لیکن آپ کی زندگی میں اللہ کی اس نعمت کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا۔ علم ہے یا کوئی اور وصف ان نعمتوں کو بھی ارزاں کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

مسند امام احمد کی حدیث ہے (131):

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس ملنے کے لیے تشریف لائے تو آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور اس کے حال سے پراگندگی ظاہر ہو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''اس شخص کو کوئی چیز نہیں ملی جس سے یہ اپنے سر کے بال ہی درست کر لیتا''۔ ایک اور شخص کو آپ نے دیکھا اس کے کپڑے میلے تھے آپ نے فرمایا: ''اسے

مفردات

وَالَّذِیۡنَ: اور وہ جو
یُنۡفِقُوۡنَ: خرچ کرتے ہیں
اَمۡوَالَہُمۡ: اپنے اموال
رِئَآءَ: دکھلاوے
النَّاسِ: لوگوں کے
وَلَا: اور نہیں
یُؤۡمِنُوۡنَ: وہ ایمان لائے
بِاللّٰہِ: اللہ کے ساتھ
وَلَا: اور نہ
بِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ: پچھلے دن
وَمَنۡ: اور جس کا، جو
یَّکُنِ: ہو
الشَّیۡطٰنُ: شیطان
لَہٗ: اس کے لیے
قَرِیۡنًا: دوست
فَسَآءَ: تو بہت بُرا ہے
قَرِیۡنًا: وہ از روئے دوستی

کوئی چیز نہ ملی کہ وہ اپنے کپڑے ہی دھولیتا''۔

نعمتیں رکھنے کے باوجود ان کا اثر اپنے اوپر ظاہر نہ ہونے دینا منشائے رسالت کے خلاف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا (132):

''بے شک اللہ پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندہ پر اللہ کی نعمت ظاہر ہو''۔

وَ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ لَا بِالۡیَوۡمِ
الۡاٰخِرِ ؕ وَمَنۡ یَّکُنِ الشَّیۡطٰنُ لَہٗ قَرِیۡنًا فَسَآءَ قَرِیۡنًا ﴿۳۸﴾

''اور وہ جو اپنے مالوں کو لوگوں کے دکھلاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے، حال دیکھیے اس شخص کا جس کا ساتھی شیطان ہو جائے تو وہ کتنا بُرا ساتھی ہوتا ہے''۔

شانِ نزول

آیت کے شانِ نزول میں تین روایات نقل کی گئی ہیں (133):

- یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی اس لیے کہ وہ اپنا مال ریاکاری کرتے ہوئے خرچ کرتے، مقصود نام و نمود ہوتا۔
- دوسری روایت یہ ہے کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں اتری، وہ اپنے اموال اس لیے خرچ کرتے کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بجائے ان پر اعتماد کرنے لگ جائیں۔
- تیسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں ہے اس لیے کہ وہ لوگ اپنا مال عداوت رسول کے لیے خرچ کرتے۔

مفہوم تفسیری

آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہوا وہ اپنا مال لوگوں کو دکھانے اور شہرت کے حاصل کرنے کے لیے خرچ کرتے۔ وہ لوگ حقیقتاً تو ہمیشہ اس فکر میں رہتے کہ زیادہ سے زیادہ مفاد کس طرح وہ حاصل کریں کہ معاشرہ میں وہ اپنا مقام تسلیم کرواسکیں، پسِ پردہ وہ شیطان سے دوستی نبھاتے۔ وہ لوگ جن کا مال ان پروگرامز میں خرچ ہو جس سے شیطانی نظام کو قوت ملے وہ پُر خلوص کیسے ہو سکتے ہیں۔ ابنائے ریاکاری کے دلوں میں کبھی بھی ایمانی قدروں کا استحکام نہیں ہوتا۔ وہ مکار کفر ہی کے یار ہوتے ہیں۔

''قرین'' کی تعبیر

تفسیر خازن نے لکھا ہے(134):

''ایسا شخص جس نے کسی ایسے عمل کا ارتکاب کیا جو شیطان
نے اس کے لیے آراستہ کیا تو یہ عمل بہت بُرا عمل ہے۔ وہ
شخص جس کے اعمال دنیا میں شیطان کی مرضی کے مطابق
ہوں قیامت کے دن شیطان ان پر مسلّط ہوگا''۔

''قرین'' فعیل کے وزن پر ہے جو مفاعل کے معنیٰ میں استعمال ہو رہا ہے یعنی ''قرین'' بمعنی مقارن کے ہے جیسے جلیس مجالس کے مفہوم میں استعمال ہوجاتا ہے۔ شیطان دنیا میں ایسے جُڑ کے رہتا ہے جیسے لنگوٹیا یار ہو، وہ ہلنے نہیں دیتا۔ اچھی سوچ سوچنے کی فرصت نہیں دیتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے(135):

''انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے پس تم میں سے
ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی قائم کر رہا ہے''۔

وَمَاذَا عَلَيۡهِمۡ لَوۡ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَاَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمۡ عَلِيۡمًا ۝۳۹

''اور کوئی نقصان نہ ہوتا اگر وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لے آتے اور اللہ نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس سے خرچ کرتے اور اللہ ان کا خوب علم رکھنے والا ہے''۔

آیت میں ''ما'' استفہام انکاری کے لیے ہے یعنی کہا یہ جا رہا ہے کہ ان لوگوں کا کیا نقصان ہوجاتا اگر یہ ایمان لے آتے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آیت میں ''ذا، الذی'' کے معنوں میں استعمال ہو رہا ہے یعنی ان پر وہ کون سی چیز یا آفت ٹوٹ جاتی اگر یہ ایمان لے آتے اور مال خرچ کرتے۔

اس سے پہلے جہاں ریاکاری والے معمولات میں مال خرچ کرنے کا ذکر تھا وہاں اموال کی نسبت مال خرچ کرنے والوں کی طرف کی گئی ہے اور یہاں جب ایمان اور انفاق کا ذکر کیا گیا ہے تو نسبت اللہ کی دی ہوئی روزی کی طرف کی گئی ہے۔

دکھلاوے کے لیے مال خرچ کرنے والے چونکہ اموال کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ جسے انہوں نے اپنی مہارت یا چالوں سے کمایا ہے لیکن اللہ کی مرضی میں مال لگانے والے چونکہ سب کچھ اللہ کا سمجھتے ہیں اس لیے وہ حلال و حرام کی تمیز بھی کرتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ سمجھ

وَمَاذَا: اور کیا ہوتا
عَلَيۡهِمۡ: ان پر
لَوۡ: اگر
اٰمَنُوۡا: ایمان لائے ہوتے
بِاللّٰهِ: اللہ کے ساتھ
وَالۡيَوۡمِ: اور دن کے ساتھ
الۡاٰخِرِ: بعد میں آنے والا
وَاَنۡفَقُوۡا: اور انفاق کیا ہوتا
مِمَّا: اس میں سے
رَزَقَهُمُ: انہیں دیا
اللّٰهُ: اللہ نے
وَكَانَ: اور ہے
اللّٰهُ: اللہ
بِهِمۡ: ان کے بارے میں
عَلِيۡمًا: بہت جاننے والا

میں آتی ہے کہ اللہ کا دیا ہوا مال اس طرف فہم کو لے جاتا ہے کہ اللہ کے نام پر پاکیزہ مال دیا جاتا ہے۔ تیسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ دکھلاوا صرف مال خرچ کرنے سے ہوسکتا ہے۔ایسے لوگ روحانی مدرکات سے محروم ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ والے اللہ کی دی ہوئی تمام نعمتوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا
وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾
فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ
شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾
يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ
الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾

(40) اور اللہ چھوٹے سے ذرّے کے وزن برابر بھی کسی پر ظلم نہیں فرماتا اور نیکی ہو تو وہ اسے دونا فرماتا ہے اور خاص اپنی جناب سے بے بہا اجر عطا فرما دیتا ہے

(41) پھر کیسی ہوگی جب ہم ہر اُمت سے ایک گواہی دینے والا لائیں گے اور محبوب آپ کو ان سب پر شہادت گزارنے والا بنا کر لائیں گے

(42) اس دن کفر کرنے والے اور رسول کی نافرمانی کرنے والے تمنا کریں گے اے کاش! زمین ان پر ہموار کر دی جائے لیکن وہ کوئی بھی بات اللہ سے چھپا نہیں سکیں گے

مفردات

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ‌ ۚ وَاِنۡ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفۡهَا وَيُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡهُ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۴۰﴾

''اور اللہ چھوٹے سے ذرّے کے وزن برابر بھی کسی پر ظلم نہیں فرماتا اور نیکی ہو سہی وہ اسے دُونا فرماتا ہے اور خاص اپنی جناب سے بے بہا اجر عطا فرما دیتا ہے''۔

اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ اسماعیل حقی نے روح البیان میں لکھا وہ مزیدار ہے لیکن ان کے افادات کی خوشبو سونگھنے سے پہلے رازی کا معرکہ ملاحظہ ہو، آپ رقم فرماتے ہیں:

''ذرہ'' چھوٹی سرخ رنگ کی چیونٹی کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ اپنے ہاتھ میں مٹی لی پھر ہاتھ پر پھونک ماری جس سے خاک پراگندہ ہو کر اڑی، آپ فرمانے لگے: اس اڑنے والی غبار کا ہر حصہ ''ذرہ'' ہے۔ فضا میں معلق اجزا جو تاریک جگہوں کے اندر سورج کی روشنی میں سوراخوں اور روشن دانوں سے ظاہر ہوتے ہیں انہیں ذرات ہی کہتے ہیں (136)۔

''مِثۡقَالَ'' مفعال کے وزن پر ہے۔ یہ ثقل سے لیا گیا ہے اس کا معنیٰ وزن اور بھاری پن کا ہے۔ اس طرح ''مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ'' سے مراد ''چھوٹے سے چھوٹا محسوس ذرہ جسے تولا جا سکے'' ہے۔ آیت مذکورہ کا عمود ملاحظہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''اللہ تعالیٰ ذرے کے وزن برابر بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی طرف سے کئی گنا بڑھا کر اجر عظیم عطا فرماتا ہے''۔ اصل میں بخیلوں، کنجوسوں، تنگ ذہنی کا شکار لوگوں کو سمجھایا جا رہا ہے تمہاری سزائیں تمہارے کرتوتوں کا نتیجہ ہیں اللہ تو ذرہ برابر کسی پر ظلم نہیں کرتا، اگر عمل میں جان اور حسن ہو تو وہ اپنی طرف سے زیادہ کر کے واپس اجر عظیم کی صورت میں عطا فرماتا ہے (137)۔

''لدن، عند'' کے معنوں میں آتا ہے لیکن دونوں میں تھوڑا سا فرق بھی ہے۔ ''عند'' میں عموم ہے، جب کسی کا مال اس کے پاس موجود ہو تو وہ کہہ سکتا ہے ''عندی مال'' اور یہ بھی کہ اس کا مال اگر تھوڑا اس سے دور ہو تو بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ ''عندی مال'' اس لیے کہ اس میں عموم ہے لیکن ''لدن'' تخصیص کے لیے آتا ہے۔ یہ صرف اسی صورت میں کہا جا سکتا ہے جب مال قبضے میں ہو، پاس ہو اور نیت کے ساتھ دیا جا سکے۔ اب سوچ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم کو خاص اپنی طرف منسوب فرمایا، اپنی محبت کی طرف منسوب فرمایا، اپنی عطا کی طرف منسوب فرمایا، اپنی شان کی طرف منسوب فرمایا اور اپنی طرف سے فرمایا۔ یہ تمام نکات ''عند'' اور ''لدن'' کے فرق میں سمجھے جا سکتے ہیں (138)۔

اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
لَا: نہیں
يَظۡلِمُ: ظلم کرتا
مِثۡقَالَ: مثقال برابر
ذَرَّةٍ: ذرہ
وَاِنۡ: اور اگر
تَكُ: ہو
حَسَنَةً: نیکی
يُّضٰعِفۡهَا: دوگنا کر دیتا ہے اسے
وَيُؤۡتِ: اور دیتا ہے
مِنۡ: سے
لَّدُنۡهُ: اپنی طرف سے
اَجۡرًا: اجر
عَظِيۡمًا: عظیم

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے(139):

''اللہ تعالی کسی مومن پر ظلم نہیں فرماتا مومن کو اس کی نیکی کا ثمرہ دنیا میں عطا کرتا ہے اور آخرت میں وہ جزا اور ثواب دے گا۔ اس کے برعکس کافر بھلائی کا بدلہ دنیا میں طعام کی صورت میں کھا لیتا ہے لیکن آخرت میں اس کا کوئی بدلہ نہیں ہوتا''۔

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں(140):

''یہاں اس آیت کی تفسیر میں ایک نکتہ میرے دل میں کھٹکا ہے، اصل علم تو اللہ کے پاس ہے۔ اللہ تعالی اپنے بندے کو جس کرم اور برکت سے نوازے گا اسے لفظوں میں اتارنا مشکل ہے۔ آیت میں دو چیزیں بیان ہوئی ہیں: ایک اجر کا کئی گنا بڑھا دینا اور دوسرا اپنی طرف سے اجر عظیم عطا کرنا۔ یہ دونوں الگ الگ عطائیں ہیں۔ کئی گنا بڑھنے والا ثواب تو جنت میں دیا جائے گا اور اجر عظیم سے مراد وہ لذتیں ہیں جو ربّ تعالیٰ کی خصوصی عطا کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور یہ وہ لذتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کے جلووں میں مستغرق ہونے سے ملتی ہیں۔ وہ نور، صفائی، خوشبو اور روشنی جو اللہ نے ہر نفس میں اپنے کرم سے رکھی ہے وہ اس آیت میں اجر عظیم کا تحفہ قرار دی جا رہی ہے''۔

علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں(141):

''اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا وصف عظمت سے منسوب کیا ہے اس کی مقدار معلوم نہیں ہو سکتی اس لیے کہ دنیا اور مافیہا کی نعمتوں کو اللہ نے قلیل کہا ہے لیکن اللہ نے اپنے فضل اور مومن کے اجر کو عظیم کہا ہے۔ قرآن میں اللہ نے

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

عذاب کو بھی عظیم کہا ہے اس کا مفہوم بھی یہی ہے اس لیے
کہ اس کی مقدار کا علم بھی نہیں ہو سکتا''۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے (142):

''معرفت الٰہی کی حلاوت جنت الفردوس سے اعلیٰ ہے
اور اعلیٰ علیین سے بھی اعلیٰ ہے، اگر میرے لیے جنت
کے آٹھوں دروازے کھول دیے جائیں اور مجھے دنیا اور
آخرت کی ہر نعمت دے دی جائے تو یہ سب کچھ اس سے
پھر بھی کم ہوگا کہ مجھے بوقت سحر محبوب کے لیے اٹھنا
نصیب ہو جائے اور میرا وصل اور قرب بڑھ جائے''۔

واللہ اعلم

فَكَيۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيۡدٍ وَّجِئۡنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيۡدًا ﴿۴۱﴾

''پھر کیسی ہوگی جب ہم ہر اُمت سے ایک گواہی دینے والا لائیں گے اور محبوب آپ کو ان سب پر شہادت گزارنے والا بنا کر لائیں گے''۔

آیت کا تعبیراتی آہنگ

علامہ قرطبی لکھتے ہیں (143):

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبیلہ بنو ظفر میں جلوہ فروز ہوئے اور ایک پہاڑی چٹان پر تشریف فرما ہو گئے۔ آپ کے ساتھ اس وقت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل اور دوسرے چند صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مجھ پر قرآن پڑھو۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

یا سیدی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

میں قرآن پڑھوں؟ جبکہ قرآن آپ کے دل پر نازل ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں پسند کرتا ہوں کہ اپنے علاوہ کسی سے قرآن سنوں''۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سورۃ النسا پڑھی، جب ''**فَكَيۡفَ اِذَا جِئۡنَا**'' پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''بس اب تمہیں کافی ہے''۔

فَكَيۡفَ: پس کیسا ہوگا
اِذَا: جب
جِئۡنَا: ہم لائیں
مِنۡ: سے
كُلِّ: ہر
اُمَّةٍ: اُمت
بِشَهِيۡدٍ: گواہ
وَّجِئۡنَا: اور لائیں ہم
بِكَ: آپ کو
عَلٰى: پر
هٰٓؤُلَآءِ: ان سب
شَهِيۡدًا: گواہ

میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

علماء نے لکھا کہ آپ ﷺ کا رونا اس ہولناکی اور شدت کی وجہ سے تھا جس کا بیان اس آیت میں ہے، اس لیے کہ انبیاء کو اپنی اپنی اُمتوں پر تصدیق وتکذیب کے لیے بطور گواہ لایا جائے گا اور حضور ﷺ کو بھی بطور گواہ اٹھایا جائے گا۔

صاوی کی منظر کشی

تفسیر صاوی کی منظر کشی ملاحظہ ہو(144):

''میدان محشر میں جب لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے ہر قوم کے نبی بھی ساتھ ہوں گے اللہ تعالیٰ پہلی اُمتوں سے پوچھے گا کیا تمھیں رسولوں نے تبلیغ نہیں کی تھی؟ اُمتیں انکار کردیں گی ہمیں کوئی تبلیغ نہیں کی گئی تھی۔ رسول عرض کریں گے: اے ہمارے ربّ! ہم نے جو تو نے ہمیں دیا تھا، ان تک پہنچا دیا تھا۔ اللہ رسولوں سے پوچھے گا تمہارا کوئی گواہ ہے؟ وہ کہیں گے ہمارے گواہ حضرت محمد ﷺ اور ان کی اُمت والے ہیں''۔

سیاق کلام سے جو چیز سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ پہلے کہا گیا تھا کہ اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں فرمائے گا تو زیر تفسیر آیت میں قیام عدالت کا اہتمام بیان کیا جا رہا ہے کہ ثبوت جرم کے لیے گواہیاں بھی گزریں گی اور گواہیاں کمزور نہیں ہوں گی، انبیاؑ اور ان کے نیک دل غلام گواہیاں دیں گے، خصوصاً جب حضرت محمد ﷺ کی گواہی گزرے گی منظر کیسا ہوگا۔

واللہ اعلم

یَوۡمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ عَصَوُا الرَّسُوۡلَ لَوۡ تُسَوّٰی بِہِمُ الۡاَرۡضُ ؕ وَ لَا یَکۡتُمُوۡنَ اللّٰہَ حَدِیۡثًا ﴿۴۲﴾

''اس دن کفر کرنے والے اور رسول کی نافرمانی کرنے والے تمنا کریں گے اے کاش! زمین ان پر ہموار کردی جائے لیکن وہ کوئی بھی بات اللہ سے چھپا نہیں سکیں گے''۔

قیامت کے وہ لمحات جب گواہیاں گزر جائیں گی۔ حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی، حق کے اعتراف اور تسلیم کے بغیر کوئی اور راہ نہ ہوگی تو اہل کفر پشیماں ہوکر تمنا کریں گے کاش! وہ مٹی ہوتے اور

یَوۡمَئِذٍ: اس دن
یَّوَدُّ: دل چاہے گا
الَّذِیۡنَ: ان کا جو
کَفَرُوۡا: کافر ہوئے
وَ: اور
عَصَوُا: نافرمانی کی
الرَّسُوۡلَ: رسول کی
لَوۡ: کاش
تُسَوّٰی: برابر ہوگئی ہوتی
بِہِمُ: ان سمیت
الۡاَرۡضُ: مٹی، زمین
وَلَا: اور نہ
یَکۡتُمُوۡنَ: وہ چھپاتے
اللّٰہَ: اللہ سے
حَدِیۡثًا: کوئی بات

زمین کا پیوند بن گئے ہوتے ۔قرآن میں سورہ نبا کے اندر بھی کافروں کی یہ حالت بیان ہوئی ہے۔وہ چاہیں گے کاش!وہ پراگندہ خاک اورغبار بن چکے ہوتے۔

تفسیر عیاشی کی یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ ''تُسَوّٰی''اس طرف اشارہ کررہا ہے کہ وہ چاہیں گے کہ وہ قبروں سمیت نابود ہوکر زمین کا حصہ بن جائیں تاکہ حساب و کتاب نہ ہو(145)۔

وَلَا يَكۡتُمُوۡنَ اللّٰهَ حَدِيۡثًا

اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے دن اتنی ٹھوس اورمحکم گواہیاں ہوں گی کہ وہ کوئی چیز چھپانہیں سکیں گے۔خفیف سا معنیٰ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ تمنا کریں گے کاش !وہ دنیا میں حق اور حقیقت کو چھپاتے نہ ہوتے ۔اگرتسلیم اوراعتراف کی راہ لے لیتے تو آج ندامت اوررسوائی یوں نہ تباہ کررہی ہوتی۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا
تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ
مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ
النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ
وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ
وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾

(43) اے ایمان والو! نماز سے قریب تک نہ جاؤ جب تم نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو تم کہتے ہو اور نہ ہی جنابت کی حالت میں جب تک کہ تم غسل نہ کرلو بجز اس کے کہ راہ گزرنے والے ہو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی پائخانہ پھر کے آئے یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرلو، سو اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح (مسنون) کرو بے شک اللہ بہت ہی معاف کرنے والا بے حد بخشش فرمانے والا ہے

(44) کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھ نہیں لیا جنہیں کتاب سے ایک حصہ دیا گیا وہ گمراہی مول لے رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم سب راہِ راست سے ہٹ جاؤ

مفردات

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ
لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ
اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا
طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

’’اے ایمان والو! نماز سے قریب تک نہ جاؤ جب تم نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو تم کہتے ہو اور نہ ہی جنابت کی حالت میں جب تک کہ تم غسل نہ کرلو بجز اس کے کہ راہ گزرنے والے ہو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی پائخانہ پھر کے آئے یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرلو، سو اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح (مسنون) کرو بے شک اللہ بہت ہی معاف کرنے والا بے حد بخشش فرمانے والا ہے‘‘۔

ایمانی اور اسلامی تربیت کے چند احکام ہیں جن کا جلوہ اس آیت میں نظر آرہا ہے۔ عام انسانی ضمیروں کے اندر اسلامی ضمیر کی روشنی پیدا کرنے کے لیے ایمان والوں کو مخاطب کیا جارہا ہے۔ ہر اصلاح اسی صورت میں ممکن ہوسکتی ہے جب روحوں میں ایمانی احساس متحرک ہو۔

دوسرا سبق یہ ہے کہ تم نماز سے قریب بھی نہ پھٹکو جب کسی بھی قسم کے سکر اور نشہ نے تمہیں اپنی گرفت میں لیا ہوا ہو۔ نماز تو اسلامی تربیت کی آماجگاہ ہے اس میں بھی ہوش و عقل کی سلامتی نہ ہو اور بندہ جھول رہا ہو، جھٹکے کھا رہا ہو اور جاہلیت کا نظام اس پر عملی طور پر چھایا ہوا ہو، وہ تسبیح کیا کرے گا؟ اس کی تہلیل کی حیثیت کیا ہوگی؟ اسلام تو ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ کسی شخص کی عقل اور سوچ شراب کے سمندر میں ڈوبی ہوئی ہو۔ شرابی آدمی تو اس قابل بھی نہیں ہوتا کہ وہ بہن، بیٹی اور ماں کے ساتھ بیٹھ ہی جائے، نماز کی جلوہ گاہ میں وہ ربّ کریم کا جلیس کیسے بن سکتا ہے۔ اسلام تو ایک نظام ہے جو عقل، بصارت، سماعت اور سوچ سب کو زندگی دیتا ہے۔ کوئی ایسا منحوس نظام جس میں یہ سارے سوتے خشک ہوجائیں اس کی حوصلہ افزائی ہرگز نہیں کی جاسکتی۔

یہ بات درست ہے کہ اسلام نے جس تدریجی عمل سے جاہلیت کی گندگیاں ختم کیں اُس تہذیب کی جاندار تحریک کا یہ ایک مرحلہ تھا لیکن میرے نزدیک زور نماز کی جلوہ گاہ کی ’’حساسیت‘‘ تھی جس کے آداب سمجھائے جارہے تھے۔ انسان کے اندر اس کی فطرت سلیمہ کو درست رکھنے کا اہتمام ہو رہا تھا۔

وہ لوگ جو جاہلیت کی دبیز تہوں تلے دبے ہوئے تھے ان کے لیے زندگی کی راہیں کھولنا آسان کام

يَاَيُّهَا: اے
الَّذِيْنَ: وہ جو
اٰمَنُوْا: ایمان لائے
لَا تَقْرَبُوْا: قریب نہ ہو
الصَّلٰوةَ: نماز سے
وَاَنْتُمْ: اس حالت میں کہ تم ہو
سُكٰرٰى: سکر اور نشہ میں
حَتّٰى: یہاں تک کہ
تَعْلَمُوْا: تمہیں علم ہو
مَا تَقُوْلُوْنَ: تم کیا کہہ رہے ہو
وَلَا: اور نہ
جُنُبًا: جنابت کی حالت میں
اِلَّا: مگر
عَابِرِيْ: عبور کرنے والے
سَبِيْلٍ: راستہ
حَتّٰى: یہاں تک
تَغْتَسِلُوْا: کہ تم غسل کرلو
وَاِنْ: اور اگر
كُنْتُمْ: تم ہو
مَّرْضٰۤى: بیمار
اَوْ: یا
عَلٰى: پر
سَفَرٍ: سفر
اَوْ: یا
جَآءَ: آئے
اَحَدٌ: کوئی ایک
مِّنْكُمْ: تم میں سے
مِّنَ: سے

مفردات

اَلۡغَآئِطِ: قضائے حاجت
اَوۡ: یا
لٰمَسۡتُمُ: چھوؤتم
النِّسَآءَ: بیویاں
فَلَمۡ: پس نہ
تَجِدُوۡا: تم پاؤ
مَآءً: پانی
فَتَيَمَّمُوۡا: تو تیمم کرلو
صَعِيۡدًا: مٹی
طَيِّبًا: پاکیزہ
فَامۡسَحُوۡا: تو مسح کرلو
بِوُجُوۡهِكُمۡ: اپنے چہروں کا
وَاَيۡدِيۡكُمۡ: اور اپنے ہاتھوں کو دھولو
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
عَفُوًّا: درگزر کرنے والا
غَفُوۡرًا: معاف کردینے والا

نہ تھا۔ان کی سوچوں کا گھٹیاپن یہاں تک پہنچا ہوا تھا کہ وہ زبان کو جب تک شراب کی دھونی نہ دیں ان کی فصاحت کے چشمے بھی خشک رہتے تھے۔قرآن مجید نے صاف طور پر انہیں یہ بات سنادی کہ جنت اور دوزخ کے اپنے اپنے راستے ہیں۔ایک کا راستہ شراب اور جوئے سے ہو کر منزل کی طرف بڑھتا ہے اور دوسرے کی راہ ایمان اور شعور سے گزر کر مقصد روحانی تک رسائی پاتی ہے۔نماز کب متحمل ہو سکتی ہے کہ ایک شخص کی کھوپڑی نشے میں ڈوبی ہوئی ہو اور اس کے کانوں پر سکر لیپ کیا ہوا ور وہ گلستان رحمت سے گل چینی کرنے پاکیزہ لوگوں کی صفوں میں آکھڑا ہو۔وہ شخص کسی محفل کا سفیر نہیں ہوسکتا جب تک اسے کسی کا کہا سمجھ نہ آئے اور اپنی بات سمجھانے کے لیے زبان گرہوں سے آزاد نہ ہو،نماز اللہ کی طرف تیزی کے ساتھ جانے کا نام ہے،پاکیزہ روحوں کی سفارت ہے،اس جمالیاتی پھول کو نشے کی کیفیت میں چھوا نہیں جاسکتا۔

تیسرا تربیتی حکم یہ ہے کہ نماز کے لیے اہل ایمان جب تم نے جانا ہو تو دیکھ لو جنسیت نے تم کو لذتوں کا جھٹکا دے کر گندہ تو نہیں کیا ہوا۔دیکھو!تمہاری معراج ہونے لگی ہے جب تک غسل نہ کرلو،صاف ستھرے نہ ہوجاؤ،طبعیت شفاف نہ ہوجائے،تم نور بستی میں حاضر ہونے کے لیے غسل نہ کرلو،نماز سے قریب بھی نہ پھٹکو۔تم سیکس (Sex) کے بوچڑ خانے سے ابھی ابھی نکلے ہو،تمہیں خیالوں کی جنس بستی سے نکلنے کے بعد غفلت،کاہلی اور گندگی نے گھیرا ہوا ہے۔اٹھو!غسل کرو اور پھر نماز کی طرف آؤ۔وہاں تم نے دستور قرآن کی آیتیں پڑھنی سننی ہیں اس لیے پاکیزگی ضروری ہے۔مسئلہ یہ بھی ہے کہ جن برتنوں میں کھانا کھایا جاتا ہے ان کو گندگی سے بچایا جاتا ہے۔نماز ادا کرنے والے جائے نماز کی بے حرمتی نہیں کرسکتے،اس لیے وہ اپنے گندے قدم بھی وہاں نہیں رکھتے جہاں اللہ کے عاشقوں نے کھڑا ہو کر جلوۂ محبوب دیکھنا ہوتا ہے۔

چوتھا تربیتی سبق یہ تھا کہ پاکیزگی صرف جنابت ہی کی حالت کے ساتھ خاص نہیں،قضائے حاجت سے فارغ ہونے یا عورتوں سے جنسی تلمس کا تقاضا بھی یہی ہوتا ہے صاف ستھرا ہوتا کہ لذاتِ روحانیہ سے کماحقہ فیض یاب ہونے کی صلاحیت موجود ہو۔قاریٔ قرآن کو ایک بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ آیت نے جماع کے لیے''**لمس**''اور قضائے حاجت کے لیے''**الغائط**''لفظ استعمال کیا ہے۔یہ معانی کے لیے صریح لفظ نہیں بلکہ دقیق،گہرے اور خوبصورت کنائے ہیں اس لیے کہ''**لمس**''کا معنی تو صرف چھونا ہوتا ہے اور''**الغائط**''عربی میں نشیبی جگہ کو کہتے ہیں اور لوگ اکثر نشیبی جگہوں کا سہارا لے کر قضائے حاجت سے فارغ ہوتے ہیں۔جو قوم حماموں میں بھی ادب کا دامن ترک نہ کرے وہ قوم حق

مفردات

رکھتی ہے کہ قیادت انسانیت کرے ۔اگر تربیت اثر کر جائے تو مسلمانوں کا ہر بچہ ادیب ہوسکتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں سید قطب نے صحیح لکھا (146):

''یہ فیض قرآن حکیم کا ہے کہ اس کی چند آیات نے بُری عادات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ،نہایت نرمی ،نہایت ہمدردی کے ساتھ اور نہایت ہی تدریج کے ساتھ بغیر اس کے کہ کوئی جنگ لڑی جائے ،بغیر خون ریزی کے ،بغیر کوئی معرکہ رچانے کے ۔کیا یہ معجزہ نہیں کہ کسی کے اشارۂ ابرو سے شراب کے مٹکے اور جام وسبُو ٹوٹ گئے اور جو اثر منہ میں بچ گیا اسے بھی تھوک دیا گیا''۔

آیت میں پانی نہ ملنے کی صورت میں یا شدت بیماری کی وجہ سے تیمم کا حکم دیا گیا۔''**تیمم**'' کا لفظی معنیٰ قصد کرنا ہوتا ہے۔اشارہ اس طرف ہے کہ پاکیزگی کے لیے پاک مٹی کا ارادہ کرلو''صَعِيۡدًا'' ہر اس چیز کو کہہ دیتے ہیں جو مٹی کی جنس سے ہو۔

تیمم کا طریقہ یہ ہے۔نیت کے ساتھ ہاتھوں سے پاک مٹی کو تھپکی دے ،پھر ہاتھوں کو جھاڑ دے اور چہرے پر مل لے ،پھر ہاتھوں سے دوسری تھپکی دے ،پھر ہاتھوں کو جھاڑ دے اور ان کو دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کردے ،اس میں بھی سمجھنے کے لیے بہت کچھ ہے۔ارادہ جب روح کو چھولے تو پھر بڑے بڑے معرکے سج جاتے ہیں ۔احکام کا وفادار شخص مٹی سے بھی وہ کام لے لیتا ہے جو پانی جیسی لطیف چیز سے لیا جاتا ہے۔غبار ہاتھوں کی تھپکی سے سارے بدن کو صاف کرسکتی ہے بشرطیکہ نیت صحیح ہو، تراب کا اعجاز یہ ہے تو ابوتراب کی کرامت کیا ہوگی؟ ممکن ہے ان کے ہاتھوں کی تھپکی اور بیعت وہاں پہنچا دے جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ ثمرات روحانی لذات کے گرویدہ شخص کو ہی مل سکتے ہیں۔

آیت کی تفسیر مکہ میں مکمل ہوئی بوقت سحر 6 مارچ 2018ء

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يَشۡتَرُوۡنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَضِلُّوا السَّبِيۡلَ ﴿۴۴﴾

''کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں لیا جنہیں کتاب سے ایک حصہ دیا گیا وہ گمراہی مول لے رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم سب راہِ راست سے ہٹ جاؤ''۔

اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر لکھتے ہیں (147):

اَلَمۡ تَرَ: کیا تو نے دیکھ نہیں لیا
اِلَی: کی طرف
الَّذِيۡنَ: وہ جو
اُوۡتُوۡا: دیے گئے ہیں
نَصِيۡبًا: تھوڑا سا حصہ
مِّنَ: سے
الۡكِتٰبِ: کتاب سے، مراد تورات ہے
يَشۡتَرُوۡنَ: خریدتے ہیں
الضَّلٰلَةَ: گمراہی کو
وَيُرِيۡدُوۡنَ: اور چاہتے ہیں
اَنۡ: یہ کہ
تَضِلُّوا: تم بہک جاؤ
السَّبِيۡلَ: راہ راست

''اللہ تعالیٰ نے یہود کی مذموم خصلتیں بیان کی ہیں کہ وہ ہمیشہ ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دیتے ہیں اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوم منزلہ سے بھی روگردانی کرتے ہیں۔ مذہب میں یہ لوگ بنیا سرشت واقع ہوئے ہیں۔ ان کی دوں فطرت ملاحظہ ہو کہ ان کے پاس جو علم ہے اسے بھی پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ الٹا ہدایت یافتہ لوگوں کو گمراہ کرنا بھی ان کے مذموم منشور میں شامل ہے''۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے آیت کا شان نزول ایسا ہی لکھا ہے، آپ لکھتے ہیں (148):

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہودیوں کا ایک بڑا سردار تھا، جس کا نام رفاعہ بن زید بن تابوت تھا۔ وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کلام کرتا تو زبان کو بل دے کر کہتا تھا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذرا اپنے کان ہماری طرف کیجیے تاکہ ہم آپ کو سمجھائیں، پھر وہ اسلام پر نکتہ چینی کرتا اور اسلام کے عیب بتاتا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی''۔

''اَلَمْ تَرَ'' میں استفہام اظہار تعجب کے لیے ہے۔ مقصود یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والا رہنے سہنے میں، معاملات فہمی میں احتیاط کرے، یہود بحیثیت قوم اعتماد کے لائق لوگ نہیں۔ ''نَصِيْبًا'' پر تنوین تحقیر کی ہے۔ بدقسمت لوگوں کا حال یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنی سُوفکری سے اپنے سونے کو بھی مٹی بنا لیتے ہیں اور اپنے رویوں میں مذموم اور محقر ہو جاتے ہیں۔ مذہب میں تاجرانہ سوچ چونکہ رویوں اور کردار سب کو متاثر اور مجروح کر دیتی ہے، اس لیے آیت میں تربیت یہ ہے کہ سوچوں اور ارادوں میں خلوص عمل کی جہت، زاویہ اور حیثیت متعین کرنے والا سرمایہ ہوتا ہے، اس لیے اس سے محرومی سے حتی المقدور بچنا چاہیے۔ بڑا اور ردی مال خریدنا تو تجارت میں بھی عجیب تر ہوتا ہے اسے مذہب میں اپنا لینا خسارہ نہیں تو اور کیا ہے؟ آیت میں اصل سبق اور ''جستجو سیدھی راہ'' پر استقامت ہے اور گمراہیوں کی بجائے زندگی میں ہدایت کی ترجیحات پر قائم رہنا ہے۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙۗ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿٤٥﴾
مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ
سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى
الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا
لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٤٦﴾

(45) اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ ہی کی دوستی کافی ہے اور اللہ کا مددگار رہونا ہی بہت ہے

(46) یہودی ہو جانے والوں میں سے کچھ لوگ ''کلام'' کو اس کی اصلی جگہوں سے ہٹاتے پھراتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے مانا نہیں اور کہتے ہیں سنو سنائے نہ جاؤ اور راعنا زبانوں کو بل دے کر ادا کرتے ہیں اور دین میں طعنہ زنیاں کرتے رہتے ہیں اور اگر ان کا کہنا یہ ہوتا کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے اطاعت کی اور ہماری عرض سنیے اور نظر فرمایئے ہم پر تو ان کے حق میں بہت بہتر اور درست ہوتا لیکن انکا حال یہ ہے کہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کی ہے سو تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کر وہ ایمان نہیں لائیں گے

مفردات

وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاَعۡدَآئِكُمۡ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيۡرًا ﴿۴۵﴾

''اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ ہی کی دوستی کافی ہے اور اللہ کا مددگار رہنا ہی بہت ہے''۔

آیت میں تین اظہارات توجہ چاہتے ہیں:

1۔ اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے۔

2۔ تمہاری ولایت، روحانی پشت پناہی اور کارسازی اور دوستی کے لیے اللہ کافی ہے۔

3۔ اور نصرت کے لیے بھی اللہ کافی ہے۔

یہ بات درست ہے کہ تعبیر و تفسیر کا پس منظر تو مدینہ میں یہودیوں کے ساتھ جو مسلّمہ تحریک کی ٹھنی ہوئی تھی صراحت کے ساتھ مسلمانوں کو اللہ نے سمجھا دیا کہ وہ تمہارے دشمنوں کو خوب اور خوب جاننے والا ہے، وہ ان کے ہر دھوکے، ہر منصوبہ بندی، ہر چال اور ہر مکر کو جانتا ہے۔ اس میں تسلی ہے، تشفی ہے، ہر زخم کی مرہم ہے اور اعدائے دین کی ناکامیوں کا برملا اعلان ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ جس وقت اللہ نے اپنے اعلم اور مددگار رہنے کا اعلان کیا، ایک اپنا ولی ہونا ذکر کیا اور دوسرا اپنا مددگار رہنا ذکر کیا۔ ممکن ہے نصرت ہر اُس مدد کا اعلان ہو جو مادی علاقات سے تعلق رکھتی ہے اور ولایت ہر اس پشت پناہی کے لیے کنایہ ہو جس میں روحانی اور حسی دونوں قسم کی مددیں شامل ہوتی ہیں۔

مِنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا يُحَرِّفُوۡنَ الۡـكَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوۡلُوۡنَ سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا وَاسۡمَعۡ غَيۡرَ مُسۡمَعٍ وَّرَاعِنَا لَـيًّۢا بِاَ لۡسِنَتِهِمۡ وَطَعۡنًا فِى الدِّيۡنِ ؕ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا وَاسۡمَعۡ وَانۡظُرۡنَا لَـكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ وَاَقۡوَمَ ۙ وَلٰـكِنۡ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفۡرِهِمۡ فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۴۶﴾

''یہودی ہو جانے والوں میں سے کچھ لوگ ''کلام'' کو اس کی اصلی جگہوں سے ہٹاتے پھراتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے مانا نہیں اور کہتے ہیں سنو سنائے نہ جاؤ اور راعنا زبانوں کو بل دے کر ادا کرتے ہیں اور دین میں طعنہ زنیاں کرتے رہتے ہیں اور اگر ان کا کہنا یہ ہوتا کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے اطاعت کی اور ہماری عرض سنیے اور نظر فرمایئے ہم پر تو ان کے حق میں بہت بہتر اور درست ہوتا لیکن ان کا حال یہ ہے کہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کی ہے سو تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کر وہ ایمان نہیں لائیں گے''۔

وَاللّٰهُ: اور اللہ
اَعۡلَمُ: بہت زیادہ اور ہر کسی سے بڑھ کر جاننے والا ہے
بِاَعۡدَآئِكُمۡ: تمہارے دشمنوں کو
وَكَفٰى: اور کافی ہے
بِاللّٰهِ: اللہ
وَلِيًّا: مددگار اور مولا
وَّكَفٰى: اور کافی ہے
بِاللّٰهِ: اللہ، یہاں بائے الصاق زائد ہے
نَصِيۡرًا: نصرت اور مدد سے نوازنے والا

مِنَ: سے
الَّذِيۡنَ: ان سے جو
هَادُوۡا: یہودی ہوئے
يُحَرِّفُوۡنَ: تحریف کرتے ہیں
الۡـكَلِمَ: کلام میں
عَنۡ: سے
مَّوَاضِعِهٖ: اپنی جگہوں سے
وَيَقُوۡلُوۡنَ: اور کہتے ہیں
سَمِعۡنَا: ہم نے سن لیا
وَعَصَيۡنَا: اور نافرمانی کی ہم نے
وَاسۡمَعۡ: اور سنو
غَيۡرَ مُسۡمَعٍ: سن نہ پاؤ

مفردات

وَّرَاعِنَا: اور رعایت رکھیے ہماری
لَيًّا: مروڑ کر
بِاَلۡسِنَتِهِمۡ: زبانوں کو
وَطَعۡنًا: اور طعن کرتے ہوئے
فِى الدِّيۡنِ: دین میں
وَلَوۡ: اور اگر
اَنَّهُمۡ: بے شک وہ
قَالُوۡا: کہتے
سَمِعۡنَا: ہم نے سن لیا
وَاَطَعۡنَا: اور اطاعت کی ہم نے
وَاسۡمَعۡ: اور سنیے
وَانۡظُرۡنَا: اور ہم پر نظر فرمائیں
لَكَانَ: تو ہوتا البتہ
خَيۡرًا: بہتر
لَّهُمۡ: ان کے لیے
وَاَقۡوَمَ: اور بہت پختہ
وَلٰكِنۡ: اور لیکن
لَّعَنَهُمُ: ان پر لعنت کی
اللّٰهُ: اللہ نے
بِكُفۡرِهِمۡ: ان کے کفر کے سبب سے
فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ: تو ایمان نہیں لائیں گے
اِلَّا: مگر
قَلِيۡلًا: تھوڑے سے ہی

قرآن اور تاریخ یہود

قرآن مجید کی اس آیت میں یہودی افکار و اعمال کی ظلمتیں بیان کی جارہی ہیں۔ سب سے پہلے یہ کہا جارہا ہے کہ وہ کلام میں تحریف کے خوگر تھے۔ حقائق بدلنا، سچائیوں کے چہرے پر نقاب ڈالنا، احکام کا چہرہ مسخ کرنا، مفاہیم کے اندر توڑ پھوڑ کا مرتکب ہونا، سیدھی باتوں کو پیچیدہ بنانا اور موشگافیوں میں دجل و دھوکا سمودینا ان کا تاریخی شوق تھا۔ وہ توحید باری ایسے شفاف عقیدے بھی ایسے بیان کرتے کہ اندھا آدمی بھی سمجھ لیتا کہ گستاخی ہورہی ہے۔ مفسرین کے مطابق سابقہ کتابوں کی عبادتیں بدلتے، حسد اور بغض سے تحقیق کے نام پر تغیر اور تبدل کرتے، کبھی زبان مروڑتے، کبھی کندھے ہلاتے، کبھی جانی انجانی کرتے۔ اصل مرض ان کا یہ تھا کہ ختمی مرتبت کے اوصاف لوگوں سے چھپالیں، وہ کلام کا مدلول بدل کر بات کو اپنے بغض کا عکاس بنالیتے۔ جھانسے دینے کے لیے ''سَمِعۡنَا'' ادا کرتے جس کا مفہوم ہوتا ہم نے سن لیا تو ''اَطَعۡنَا'' کی جگہ ''عَصَيۡنَا'' کہہ دیتے۔ یہود ایک شرارتی، بے حس اور حیا اور ادب سے محروم قوم بن چکے تھے۔ وہ ہر بدتمیزی کرلیتے تھے۔ گفتگو سنتے ہوئے ''رَاعِنَا'' کو بدل کر گالی بنالیتے۔ ان کی عداوتیں اور جسارتیں یہاں تک پہنچ گئی تھیں کہ کہہ دیتے سنو کہ کبھی نہ سنو، اس طرح وہ نادان انجان اور ان پڑھ بن کر حقیقت بدل دیتے۔ کبھی مولویانہ شاطرانہ اسلوب اور کبھی ان پڑھ ہونے کی بدتمیزی اور بدوی بے حیائی۔ سچے مسلمان حضور رحمت میں پاسِ ادب سے خوبصورت خوبصورت، پیارے پیارے اور ادب میں ڈوبے ہوئے لفظ حرم محبت میں اتارتے لیکن یہود تھے کہ ہر بات اور ہر ادا کا تمسخر اڑاتے۔

ان کے لیے بہتر یہ تھا

قرآن حکیم احسن انداز میں احسن کلامی کا ایک ہدیہ نذر تربیت کرتا ہے کہ ان کے لیے بہتر تو یہ تھا کہ وہ ہٹ دھرمی کی راہ چلنے کی بجائے سیدھی محبت کی راہ چلتے اور ادب زبانوں میں سمو کر اپنے عشق کا اظہار کرتے۔ ہم نے اللہ کا کلام سن لیا، ہم نے زبان رسالت کا تحفہ روحوں میں سمولیا، ہم اطاعت کی راہ چلنے والے بن گئے، آپ ہماری عرضیاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرمائیں، ہماری رعایت فرمائیں، ہمیں مہلت دیں تاکہ ہم حقیقتوں کی روح تک پہنچ سکیں۔ ہم کس کے ہیں آپ ہی کے تو ہیں۔ یہ ادب، شوق اور مقام رسالت کا فہم ان کے لیے دنیا و آخرت میں خیر کا سرمایہ بن جاتا۔

لعنت کا راستہ بدقسمتی ہوتی ہے

لعنت کا مطلب ہوتا ہے کسی شخص کا اللہ کی رحمت سے دور ہوجانا اور مفسرین کبھی کبھی اللہ والوں سے

دور ہو جانے کے لیے بھی یہ لفظ استعمال کر دیتے ہیں۔ یہود اپنی سرکشی اور بغاوت کی وجہ سے رحمت خدا سے دور ہو گئے، ان کی گستاخیاں اور بے باکیاں یقیناً موجب لعنت تھیں۔ ابو جہل، ابولہب اور یزید ایسے فاسق کو رعایتی نمبر دینا بدقسمتی کے سوا کچھ نہیں، جھوٹے نظام کا پرچم بردار لعنتی نہیں تو اور کیا ہے؟ کعبے پر یہ منجنیق سے پتھر برسانے والا اور شراب پی کر قرآن کی آیات کا مذاق اڑانے والا رحمت کا مستحق تھوڑا ہی ہو سکتا ہے۔ لوگوں کو گندے کنویں کا راستہ نہیں بتانا چاہیے، صاف اور شفاف چشموں کی طرف رہنمائی کرنی چاہیے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ
قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ
اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ
وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ
وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾

(47) اے کتاب دیے گئے لوگو! ایمان لے آؤ اس پر جسے ہم نے تصدیق کرنے والا بنا کر نازل کیا اس کے لیے جو تمہارے پاس ہے پہلے اس کے کہ ہم چہروں کو مسخ کر ڈالیں اور اُلٹا دیں انہیں پیٹھوں کی جانب یا ہم ان پر ایسی لعنت کریں جیسی ہم نے سبت والوں پر لعنت کی تھی اور اللہ کا حکم تو پورا ہو کر ہی رہنے والا ہوتا ہے

(48) بے شک اللہ اسے تو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے گویا وہ گناہِ عظیم سمیٹ لیتا ہے

(49) کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کو جو خود ہی اپنے آپ کو پاکیزہ گردانتے رہتے ہیں حالانکہ یہ اللہ کی شان ہے جسے چاہے پاکباز بنا دے اور وہ لوگ کھجور کی گٹھلی پر لگے ہوئے ریشہ برابر بھی ظلم نہ کیے جائیں گے

مفردات

يَاَيُّهَا: اے
الَّذِيۡنَ: وہ جو
اُوۡتُوا: دیے گئے
الۡكِتٰبَ: کتاب، مراد تورات ہے
اٰمِنُوۡا: ایمان لاؤ
بِمَا: ساتھ اس کے
نَزَّلۡنَا: جو اتارا ہم نے
مُصَدِّقًا: تصدیق کرنے والا
لِّمَا: اس کی جو
مَعَكُمۡ: تمہارے پاس ہے
مِّنۡ قَبۡلِ: پہلے سے
اَنۡ: یہ کہ
نَّطۡمِسَ: بگاڑ دیں ہم
وُجُوۡهًا: چہروں کو
فَنَرُدَّهَا: اور پلٹا دیں اسے
عَلٰٓى: پر
اَدۡبَارِهَآ: پشتوں کے بل
اَوۡ: یا
نَلۡعَنَهُمۡ: ہم لعنت کریں ان پر
كَمَا: جیسے
لَعَنَّآ: لعنت کی ہم نے
اَصۡحٰبَ السَّبۡتِ: ہفتہ کے دن والوں پر
وَكَانَ: اور ہے
اَمۡرُ: امر
اللّٰهِ: اللہ
مَفۡعُوۡلًا: ہوجانے والا، لاگو ہوجانے والا

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ اٰمِنُوۡا بِمَا نَزَّلۡنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّطۡمِسَ وُجُوۡهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدۡبَارِهَاۤ اَوۡ نَلۡعَنَهُمۡ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصۡحٰبَ السَّبۡتِ ؕ وَكَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ مَفۡعُوۡلًا ﴿۴۷﴾

''اے کتاب دیے گئے لوگو! ایمان لے آؤ اس پر جسے ہم نے تصدیق کرنے والا بنا کر نازل کیا اس کے لیے جو تمہارے پاس ہے پہلے اس کے کہ ہم چہروں کو مسخ کر ڈالیں اور اُلٹا دیں انہیں پیٹھوں کی جانب یا ہم ان پر ایسی لعنت کریں جیسی ہم نے سبت والوں پر لعنت کی تھی اور اللہ کا حکم تو پورا ہو کر ہی رہنے والا ہوتا ہے''۔

شان نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

ایک مرتبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے سرکردہ علماء سے کہا ان میں عبد اللہ بن صوریا اور کعب بن اسد بھی موجود تھے:

''اے یہود!

اللہ سے ڈرو اور دین حق اسلام قبول کرلو۔ میں تمہارے پاس جو لے کر آیا واللہ حق وہی ہے''۔

یہود نے انکار کر دیا کہ ہم آپ اور آپ کے لائے ہوئے کو حق نہیں جانتے، اس پر یہ آیہ مقدسہ نازل ہوئی (149)۔

آیت میں ''طمس'' کی تشریح

''طمس''کا معنیٰ کسی شئی کے نشانات کو بالکل مٹا دینا ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے ''طمست'' ستاروں کے مٹنے کے لیے استعمال کیا ہے۔ عرب ''طمس'' اور ''طسم'' دونوں لفظ مٹنے اور مٹانے کے لیے استعمال کر دیتے ہیں۔

قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے (150):

ربنا اطمس علی اموالھم

''پروردگا! ہمارے ان کے مالوں کو برباد کر دے''۔

مفردات

علامہ بیضاوی نے ''نَّطۡمِسَ'' کا معنیٰ حقیقی بھی لیا ہے اور مجازی بھی، آپ لکھتے ہیں (151):

''چہروں کے بگاڑ دینے کا مقصد چہروں کو گدی کی طرف پھیر دینا ہے۔ جب سارے اعضاء اپنی جگہ سے پھر جائیں تو ان میں بگاڑ خود بخود آجائے گا اور ظاہر ہے یہ قیامت کے دن ہوگا''۔

علامہ بیضاوی نے یہ بھی لکھا کہ ''وجوہ'' سے مراد ان کے سرکردہ لوگ ہیں۔ اشارہ اہل کتاب کے رؤسا کی طرف ہے جو حقائق بدلتے تھے، کتمان حق کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے ''طمس'' کے عذاب سے پہلے ہی تمہارے لیے بہتر ہے کہ ایمان لے آؤ۔

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس ''طمس'' کی تشریح یوں فرماتے تھے (152):

''طمس'' سے مراد ہدایت کی منزل سے محرومی ہے یعنی تمہاری تحریفات اور بداندیشی کی وجہ سے تمہارے چہروں کو بگاڑ کر حق سے ضلالت اور گمراہی کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ مراد یہ ہے کہ جب تم لوگ ہدایت سے اعراض اور بے رخی برت کر گمراہی کی طرف گھومو گے تمہیں مختلف قسم کی رسوائیوں، تاریکیوں اور ظلمتوں میں مبتلا کر دیا جائے گا''۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدِ افۡتَرٰۤى اِثۡمًا عَظِيۡمًا ﴿۴۸﴾

''بے شک اللہ اسے تو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے گویا وہ گناہِ عظیم سمیٹ لیتا ہے''۔

اس آیۂ کریمہ کی تشریح اور تعبیر میں شرک کے دبیز، گمبھیر، ہولناک اور خوفناک جرم ہونے کی بات کی گئی ہے اور اس میں شک بھی نہیں کہ شرک ایک گندہ عمل، آلودہ فکر اور وحشت ناک بیماری ہے لیکن مجھے ان مفسرین کی بات زیادہ پسند آئی ہے جنہوں نے یہ لکھا ہے کہ یہ آیت موحدین کو اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے زیادہ اُمید دلانے والی ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کے علاوہ باقی گناہوں کی بخشش کی بات کی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ یہ آیت قرآن میں سب سے زیادہ اُمید دلانے والی ہے (153)۔

اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
لَا يَغۡفِرُ: بخشتا نہیں
اَنۡ: یہ کہ
يُّشۡرَكَ: شرک کیا جائے
بِهٖ: ساتھ اس کے
وَيَغۡفِرُ: اور بخش دیتا ہے
مَا دُوۡنَ: علاوہ جو ہو
ذٰلِكَ: اس کے
لِمَنۡ: جس کے لیے
يَّشَآءُ: وہ چاہتا ہے
وَمَنۡ: اور جو
يُّشۡرِكۡ: شرک کرتا ہے
بِاللّٰهِ: اللہ کے ساتھ
فَقَدِ: تو بے شک
افۡتَرٰۤى: اس نے گھڑ لیا، اس نے فساد بپا کیا
اِثۡمًا: گناہ
عَظِيۡمًا: عظیم

مفردات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا (154):

''قرآن مجید کی یہ آیت ان آیات میں سے ہے جو اہل ایمان کے لیے ہر اس چیز سے عزیز تر ہے جس پر سورج ضوفشاں ہوتا ہے کیونکہ گناہوں کے ارتکاب کے بعد بعض اوقات انسان مایوس ہو جاتا ہے اور گناہوں میں پھنسا رہتا ہے۔ یہ آیت شرک کے علاوہ ہر گناہ کی بخشش کی امید دلاتی ہے۔ آیت میں شرک پر پکڑ تو مشرکوں کے لیے ہونے کی بات کی گئی مومن موحد کے لیے تو عفو و درگزر کا تحفہ دیا گیا ہے''۔

ذہن اور روح میں ڈال کر محفوظ کرنے والی بات یہ ہے کہ گناہ سب بخشے جا سکتے ہیں لیکن شرک ہرگز نہیں بخشا جائے گا، اس کے لیے بھی اگر عزم شرک چھوڑ دینے کا ہو، توبہ کر لی جائے اور موحد بن کر جینے کا عزم مصمم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کرم کی آغوش میں لینے کا وعدہ دلاتا ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے وحشی کو معاف کر دینے کا وثیقہ مل گیا۔

شرک اس لیے قابل بخشش نہیں ہوتا کہ مشرک شخص اپنا ربط عملی اللہ تعالیٰ سے توڑ لیتا ہے اور لاشئی چیزوں، بتوں اور اصنام کی طرف خدائی صفات کو منسوب کر کے یا اللہ کی معبودیت میں کسی کو شریک کر کے مذموم فعل کا مرتکب ہوتا ہے۔ بندہ کی بندگی ہی اللہ کو خوش کر سکتی ہے۔ ''غیر اللہ'' سے وہ کچھ منسوب کر دینا جو اللہ ہی کی صفت ہو سکتی ہے ہرگز ہرگز نظر انداز کر دینے والی چیز نہیں ہو سکتی۔ محبوب کی محبوبیت میں کسی کو شریک نہیں کیا جا سکتا تو معبود کی معبودیت میں کیسے کسی کو شریک مانا جا سکتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾

''کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کو جو خود ہی اپنے آپ کو پاکیزہ گردانتے رہتے ہیں حالانکہ یہ اللہ کی شان ہے جسے چاہے پاکباز بنا دے اور وہ لوگ کھجور کی گٹھلی پر لگے ہوئے ریشہ برابر بھی ظلم نہ کیے جائیں گے''۔

شانِ نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں:

اَلَمْ: کیا نہیں
تَرَ: دیکھا آپ نے
اِلَى: کی طرف
الَّذِيْنَ: وہ جو
يُزَكُّوْنَ: پاکیزہ گردانتے ہیں
اَنْفُسَهُمْ: اپنے آپ کو
بَلِ: بلکہ
اللّٰهُ: اللہ
يُزَكِّيْ: صاف ستھرا کرتا ہے، تزکیہ کرتا ہے اور تعریف کرتا ہے
مَنْ: جسے
يَّشَآءُ: وہ چاہتا ہے
وَلَا: اور نہیں
يُظْلَمُوْنَ: ظلم کیے جائیں گے
فَتِيْلًا: کھجور کی گٹھلی میں باریک تاگہ

''یہود اپنے بچوں کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے
اور کہنے لگے: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ بچے گناہ گار ہو سکتے
ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں''۔ اس پر یہود بولے قسم
سے ہم بھی ان بچوں ایسے ہیں۔ ہم اگر رات کو گناہ کریں
تو اللہ دن کو مٹا دیتا ہے اور اگر دن میں ہم گناہ کریں تو اللہ
رات کو وہ گناہ ختم کر دیتا ہے۔ ان لوگوں کی اس قسم کی
خودستائی کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی''۔

ابن کثیر نے لکھا کہ یہ آیت ان یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی جو کہتے تھے ہم اللہ کے بیٹے ہیں، اس کے لاڈلے اور محب و محبوب ہیں، جنت میں صرف یہود داخل ہوں گے۔ یہ آیت اس قسم کی ڈینگیں مارنے پر یہود کے رد میں نازل ہوئی (155)۔

تزکیہ کا مفہوم

تزکیہ کا مطلب ہے پاک سمجھنا اور پاکیزگی سے کسی کو پہچاننا۔ یہ لفظ ٹھیک ہے کہ پاک کرنے، تربیت دینے اور رشد و ہدایت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اگر اس لفظ میں اعتقادی عظمت، تربیت اور عملی اصلاح ہو تو یہ محمود ہوتا ہے وگرنہ اپنے منہ میاں مٹھو بننا، خودستائی، ڈینگیں مارنا اور اپنی تعریفیں کرنا اور سننا مذموم ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ تزکیہ کا تعلق تقویٰ سے ہوتا ہے اور تقویٰ کی بنیاد پر جو تزکیہ ہو معتبر تو وہی ہوتا ہے (156)۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں (157):

''کسی ایک کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ خودستائی میں مبتلا
ہو۔ اپنی تعریفیں کرنا، اپنا تزکیہ کرنا اور شیخیاں بگھارنا اور
خود کو گناہوں سے صاف قرار دینا شریعت میں درست
نہیں۔ یقینی طور پر کسی کو کہہ دینا کہ وہ معصوم ہے ٹھیک
نہیں ہوتا ہاں البتہ کسی مومن کے بارے میں حسن ظن
رکھنا جائز ہے۔ ظن کی بنیاد پر یقینی حکم لگا دینا درست نہیں
سمجھا گیا ہے''۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

''فَتِيۡلًا'' کا مفہوم

ابن سکیت کی تحقیق ہے کہ ''فتیل'' اس دھاگے اور باریک ریشے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کی جھری میں ہوتا ہے اور ''نقیر'' اس نقطے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کی پیٹھ پر ہوتا ہے اور ''قطمیر'' گٹھلی کے اوپر باریک پردہ اور جھلی کو کہتے ہیں (158)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ انگلیوں کے باہم رگڑنے سے جو میل گرتی ہے وہ ''فتیل'' ہوتی ہے۔ بیضاوی لکھتے ہیں کہ یہ ضرب المثل ہے جو کسی چیز کی حقارت اور چھوٹا ہونے کو بیان کرتی ہے (159)۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ كَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٥٠﴾ ع

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ

وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿٥١﴾

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ

نَصِيْرًا ؕ ﴿٥٢﴾

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿٥٣﴾

(50) دیکھیے وہ لوگ کیسے اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں اور ایسا فحش گناہ ہی انہیں لے ڈوبنے کے لیے کافی ہوتا ہے

(51) کیا آپ نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جنہیں کتاب سے ایک حصہ ملا وہ شیطانی توہمات اور طاغوت پر اعتقاد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کفر کرنے والے ایمان لانے والوں سے بڑھ کر راہِ راست کی ہدایت رکھتے ہیں

(52) ایسے ہی لوگوں پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت فرماتا ہے تو ہرگز اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا

(53) کیا انہیں اقتدار میں سے تھوڑا سا بھی میسّر ہے اگر ایسے ہو جائے تو یہ لوگوں کو تل بھر بھی نہ دیں

مفردات

اُنۡظُرۡ كَيۡفَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ‌ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثۡمًا مُّبِيۡنًا ۞

''دیکھیے! وہ لوگ کیسے اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں اور ایسا فحش گناہ ہی انہیں لے ڈوبنے کے لیے کافی ہوتا ہے''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں سمجھنے والی بات یہ ہے کہ ایک شخص ہو یا ایک قوم وہ اپنے عقیدے میں مشرکانہ معمولات کی حامل ہو، سازشیں بُنتی رہتی ہو، نیکی کی عمارتیں گرانے پر تلی ہوئی ہو لیکن دعویٰ یہ کرے کہ اللہ کی وہ محبوب قوم ہے، دوزخ کی آگ اس سے قریب بھی نہیں پھٹک سکتی، اللہ سے ان کو دوستی کا درجہ حاصل ہے، اعمال میں وہ سودی دھندوں کے مبلغ ہوں، کیا یہ سب کچھ ایک تہمت اور افترا کی حیثیت نہیں رکھتا۔ رویوں کے جرائم فحش گناہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس تعامل سے ایک بزدلانہ تحریک جنم لے لیتی ہے جس میں ایک دوسرے کے روبرو قصیدے پڑھے جاتے ہیں لیکن بغیب ایک دوسرے کی جڑیں کاٹی جاتی ہیں۔ یہودیوں کی زندگی اسی ناسور کی صنعتیں لگا رہی ہے۔ پوری دنیا افتروں، جھوٹوں، فحاشی اور گناہوں کی لپیٹ میں آ رہی ہے۔

آیت میں مسلمانوں کے لیے سبق یہ ہے کہ وہ اپنی سیرت اور صورت میں اسلام اور دین کو مسخ نہ کریں۔ یہ رویہ بالکل بھی درست نہیں کہ بظاہر تو ہم اپنی برگزیدگی کی غزل کاریاں اپنائیں اور بباطن اسلام کو اپنی عملی زندگی سے بے دخل کر دیں۔

سوچنے والی بات یہ ہے کہ کہیں ہم اسلام کے نام پر جھوٹ کے افترے تو نہیں گھڑ رہے۔ ہماری محرابوں اور خانقاہوں کو خلوص کے ساتھ قرآن پڑھنا چاہیے۔ آیت مختصر ہے لیکن ماضی، حال اور مستقبل کی پوری تصویر اس آئینہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ واللہ اعلم

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَالطَّاغُوۡتِ وَيَقُوۡلُوۡنَ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا هٰٓؤُلَۤاءِ اَهۡدٰى مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا سَبِيۡلًا ۞

''کیا آپ نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جنہیں کتاب سے ایک حصہ ملا وہ شیطانی توہمات اور طاغوت پر اعتقاد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کفر کرنے والے ایمان لانے والوں سے بڑھ کر راہِ راست کی ہدایت رکھتے ہیں''۔

اسلامی تحریک کے خلاف ایک منحوس قدم

کعب بن اشرف عصر رسالت میں مدینہ کے یہودیوں کا سرکردہ رہنما تھا۔ یہ نت نئی قسم کی

اُنۡظُرۡ: دیکھیے
كَيۡفَ: کیسے
يَفۡتَرُوۡنَ: وہ افترے کرتے ہیں، بات گھڑتے ہیں
عَلَى: پر
اللّٰهِ: اللہ
الۡكَذِبَ: جھوٹ
وَ: اور
كَفٰى: کافی ہوا
بِهٖ: اس کے ساتھ
اِثۡمًا: گناہ
مُّبِيۡنًا: کھلا

اَلَمۡ تَرَ: کیا تو نے نہ دیکھا
اِلَى الَّذِيۡنَ: ان کو
اُوۡتُوۡا: جنہیں ملا ہے
نَصِيۡبًا: حصہ
مِّنَ: سے ایک حصہ یہاں ''مِّنَ'' تبعیضیہ ہے
الۡكِتٰبِ: کتاب
يُؤۡمِنُوۡنَ: مانتے ہیں، ایمان لاتے ہیں
بِالۡجِبۡتِ: جبت کے ساتھ
وَالطَّاغُوۡتِ: اور سرکش شیطان

مفردات

وَيَقُوۡلُوۡنَ: اور کہتے ہیں
لِلَّذِيۡنَ: ان سے جو
كَفَرُوۡا: کافر ہوئے
هٰٓؤُلَآءِ: یہ لوگ
اَهۡدٰى: زیادہ ہدایت والے ہیں
مِنَ الَّذِيۡنَ: ان سے جو
اٰمَنُوۡا: ایمان لائے
سَبِيۡلًا: راستہ

سازشیں تیار کرنے میں مگن رہتا۔ غزوۂ احد کے بعد یہ ستر آدمیوں کے ہمراہ مکہ آیا۔ اس کی نئی شرارت کا ہدف محمدی دعوت تھی۔ اس نے چاہا کہ اہل مکہ سے تازہ معاہدہ کرلے اور محمد ﷺ سے میثاق توڑ دے۔ کعب ابوسفیان کے گھر آیا۔ تازہ دوستی کو لذیذ بنانے اور ثمر بار کرنے کے لیے ابوسفیان نے کعب بن اشرف کی خوب آؤ بھگت کی۔ کعب کے دوسرے ساتھی دوسرے مشرکین روسا کے گھروں میں ٹھہرے۔ کتابیوں نے ہر گھر میں اسلام کے خلاف نفرت کی آگ روشن کرنے کی کوشش کی۔ ابوسفیان نے کہا کہ کعب تم سازش بھی کر سکتے ہو، اس لیے ہمیں تمہاری باتوں پر یقین اس وقت آئے گا جب تم ہمارے دو بڑے بتوں کے سامنے سجدہ کرو گے۔ کعب نے محمد دشمنی میں سجدہ بھی کر لیا۔ کعب نے بعد ازاں تجویز دی کہ تیس آدمی تمہارے اور تیس ہمارے کعبہ سے پیٹ جوڑ کر عہد کریں کہ ہم محمد ﷺ سے جنگ کرنے میں کوتاہی نہیں کریں گے۔ ابوسفیان کہنے لگا تم پڑھے لکھے ہو اور ہم ان پڑھ لوگ، یہ تو بتاؤ ہم میں سے صحیح کون ہے؟ کعب نے کہا تم اپنے دینی افکار میرے سامنے بیان کرو؟

ابوسفیان نے اپنے افکار کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا:

- ہم حاجیوں کے لیے اونٹوں کی قربانی کرتے ہیں۔
- کعبہ کی زیارت کرنے والوں کے لیے پانی کا بندوبست کرتے ہیں، مہمان نوازی ہمارا تاریخی شعار ہے۔
- قیدیوں کو آزاد کرنا اور کروانا ہم پر لازم ہوتا ہے۔
- کعبہ کی آبادگی ہمارا مذہب ہے، ہم معبود کے جوار رحمت میں رہتے ہیں۔ کعبہ کا طواف کرنا ہمارے نزدیک ضروری ہوتا ہے

لیکن

محمد ﷺ نے قطع رحمی کر دی ہے۔ ہم سے تعلق توڑ دیا ہے۔ وہ قدیمی دین سے نکل کر تازہ دین کا پرچم بردار ہو گیا۔

کعب بن اشرف نے معنی خیز انداز میں تیوری چڑھائی اور پھر مکارانہ اسلوب میں بولا قسم خدا کی تمہارا دین محمد کے دین سے بہتر ہے۔ زیر تفسیر آیت یہودیوں کی اسی سازش کو بے نقاب کرنے کے لیے اتری (160)۔

''جبت'' اور ''طاغوت'' کا معنی

وہبہ لکھتے ہیں کہ ردی چیز جس میں خیر نہ ہو 'جبت' ہے جبکہ سرکش انسان ہوں یا شیاطین

''طاغوت'' ہیں(161)۔

سعید بن جبیر اور ابوالعالیہ کا قول ہے کہ حبشی زبان میں جادوگر کو'' الۡجِبۡتِ'' اور کاہن کو ''الطَّاغُوۡتِ'' کہتے ہیں(162)۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ہے''جبت'' جادو ہے اور ''الطَّاغُوۡتِ''شیطان ہے(163)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے''الۡجِبۡتِ'' حی بن اخطب اور''الطَّاغُوۡتِ'' کعب بن اشرف ہے(164)۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ''الطَّاغُوۡتِ'' ہر وہ شے ہے جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے اور ''الۡجِبۡتِ''شیطان ہے(165)۔

''الۡجِبۡتِ'' کی اصل''الجبس'' ہےوہ جس میں خیر نہ ہو۔ یہاں''تا''سین کا بدل ہے یہ قطرب کا قول ہے(166)۔

ایک قول یہ بھی کیا گیا ہے''الۡجِبۡتِ'' سے مراد ابلیس ہے اور''الطَّاغُوۡتِ'' سے مراد اس کے اولیاء ہیں(167)۔

''الطَّاغُوۡتِ''لفظ قرآن میں آٹھ مقامات پر آیا ہے اور''الۡجِبۡتِ''اسم جامد ہے صرف اسی آیت میں استعمال ہوا ہے(168)۔

مسلمانوں کی تربیت

وہ لوگ جو آخری کتاب قرآن حکیم کو ضابطۂ تربیت تسلیم کرتے ہیں انہیں یہ آیت توہمات اور وہمیات سے باہر نکالتی ہے۔انسانی زندگی میں وہ مقام خطرناک ہوتا ہے جب یقین سے ذہن اور روح محروم ہو جائیں اور وہم،غفلت، ذہول،نسیان، لاپرواہی،فضول فکری، یاوہ پروری، خباثت نفسی اور گندی دوستی میں اڑ جائیں۔ یہ سب کمزور ہوکر جھانسہ دیں تو''جبت'' ہیں اور طاقتور ہوکر ورغلائیں تو''طاغوت''ہیں۔

سید قطب نے ٹھیک لکھا(169):

> ''طاغوت'' ہر وہ قانون ہے جو اللہ کی طرف سے نہیں
> ہے اور ہر وہ حکم ہے جس پر کوئی شرعی سند موجود نہیں اور ہر
> وہ وہم، وسوسہ، حیلہ، سازش اور کوشش''جبت'' ہے جو
> اللہ، رسول اور قرآن سے دور کرے''۔

واللہ اعلم

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

اُولٰٓئِکَ: یہی
الَّذِیۡنَ: وہ
لَعَنَہُمُ: ان پر لعنت کی
اللّٰہُ: اللہ
وَمَنۡ: اور جو یا جس
یَّلۡعَنِ: لعنت کرتا ہے
اللّٰہُ: اللہ
فَلَنۡ: تو ہرگز نہ
تَجِدَ: پائے گا تو
لَہٗ: اس کے لیے
نَصِیۡرًا: مددگار

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ ؕ وَ مَنۡ یَّلۡعَنِ اللّٰہُ فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ نَصِیۡرًا ﴿۵۲﴾

"ایسے ہی لوگوں پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت فرماتا ہے تو ہرگز اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا"۔

یہ سلسلۂ کلام بدستور انہی لوگوں کے بارے میں ہے جو خودستائی کے مارے ہوئے تھے۔ اپنے آپ کو برگزیدہ تصور کرتے تھے۔ خود کو اللہ کا بیٹا تک کہہ دیتے تھے، جبت اور طاغوت پر ایمان وتسلیم ان کی عادت بن چکی تھی اور اعمال سفلیہ ان کے دین کا حصہ ہو گیا تھا، یہ بات ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ جادوٹو نے سب شیطانی قوتوں اور ارواح خبیثہ سے سنگت کے نتیجے میں ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو ان گندی چیزوں کو مؤثر مانتے ہیں اور کام میں لانے کے لیے مشرکانہ معمولات کو اپناتے ہیں ایسے لوگوں کے لعنتی ہونے میں کیسے شک کیا جا سکتا ہے۔ کفار اور مشرکین کو مسلمانوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ماننا یہ بھی اسی لعنت کا حصہ ہے۔ وہ درخت جسے اللہ کاٹ دے اسے کوئی لاکھ پانی دے وہ ہرا نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے(170):

ہوا نے ایک آدمی کی چادر اُڑا لی تو اس نے ہوا پر لعنت کی

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"تو اس پر لعنت نہ کر اس لیے کہ یہ اللہ کی جانب سے مامور ہے"۔

غیر مستحق پر لعنت کرنے سے لعنت اسی کی طرف لوٹ جاتی ہے جس نے بے جا لعنت بھیجی ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا:

ایک عورت مردانہ جوتا پہنتی ہے۔

ام المومنین نے فرمایا:

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی عورت پر لعنت بھیجی ہے" (171)۔

اَمۡ: یا
لَہُمۡ: اس کے لیے
نَصِیۡبٌ: حصہ ہے
مِّنَ: سے
الۡمُلۡکِ: ملک سے
فَاِذًا: جب تو
لَّا: نہ
یُؤۡتُوۡنَ: دیں وہ
النَّاسَ: لوگوں کو
نَقِیۡرًا: تِل بھر

اَمۡ لَہُمۡ نَصِیۡبٌ مِّنَ الۡمُلۡکِ فَاِذًا لَّا یُؤۡتُوۡنَ النَّاسَ نَقِیۡرًا ﴿۵۳﴾

"کیا انہیں اقتدار میں سے تھوڑا سا بھی میسر ہے اگر ایسے ہو جائے تو یہ لوگوں کو تل بھر بھی نہ دیں"۔

آیت میں "اَمۡ" متصلہ ہے اور "نَصِیۡبٌ" کا معنی حصہ ہے۔ تعبیری مفہوم یہ بنتا ہے ان یہودیوں کے لیے کوئی ملک نہیں، اگر ان کا کچھ حصہ ہوتا تو یہ لوگ اپنے بخل، طبعی گھٹیا پن، کم ظرفی، کمینگی اور حسد

کی وجہ سے کسی کو کچھ بھی نہ دیتے (172) اور ''اَمۡ'' کو اگر منقطع مانا جائے تو پھر مفہوم یہ بنتا ہے کہ کیا ان کے لیے ملک میں کوئی حصہ ہے؟ اگر ہے تو پھر تو مارے گئے دنیا والے، یہ لوگ تو کھجور کی گٹھلی پر جو جھلی ہوتی ہے وہ بھی کسی کو دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے (173)۔

بعض علماء نے لکھا کہ یہ عاطفہ ہے کیونکہ یہ لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں کرتے تھے اور خود کو رسالت کا بھی مستحق جانتے تھے اس لیے کہا گیا ملک میں فیصلے ان کے سپرد کر دیے گئے ہیں یہ تو کسی کو پھوٹی کوڑی دینے کے لیے تیار نہیں۔

''نقیر'' کی تشریح

''نقیر'' پر قرطبی نے خوبصورت تحقیق کی ہے (174):

> ''نقیر'' گٹھلی کے پیٹھ پر نکتہ کو کہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے جو انسان اپنی انگلی سے کریدتا ہے۔ کبھی وہ سمجھانے کے لیے یوں بھی فرماتے۔ اپنے انگوٹھے کی ایک طرف اپنی شہادت کی انگلی کے باطن پر رکھتے پھر چٹکی بلند کر کے فرماتے یہ ''نقیر'' ہے۔ ''النقیر'' اصل میں وہ لکڑی ہوتی ہے جس کو کریدا جاتا ہے اور اس میں نبیذ بنائی جاتی ہے۔ محاورہ میں یوں بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ ''فلان ، کریم النقیر''، یعنی فلاں شخص کریم الاصل ہے، مراد تحقیقی امر ہے کہ فلاں کریم آدمی ہے (175)۔

وہ لوگ قیادت اور سیادت کے کبھی اہل نہیں ہو سکتے جو دوسروں پر بھروسہ نہ کر سکتے ہوں اور دوسرے لوگوں کی اہلیت تسلیم نہ کر سکتے ہوں اور بندہ نوازی کی خصلت ان میں موجود نہ ہو۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اٰلَ
اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا ﴿۵۴﴾
فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَ كَفٰی بِجَهَنَّمَ سَعِیْرًا ﴿۵۵﴾
اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ
جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۵۶﴾

(54) یا وہ محبت والوں سے حسد کرتے ہیں اس پر کہ اللہ نے جو اپنے فضل سے انہیں نواز رکھا ہے بے شک ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی اور ہم ہی نے انہیں ملک عظیم سے نوازا

(55) تو ان میں سے بعض تو ان پر ایمان لائے اور بعض نے ان سے روگردانی کی اور دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ ہی ایسوں کے لیے کافی ہے

(56) بے شک وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا عنقریب ہم انہیں آگ میں جا ملائیں گے جب کبھی ان کی جلدیں سڑ جائیں گی ہم انہیں دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تاکہ وہ سزا چکھیں بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے

مفردات

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾

''یا وہ محبت والوں سے حسد کرتے ہیں اس پر کہ اللہ نے جو اپنے فضل سے انہیں نواز رکھا ہے، بے شک ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی اور ہم ہی نے انہیں ملک عظیم سے نوازا''۔

یہودیوں کے غلط فیصلوں کی وجوہات بیان کرتے ہوئے یہ کہا جارہا ہے کہ وہ لوگ کفران نعمت اور ظلم وستم کی وجہ سے روبہ تنزل ہو رہے ہیں۔ وہ کہتے یہ ہیں کہ ہم ترقی کر رہے ہیں لیکن اپنی گھٹیا حرکتوں کی وجہ سے وہ زمین میں دھنستے جارہے ہیں۔

قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت میں قاریٔ قرآن کو یہ بات سمجھائی جارہی ہے کہ ان کا حسد ان کو کھا گیا ہے۔ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے تاریخی عظمتوں اور فضیلتوں سے یہ محروم ہو چکے ہیں، اب حسد ان کو مزید ذلیل کر رہا ہے۔ ایک وقت تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے خاندان میں علم وحکمت کا ہر حوالہ موجود تھا۔ ریاستی تاریخ کا آسمان ان پر فضیلتیں برساتا تھا۔ اسحاق، اسماعیل، موسیٰ، داؤد، سلیمان اور یوسف علیہم السلام انہی کی فضیلت مآب تاریخ کی ضیاء تھی لیکن جونہی آسمانی برجوں کا سفر کرتے ہوئے مہر درخشاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل کے برج فضیلت میں داخل ہوا، حاسدین اندھے، بہرے اور گونگے ہو گئے۔ اگر ''النَّاسَ'' سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آل ہاشم لیے ہیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ قرائن موجود ہیں جو اس مؤقف کی تائید کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا ایک قول موجود ہے:

نحن المحسودون

''ہم ہی ہیں جن پر دشمن حسد کا شکار ہو جاتے ہیں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول بھی اس کی تائید کرتا ہے:

''آیت میں ''النَّاسَ'' سے مراد ہم ہیں نہ کہ اور لوگ''۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

''حسد ایمان کو آہستہ آہستہ یوں کھا جاتا ہے جس طرح
آگ ڈھیرے ڈھیرے لکڑیوں کو کھا جاتی ہے''۔

حاسدین کی موجودگی میں معاشرے میں اچھے اور باصلاحیت لوگ ابھر نہیں سکتے۔ یہ وہ خوفناک

اَمْ: یا
يَحْسُدُوْنَ: وہ حسد کرتے ہیں
النَّاسَ: لوگوں سے
عَلٰى: پر
مَآ: جو، جس
اٰتٰىهُمُ: دیا ہے اس نے انہیں
اللّٰهُ: اللہ
مِنْ: سے
فَضْلِهٖ: اپنے فضل
فَقَدْ: تو بے شک
اٰتَيْنَآ: ہم نے دیا
اٰلَ: آل
اِبْرٰهِيْمَ: ابراہیم
الْكِتٰبَ: کتاب
وَالْحِكْمَةَ: اور حکمت
وَاٰتَيْنٰهُمْ: اور دیا ہم نے انہیں
مُّلْكًا: ملک
عَظِيْمًا: بڑا

مفردات

اَمۡ: یا
یَحۡسُدُوۡنَ: وہ حسد کرتے ہیں
النَّاسَ: لوگوں سے
عَلٰی: پر
مَآ: جو، جس
اٰتٰىهُمُ: دیا ہے اس نے انہیں
اللّٰهُ: اللہ
مِنۡ: سے
فَضۡلِهٖ: اپنے فضل
فَقَدۡ: تو بے شک
اٰتَيۡنَآ: ہم نے دیا
اٰلَ: آل
اِبۡرٰهِيۡمَ: ابراہیم
الۡكِتٰبَ: کتاب
وَالۡحِكۡمَةَ: اور حکمت
وَاٰتَيۡنٰهُمۡ: اور دیا ہم نے انہیں
مُّلۡكًا: ملک
عَظِيۡمًا: بڑا

اَمۡ يَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ۚ فَقَدۡ اٰتَيۡنَاۤ اٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَاٰتَيۡنٰهُمۡ مُّلۡكًا عَظِيۡمًا ۝۵۴

''یا وہ محبت والوں سے حسد کرتے ہیں اس پر کہ اللہ نے جو اپنے فضل سے انہیں نواز رکھا ہے، بے شک ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی اور ہم ہی نے انہیں ملک عظیم سے نوازا''۔

یہودیوں کے غلط فیصلوں کی وجوہات بیان کرتے ہوئے یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ لوگ کفران نعمت اور ظلم وستم کی وجہ سے روبہ تنزل ہو رہے ہیں۔ وہ کہتے یہ ہیں کہ ہم ترقی کر رہے ہیں لیکن اپنی گھٹیا حرکتوں کی وجہ سے وہ زمین میں دھنستے جا رہے ہیں۔

قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت میں قاریٔ قرآن کو یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ ان کا حسد ان کو کھا گیا ہے۔ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے تاریخی عظمتوں اور فضیلتوں سے یہ محروم ہو چکے ہیں، اب حسد ان کو مزید ذلیل کر رہا ہے۔ ایک وقت تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے خاندان میں علم وحکمت کا ہر حوالہ موجود تھا۔ ریاستی تاریخ کا آسمان ان پر فضیلتیں برساتا تھا۔ اسحاق، اسماعیل، موسیٰ، داؤد، سلیمان اور یوسف علیہم السلام انہی کی فضیلت مآب تاریخ کی ضیاء تھی لیکن جونہی آسمانی برجوں کا سفر کرتے ہوئے مہر درخشاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل کے برجِ فضیلت میں داخل ہوا، حاسدین اندھے، بہرے اور گونگے ہو گئے۔ اگر ''النَّاسَ'' سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آل ہاشم لیے ہیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ قرائن موجود ہیں جو اس مؤقف کی تائید کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا ایک قول موجود ہے:

نحن المحسودون

''ہم ہی ہیں جن پر دشمن حسد کا شکار ہو جاتے ہیں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول بھی اس کی تائید کرتا ہے:

''آیت میں ''النَّاسَ'' سے مراد ہم ہیں نہ کہ اور لوگ''۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

''حسد ایمان کو آہستہ آہستہ یوں کھا جاتا ہے جس طرح
آگ دھیرے دھیرے لکڑیوں کو کھا جاتی ہے''۔

حاسدین کی موجودگی میں معاشرے میں اچھے اور باصلاحیت لوگ ابھر نہیں سکتے۔ یہ وہ خوفناک

علامہ رازی لکھتے ہیں کہ آیات سے انکار کے طریقے عجیب عجیب تھے، کبھی تو وہ سرے سے انکار ہی کر دیتے اور کبھی وہ بے توجہی برتتے اور اپنی چالاکیوں سے شکوک وشبہات پیدا کرتے اور حسد اور عناد کے ساتھ ڈھٹائی برتتے اور تسلیم کی بجائے انکار کا راستہ اختیار کر لیتے (181)۔

عمود آیت یہ کہ ہم کافروں کو آگ میں جلائیں گے اور جس وقت ان کے بدن کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم انہیں نئی کھالوں کا پہناوا دے دیں گے تاکہ انہیں اچھی طرح سزا چکھائیں۔

آیت میں اللہ کی دو صفتیں ایک عزیز ہونا اور دوسرا حکیم ہونا ہے۔عزیز قادر ہونے کے معنوں میں کہ اللہ کی گرفت سے کوئی خارج نہیں اور حکیم ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اتنی بڑی سزا دینا کوئی شخص خدا کی رحمت کے منافی نہ سمجھے، کبھی کبھی حکیموں کی حکمت کا تقاضا یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ عذاب دیں (182)۔

❁❁❁❁❁

مفردات

جُلُوۡدُهُمۡ: ان کی جلدیں
بَدَّلۡنٰهُمۡ: ہم تبدیل کر دیں گے انہیں
جُلُوۡدًا: جلدوں
غَيۡرَهَا: دوسری اس کے علاوہ
لِيَذُوۡقُوا: تاکہ وہ چکھائے
الۡعَذَابَ: سزا
اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
كَانَ: ہے
عَزِيۡزًا: غالب، زبردست
حَكِيۡمًا: حکمت والا

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدۡخِلُہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ
تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ لَہُمۡ فِیۡہَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَہَّرَۃٌ ۫ وَّ
نُدۡخِلُہُمۡ ظِلًّا ظَلِیۡلًا ﴿۵۷﴾

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا ۙ وَ اِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ
النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمۡ بِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ
کَانَ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ﴿۵۸﴾

(57) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے عنقریب ہم انہیں باغات میں داخل کریں گے، جن کے نیچے سے نہریں رواں دواں ہوں گی وہ ہمیشہ انہی میں رہنے والے ہوں گے ان کے لیے اس میں پاکیزہ جوڑے ہوں گے اور ہم انہیں گھنے سایوں میں داخل کریں گے

(58) بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے سپرد کرو اور جب تم لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو، بے شک اللہ کی تمہارے نام قیام عدل کی نصیحت کتنی ہی بھلی ہے بے شک اللہ خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے

مفردات

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّ نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِیْلًا ﴿۵۷﴾

''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے عنقریب ہم انہیں باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے نہریں رواں دواں ہوں گی وہ ہمیشہ انہی میں رہنے والے ہوں گے، ان کے لیے اس میں پاکیزہ جوڑے ہوں گے اور ہم انہیں گھنے سایوں میں داخل کریں گے''۔

وَالَّذِیْنَ: وہ جو
اٰمَنُوْا: ایمان لائے
وَعَمِلُوا: اور عمل کیے
الصّٰلِحٰتِ: نیک اور اچھے
سَنُدْخِلُهُمْ: عنقریب ہم انہیں داخل کریں گے
جَنّٰتٍ: جنت الفردوس
تَجْرِیْ: رواں ہیں
مِنْ تَحْتِهَا: ان کے نیچے سے
الْاَنْهٰرُ: نہریں
خٰلِدِیْنَ: ہمیشہ رہنے والے
فِیْهَاۤ: اس میں
اَبَدًا: ابدی طور پر
لَهُمْ: ان کے لیے
فِیْهَاۤ: اس میں
اَزْوَاجٌ: بیویاں ہوں گی
مُّطَهَّرَةٌ: پاکیزہ
وَّنُدْخِلُهُمْ: اور داخل کریں گے ہم انہیں
ظِلًّا: سایوں میں
ظَلِیْلًا: جو بہت گھنے ہوں گے

آیت کی تشریح

آیت کی تعبیرات جاننے کے لیے ہم نکتہ در نکتہ آگے بڑھتے ہیں:

- پہلا نکتہ یہ ہے کہ ایمان والوں اور نیک اعمال بجالانے والوں کے لیے اللہ نے اپنی زبان رحمت سے اخروی جزائیں بیان کیں۔ اس میں اس گروہ کی عزت اور تکریم کا اظہار ہے۔
- دوسرا نکتہ یہ ہے کہ آیت میں ''اٰمَنُوْا'' معطوف علیہ ہے اور ''عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'' معطوف ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغائرت ہوتی ہے اس لیے ایمان ایک الگ نعمت ہے اور عمل صالح ایک علیحدہ چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کرم کرتا ہے تو ایمان کو روح اور دل میں اتارتا ہے اور مزید جب رحمت سے نوازتا ہے تو عملی زندگی بھی بھرپور کر دیتا ہے۔
- تیسرا نکتہ یہ ہے کہ آیت میں اللہ کی بے پایاں رحمتوں اور وسعتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب کافروں کو سزا کا ذکر ہوا تھا تو لفظ ''سَوْفَ'' استعمال ہوا تھا اور مومنوں کا جنت میں داخل ہونا مذکور ہوا تو ''نُدْخِلُهُمْ'' پر ''سین'' داخل کی، ضابطہ یہ ہے ''سَوْفَ'' استقبال بعید کے لیے ہوتا ہے اور ''سین'' مستقبل قریب کے لیے ہوتا ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف مقصود تھا مومن خوش ہوں ان کی نعمتیں ان سے دور نہیں، بہت کم وقت رہ گیا ہے کہ یہ نعمتیں انہیں مل جائیں گی۔ کافروں کی سزا میں ''سَوْفَ'' کے لانے میں بھی رحمت ہے کہ سزائیں تھوڑی دور ہیں، ممکن ہے ان کو توبہ کی توفیق ہو جائے۔
- چوتھا نکتہ یہ ہے کہ نعمت باغات کی صورت میں ملے گی جس میں نہریں رواں دواں ہوں گی۔ باغ نہیں باغات ملیں گے۔ اس میں پھلوں اور پھولوں کے تنوع کی طرف اشارہ

ہے۔ایک ہی چیز اچھی بھی تو بندہ کھا کھا کر تھک جاتا ہے۔ باغات کہہ کر تنوع میں راحت اور ذہنی شگفتگی کا اہتمام ہے جو تکمیل نعمت کے محل میں ہے۔

- پانچواں نکتہ نہروں کی روانی ہے۔ عام طور پر نہر کھود کر بنائی جاتی ہے اور جب وہاں نہریں ہوں گی تو یہ پانی کی کثرت کی طرف اشارہ اور نہروں میں ترتیب و موزونیت نظر افروزی کی دلیل ہے۔ ممکن ہے جمع کا صیغہ ٹھنڈے، گرم اور سادے اور میٹھے پانیوں کی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے۔
- چھٹا نکتہ جنتیوں کی سکونت دائمی ہے۔ عارضی کچھ وقت کے لیے جنتی اس خوبصورت ماحول سے فیض یاب نہیں ہوں گے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ فیض انہیں ملتا رہے گا۔
- ساتواں نکتہ خلود اور ابد ہونے کی نعمت ہے۔ ممکن ہے اس میں اشارہ اس طرف ہو کہ نعمتوں سے مالا مال ہونے کے لیے جنتی ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور درختوں کا میووں سے لدا ہونا موسمی نہیں ہوگا ابدتا ابد رحمتیں اور برکتیں اپنی بہاروں کے ساتھ موجزن ہوں گی۔
- آٹھواں نکتہ یہ ہے کہ تنہا باغات میں گھومنا مزاج میں ثقل پیدا کرتا ہے۔ آیت نے اگلی نعمت یہ بیان کی کہ پاکیزہ جوڑوں کی سنگتیں وہاں دستیاب ہوں گی۔
- نواں نکتہ سنگتوں میں پاکیزگی ہے۔ ایسا نہیں ہوگا کوئی کسی کی سنگت کو وہاں چھوئے، جسے جو نعمت ملے گی وہ اسی کے لیے ہوگی۔
- دسواں نکتہ سایوں کا وجود اور گھنے سایوں کی نعمت ہے۔

و اللہ اعلم

علامہ اسماعیل حقی روح البیان میں رقم طراز ہوتے ہیں (183):

پانچ امور ہیں جو انسان کو اہلیت سے نوازتے ہیں اور پھر انسان ان نعمتوں سے محروم نہیں ہوتا:

(ا) اپنے آپ کو تمام گناہوں سے روکنا۔

(ب) دنیا کے تھوڑے مال پر راضی ہونا۔ جنت کی قیمت ترک لذات ہے۔

(ج) نیک کاموں پر حریص ہونا۔

(د) صالحین اور نیک لوگوں سے محبت کی کوشش میں رہنا کہ ان کی صحبت مل جائے۔

(ح) دعاؤں میں کثرت، اللہ سے جنت کی نعمتوں کا سوال اور دوزخ سے بچنے کی تمنا اور ''خاتمہ بالخیر'' کی آرزو کا زبان کی تری سے مرطوب رکھنا۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

اِنَّ: بے شک
اللّٰہَ: اللہ
یَاۡمُرُکُمۡ: تمہیں حکم دیتا ہے
اَنۡ: یہ کہ
تُؤَدُّوا: تم ادا کرو
الۡاَمٰنٰتِ: امانتیں
اِلٰۤی: کو، کی طرف
اَہۡلِہَا: جو ان کے اہل ہوں
وَ اِذَا: اور جب
حَکَمۡتُمۡ: تم فیصلہ کرو
بَیۡنَ: درمیان
النَّاسِ: لوگوں کے
اَنۡ: تو
تَحۡکُمُوۡا: تم فیصلہ کرو
بِالۡعَدۡلِ: عدل کے ساتھ
اِنَّ: بے شک
اللّٰہَ: اللہ
نِعِمَّا: کتنی ہی اچھی
یَعِظُکُمۡ: تمہیں نصیحت کرتا ہے
بِہٖ: ساتھ اس کے
اِنَّ: بے شک
اللّٰہَ: اللہ
کَانَ: ہے
سَمِیۡعًۢا: سننے والا
بَصِیۡرًا: دیکھنے والا

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا ۙ وَ اِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمۡ بِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ﴿۵۸﴾

’’بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے سپرد کرو اور جب تم لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو، بے شک اللہ کی تمہارے نام قیام عدل کی نصیحت کتنی ہی بھلی ہے، بے شک اللہ خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے‘‘۔

شان نزول اور بغوی کی روایت

علامہ بغوی لکھتے ہیں کہ یہ آیت عثمان بن ابی طلحہ کے بارے میں نازل ہوئی جو قبیلہ عبدالدار سے تعلق رکھتے تھے (184) اور کعبہ کا چابی بردار ہونے کا اعزاز رکھتے تھے۔ فتح مکہ مکمل ہوئی تو عثمان بن ابی طلحہ نے کعبہ کا دروازہ بند کرلیا اور خود چھت پر چڑھ گئے۔ حضور ﷺ کی چابی طلبی پر انکار ہوا یہ کہتے ہوئے کہ مجھے معلوم ہوتا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں تو میں کبھی انکار نہ کرتا۔ یہ سنتے ہی علی رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر جہاں عثمان کھڑے تھے اس کا ہاتھ پکڑا اور مروڑ کر چابی چھین لی اور دروازہ خود کھول لیا اور کعبہ کے اندر دو رکعت نماز ادا کی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: علی چابی عثمان کو واپس کردو اور معذرت چاہ لو اس لیے کہ قرآن حکیم کی اترنے والی آیت نے فیصلہ کردیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چابی عثمان کو دے دی۔ عثمان کہنے لگے: پہلے تو جبر اور طاقت سے چابی چھینی اور اب نرمی اور رافت سے واپس کررہے ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: قرآن نے تمہارے حق میں فیصلہ دے دیا ہے۔ اس روایت پر خازن نے گرفت کی ہے لیکن اس پر تعجب نہ ہونا چاہیے، جہاں نام علی رضی اللہ عنہ آجائے وہاں محبت کرنے والوں نے محبت کرنی ہی ہوتی ہے، مقدر اپنا اپنا ہے (185)۔

شان نزول اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ نے مکہ فتح فرمایا تو عثمان بن ابی طلحہ سے کعبہ کی چابی طلب کی تو وہ چابی آپ کو دینے لگے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ چابی اور حاجیوں کو پانی پلانے کا منصب مجھے عطا فرما دیں۔

اس پر عثمان بن ابی طلحہ نے اپنا ہاتھ روک لیا اس خوف سے کہ حضور ﷺ کہیں چابی عباس کو نہ دے دیں۔

حضور ﷺ نے مکرر فرمایا:

’’اگر تمہارا ایمان اللہ پر اور آخرت پر ہے تو چابی میرے

حوالے کردو۔ عثمان نے چابی دے دی لیکن عرض کی کہ
یہ میں آپ کو بطور امانت دے رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے چابی لے لی اور دروازہ کھولا اور جبرائیل علیہ السلام یہ آیت
لے آئے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن ابی طلحہ کو بلایا
اور چابی ان کے حوالے کر دی'' (186)۔

مجمع البیان اور جامع البیان کے مؤلفین نے بھی تقدم اور تاخر سے یہ روایات نقل کی ہیں۔ قاضی ثناءاللہ پانی پتی نے بھی احسن پیرائے میں روایات کا حوالہ دیا ہے (187)۔

آیت کا مرکزی مضمون

آیت اصولی طور پر چار چیزیں ہیں جن پر زور دیتی ہے:

1۔ امانتیں اہل کے سپرد کرو۔
2۔ لوگوں کے درمیان فیصلے عدل اور انصاف کے ساتھ کرو۔
3۔ سب سے اچھی نصیحت اللہ ہی کی ہے۔
4۔ بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے۔

آیت میں بے کراں وسعتیں

اسلامی معاشرے کی بنیاد ایمان اور امانت پر ہے۔ مسلمانوں کو صاف طور پر یہ تربیت دی گئی ہے کہ امانت کے بغیر ایمان کا وجود متزلزل رہتا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اسلام کی تاریخ شروع ہی ''امانت کبریٰ'' کے اٹھانے سے ہوتی ہے۔ امانت کا تعلق زندگی کے ہر شعبے سے ہے۔ ایک مومن نے اپنی حیات کے ہر گوشے میں ایمان اور امانت کی خوشبو پہنچانی ہوتی ہے۔ اصل میں تو امانت ایک مسلمان کی اپنی دینی صداقتوں پر عملی شہادت ہے۔ وہ کسی صورت میں اس جوہر حیات سے دستکش نہیں ہوسکتا۔ آیت میں امانت ایک وسیع معنیٰ رکھتا ہے۔ ہر قسم کی مادی اور روحانی چیزیں امانت کی محکم اساس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتیں۔ رہا یہ مسئلہ کہ امانتوں کا شرعی اور روحانی معیار کیا ہے؟ معاشرہ میں ان خوبصورت حقیقتوں کا نفوذ ممکن کیسے ہے؟ یہ باتیں ہمیں عقل کی بجائے صاحب قرآن کی سیرت واسوۂ سے سیکھنی چاہییں۔

امانت اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے (188):

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

''جب امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کرو''، سائل نے عرض کی یا رسول اللہ! امانت ضائع کیسے ہوگی، فرمایا: ''جب کوئی منصب کسی نااہل کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر قیامت کا انتظار کرو''۔

رحمت عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے(189):

''جو تمہارے پاس امانت رکھے اس کی امانت ادا کرو اور جو تم سے خیانت کرے اس کے ساتھ خیانت نہ کرو''۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا(190):

''مجالس کی گفتگو امانت ہوتی ہے ماسوا اس کے کہ کسی کا ناجائز خون بہانا ہو یا کسی کی آبرو ریزی کرنی ہو یا کسی کا مال ناحق طریقے سے ہڑپ کرنا ہو''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا(191):

''اس اُمت میں سے جو چیزیں سب سے پہلے اٹھائی جائیں گی وہ حیا اور امانت ہیں''۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا نفیس قول ہے(192):

''کسی شخص کی نماز اور روزے سے دھوکہ نہ کھاؤ، جو چاہے نماز پڑھے اور جو چاہے روزہ رکھے، جو امانت دار نہیں وہ دیندار نہیں''۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا(193):

''ہماری جد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو مرتبہ حضور ﷺ کے ہاں پایا وہ اپنے صدق اور امانتوں کی ادائیگی ہی سے پایا''۔

تفسیر ابی السعود کا ایک نکتہ

ربِّ تعالیٰ نے یہ آیت ''اِنَّ'' سے شروع کی جو تاکید پر دلالت کرنے والا اسلوب ہے، پھر آیت میں اسم گرامی ''اللہَ'' ظاہر فرمایا، پھر جملہ خبریہ کو امر کے محل میں رکھا۔ یہ سب چیزیں امانت کی عظمت و فضیلت کی طرف اشارہ کرنے والی ہیں۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

لوگوں کے درمیان عدل

قرآن حکیم نے دوسرا اہم حکم عدل کا دیا ہے۔

واصف علی واصف لکھتے ہیں (194):

''حق والے کو اس کا صحیح حق مل جانا ہی عدل ہے۔ مجرم اپنے کیے کی سزا پالے تو عدل قائم ہو جاتا ہے۔ کسی ترازو تولنے والے کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا دونوں پلڑے کس طرح ہم وزن کیے جاتے ہیں اسی ہم وزنی کو عدل کہتے ہیں۔ کم تولنا، کم وزن کرنا اور ملاوٹ کرنا ظلم ہے۔ جہاں ظلم آجائے وہاں خود بخود عدل ختم ہو جاتا ہے۔ عدل کا میدان بڑا وسیع ہے۔ یہ انسان کی تنہائی سے شروع ہو کر میدان حشر تک پھیلا ہوا ہے''۔

سید قطب لکھتے ہیں (195):

''اللہ نے فرمایا: لوگوں کے درمیان عدل کرو یہ حکم صرف اہل اسلام کے لیے نہیں بلکہ سب لوگوں کے لیے ہے۔ انصاف ہر انسان کا حق ہے۔ عدل کی صفت کو ''النَّاسِ'' کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ دوست ہوں یا دشمن، کالے ہوں یا گورے سب ''النَّاسِ'' ہیں اور عدل کو سب میں پھیرنا ہی عدل ہے۔

ایک خوبصورت جملہ

اللہ تمہیں نہایت اچھی نصیحت کرتا ہے۔ جملے میں غور کریں اسم باری ''اللهِ'' کو ''اِنَّ'' کا اسم بنا دیا گیا ہے اور ''نِعِمَّا'' جو اصل میں ''نعم ما'' ہے اپنے متعلقات کے ساتھ خبر کی جگہ رکھا گیا ہے اور اصل خبر کو محذوف کر دیا گیا ہے۔ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی ذات اور وعظ و نصیحت میں ایک خوبصورت تعلق ہے۔ اصل میں تو یہ ایک امر ہے اور حکم ہے جسے وعظ کے جامہ میں مغلوف کر دیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ انسان کے لیے اخذ کرنا اور قبول کر کے عمل میں لانا آسان ہو جائے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کی صفات سمیع اور بصیر لائی گئی ہیں تاکہ کوئی امانتوں میں خیانت کرنے والا اور

عدل کے ترازوؤں میں ڈنڈی مارنے والا یہ نہ سمجھ لے کہ اسے کوئی دیکھتا سنتا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات آیت میں لائی گئیں کہ اللہ تعالیٰ سنتا دیکھتا ہے۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ
مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ ع
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ
مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ
يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ
الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾

(59) اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنوں میں سے ان کی بھی جو امر والے ہیں پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارا باہمی تنازعہ ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، نتیجہ کے اعتبار سے یہی بہتر اور بھلا ہے

(60) کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جو دعویٰ تو یہی رکھتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس پر جو آپ پر نازل ہوا اور آپ سے پہلے اتارا گیا، چاہتے ہیں کہ شیطان سے وہ اپنے فیصلے لیں حالانکہ وہ طاغوت سے انکار کرنے پر مامور ہوئے ہیں اور شیطان یہ چاہتا ہے کہ انہیں دور کا جا بھٹکائے

(61) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس کی طرف جو اللہ نے نازل فرمایا اور رسولِ معظم کی جانب تو آپ منافقین کو دیکھیں گے کہ وہ آپ سے کتراتے ہوئے منہ موڑ لیں گے

مفردات

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنوں میں سے ان کی بھی جو امر والے ہیں، پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارا باہمی تنازعہ ہوجائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، نتیجہ کے اعتبار سے یہی بہتر اور بھلا ہے''۔

یہ آیت دینی، معاشرتی اور اجتماعی مسائل میں مسلمانوں کے لیے رہبری اور رہنمائی کے مراجع متعین کرتی ہے۔ اطاعت کا پہلا مرجع ربّ العٰلمین ہے۔ ہر قسم کی معبودیت اور رہنمائی اسی کی صفت ہے اس لیے مطلق اطاعت بھی اسی کی طرف لوٹتی ہے جہاں ہستی کا مالک اور حاکم وہی ہے اس لیے بندوں پر لازم ہے کہ اپنی اطاعتوں اور وفاؤں کو اسی کی طرف لوٹائیں۔

دوسرے مرحلے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو لازم ٹھہرایا گیا۔ یہ بلند مرتبہ آپ کو اللہ نے عطا فرمایا بلکہ ان کی اطاعت میں اپنی اطاعت کو مضمر ٹھہرایا ہے۔ اس کے بعد تمام امر والے مرجع اطاعت ہیں۔ یقیناً اس سے مراد وہ ائمہ ہیں جن پر ائمہ ہدایت ہونا صادق آتا ہے۔ ''اُولِی الۡاَمۡرِ'' کا جہاں ذکر ہوا مراد متعین کردی کہ وہ تم میں سے ہوں، ان پر مسلمان ہونا اور مومن ہونا صادق آتا ہو۔ وہ قانون سازی کا مرجع اللہ کو سمجھتے ہوں اور ہر تنازع میں ہر معاملہ اللہ ہی کی طرف لوٹاتے ہوں۔

صحیحین کی حدیث ہے:

''اطاعت تو صرف معروف میں ہے''۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (196):

''سمع اور اطاعت ہر مسلم شخص پر لازم ہے۔ ایسے امور میں بھی جو وہ پسند کرے اور ایسے امور میں بھی جنہیں وہ ناپسند کرے''۔

ابن کثیر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے (197):

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور اس کا سردار ایک انصاری کو بنایا، لشکر جب دور نکل گیا تو امیر مذکور کو کسی

يَا أَيُّهَا: اے
الَّذِينَ: وہ جو
آمَنُوا: ایمان لائے ہو
أَطِيعُوا: اطاعت کرو
اللَّهَ: اللہ کی
وَأَطِيعُوا: اور اطاعت کرو
الرَّسُولَ: رسولِ معظم کی
وَ: اور
أُولِي الْأَمْرِ: امر والوں کی
مِنكُمْ: تم میں سے ہوں
فَإِن: پس اگر
تَنَازَعْتُمْ: تمہارا آپس میں تنازع ہوجائے
فِي: بیچ
شَيْءٍ: کسی چیز
فَرُدُّوهُ: تو اسے لوٹا دو
إِلَى اللَّهِ: اللہ کی طرف
وَالرَّسُولِ: اور رسول کی جانب
إِن: اگر
كُنتُمْ: تم ہو
تُؤْمِنُونَ: ایمان رکھتے
بِاللَّهِ: اللہ پر
وَالْيَوْمِ: اور دن
الْآخِرِ: آخرت پر
ذَٰلِكَ: یہ
خَيْرٌ: بہتر ہے
وَأَحْسَنُ: اور زیادہ اچھا ہے
تَأْوِيلًا: نتیجہ کے اعتبار سے

مفردات

اَلَمۡ تَرَ: کیا آپ نے دیکھا نہیں
اِلَی: کی طرف
الَّذِیۡنَ: وہ جو
یَزۡعُمُوۡنَ: خیال کرتے ہیں ،دعویٰ بے جا کرتے ہیں
اَنَّھُمۡ: بے شک وہ
اٰمَنُوۡا: ایمان لائے
بِمَاۤ: ساتھ اس کے
اُنۡزِلَ: جو اتارا گیا
اِلَیۡکَ: آپ کی طرف
وَمَاۤ: اور جو
اُنۡزِلَ: اتارا گیا
مِنۡ: سے
قَبۡلِکَ: آپ سے پہلے
یُرِیۡدُوۡنَ: ارادہ کرتے ہیں
اَنۡ: یہ کہ
یَّتَحَاکَمُوۡۤا: فیصلہ کروائیں
اِلَی: کی طرف
الطَّاغُوۡتِ: شیطان
وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا: حالانکہ انہیں حکم ملا ہے
اَنۡ: یہ کہ
یَّکۡفُرُوۡا: انکار کر دیں
بِہٖ: اس کے ساتھ
وَیُرِیۡدُ: اور چاہتا ہے
الشَّیۡطٰنُ: شیطان
اَنۡ یُّضِلَّھُمۡ: کہ گمراہ کر دے انہیں
ضَلٰلًۢا: گمراہ کرنا
بَعِیۡدًا: دور کا

بات پر غصہ آ گیا اور وہ کہنے لگا: حضور ﷺ نے تم لوگوں پر میری اطاعت لازم کی ہے، سب نے جب اقرار کیا تو اس نے لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دیا اور پھر آگ لگا دی اور کہا کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس میں چھلانگ لگا دو۔ اس پر ایک نوجوان بولا: لوگو! تم سب آگ سے بھاگ کر ہی ایمان لائے ہو، اب حضور ﷺ سے پوچھ کر عمل کرو۔ اسی اثنا میں امیر کا غصہ دور ہو گیا، پھر جب لوگ حضور ﷺ کے پاس واپس آ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگ اگر آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر کبھی بھی آگ سے نہ نکلتے۔ فرماں برداری تو صرف امرِ معروف میں ہے''۔

آیت کے آخر میں کہا گیا ہے کہ یہی طریقہ اچھا اور بہتر ہے اور انجام اور نتیجہ کے اعتبار سے بھی احسن یہی ہے۔ اس کا خیر ہونا دنیا اور آخرت دونوں کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ یہ عمل محض ثواب ہی نہیں، اس کا نتیجہ دنیا میں بھی اچھا ہے اور آخرت میں بھی اچھا ہے۔ ایک فرد کے لیے بھی اچھا ہے، ایک جماعت کے لیے بھی اچھا ہے، ایک سوسائٹی کے لیے بھی بہتر ہے، زندگی کے ہر گوشے کو اس دستور کی روشنی سے منور کیا جا سکتا ہے۔ یہی وہ عظیم دستور ہے جو جہالتوں، رقابتوں اور عصبیتوں سے پاک ہے۔ اس میں قبائلی وحشت بھی نہیں اور شہری رعونت بھی نہیں۔ یہ احسن ہے، یہ خیر ہے اس لیے کہ یہ حکیم و صانع اور سمیع و بصیر ذات کا دیا ہوا نظام ہے۔ انسانیت کو اسی کی طرف تمام معاملات پھیرنے چاہییں۔

واللہ اعلم

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یَزۡعُمُوۡنَ اَنَّھُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاکَمُوۡۤا اِلَی الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِہٖ ؕ وَیُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّضِلَّھُمۡ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ﴿۶۰﴾

''کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جو دعویٰ تو یہی رکھتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس پر جو آپ پر نازل ہوا اور آپ سے پہلے اتارا گیا چاہتے ہیں کہ شیطان سے وہ اپنے فیصلے لیں حالانکہ وہ طاغوت سے انکار کرنے پر مامور ہوئے ہیں اور شیطان یہ چاہتا ہے کہ انہیں دور کا جا بھٹکائے''۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

تاریخ مدینہ کا ایک عجیب واقعہ

عصر رسالت کے اندر ہی مدینۃ النبی میں ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ ایک منافق شخص اور ایک یہودی کے درمیان جھگڑا ہوگیا۔ یہودی نے کہا: جب شہر میں ابوالقاسم ﷺ آپ اور ہمارے درمیان موجود ہیں تو فیصلہ بھی ہم انہیں سے لے لیتے ہیں۔ منافق کہنے لگا: نہیں فیصلہ کعب بن اشرف کرے گا۔ منافق یہ جانتا تھا کہ محمد ﷺ کو اثر اور رسوخ میں نہیں لایا جاسکتا جبکہ کعب بن اشرف رشوت خور شخص ہے، اس سے عدلیہ کا منہ کالا کیا جاسکتا ہے۔ یہودی مُصر ہوا فیصلہ حضرت محمد ﷺ ہی کریں گے۔ جب دونوں محمد ﷺ کے پاس گئے تو آپ ﷺ نے فیصلہ یہودی کے حق میں دے دیا۔ منافق اٹھ کر نکل گیا اور جاتے جاتے کہنے لگا: میں اس فیصلہ پر راضی نہیں۔ چلو! یہ فیصلہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کرواتے ہیں۔ انہوں نے بھی فیصلہ یہودی کے حق میں دے دیا لیکن منافق اس پر بھی راضی نہ ہوا۔ منافق نے فیصلہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے جانے کا عندیہ دیا۔ جب معاملہ وہاں پہنچا تو یہودی نے صاف صاف بتادیا کہ محمد ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ تو فیصلہ میرے حق میں دے چکے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: دونوں رک جاؤ میں گھر سے ہوکر آتا ہوں، آپ گھر گئے اور اپنی تلوار لے کر باہر تشریف لائے اور منافق کو سیفی ضرب سے ٹھنڈا کردیا۔ اس فیصلہ پر عمر رضی اللہ عنہ کو فاروق کا لقب ملا اور آیت اسی موقع پر نازل ہوئی (198)۔

قرآن کہتا کیا ہے؟

اس عجیب قوم کے عجیب لوگوں پر غور کریں جن کا زعم یہ ہے کہ وہ مومن ہیں لیکن آن واحدہ میں وہ اپنے دعویٰ کو خود ہی باطل کردیتے ہیں۔ وہ بظاہر قانونی قسم کے لوگ ہوتے ہیں، وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا ایمان وتسلیم آسمانی نازل شدہ ہدایت کے گرداگرد گھومتا ہے لیکن ان کی طبیعتیں کسی اور نظام کے ساتھ پھنسی ہوتی ہیں۔ ایسے لوگ یہودی بھی نام کے ہوتے ہیں اور مسلمان بھی برائے نام ہوتے ہیں۔ ان کی ارادتیں شیطان کے ساتھ محکم ہوتی ہیں اور شیطان نے ان کے باطن میں طاغوت کی محبت بھری ہوتی ہے۔ ہر وہ طاقت طاغوت ہے، ہر وہ سوچ طاغوت ہے اور ہر وہ ارادہ طاغوت ہے جو اللہ کی بندگی کے خلاف ابھرے اور اللہ کے رسول کے مقابلہ میں کسی اور کو اپنی منزل بنالے۔ طاغوت کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی حاکمیت کا عقیدہ توڑتا ہے۔ یہ تشریع کا حق اپنے لیے ثابت کرتا ہے۔ رسول والوں کا معیار مستقل ہوتا ہے جبکہ شیطان والوں کا معیار مستقل نہیں ہوتا۔ قرآن مجید طاغوت سے انکار کا باقاعدہ حکم دیتا ہے اور اپنے اس نظریہ کو دعوت اور تحریک بنادیتا ہے۔ جہالتیں، مزعومات باطلہ، مفروضات خبیثہ اور نہضات خسیسہ قرآن سب کا نچ محلوں کو چکنا چور کر کے کہتا ہے یہ بات بھی آبی بلبلہ

مفردات

وَ: اور
اِذَا: جب
قِيْلَ: کہا جاتا ہے
لَهُمْ: ان سے
تَعَالَوْا: آجاؤ
اِلٰى: اس کی طرف
مَآ: جو
اَنْزَلَ: اتارا ہے
اللّٰهُ: اللہ نے
وَ اِلَى: اور (آؤ) کی طرف
الرَّسُوْلِ: رسول
رَاَيْتَ: دیکھیں گے آپ
الْمُنٰفِقِيْنَ: منافقوں کو
يَصُدُّوْنَ: وہ روکتے ہیں
عَنْكَ: آپ سے
صُدُوْدًا: کثیر رکاوٹوں کے ساتھ

ہے کہ ہم یہ بھی مانیں گے اور وہ بھی مانیں گے۔ شیطان اس قسم کی گمراہیاں سکھاتا رہتا ہے۔ قرآن مجید مسلمانوں کو صاف بتادیتا ہے کہ ایسے لوگوں کی پشت پر شیطان ہوتا ہے جو ان کو بہکاتا رہتا ہے۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿٦١﴾

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس کی طرف جو اللہ نے نازل فرمایا اور رسولِ معظم کی جانب تو آپ منافقین کو دیکھیں گے کہ وہ آپ سے کتراتے ہوئے منہ موڑ لیں گے''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں منافقین کی ظلمت بھری حرکتوں کو منکشف کیا جارہا ہے۔ یہ چالباز قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ کسی بھی اچھی دعوت کی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔ ان کے نفوس میں گھٹیا پن اور کمینگی ایسی رچی بسی ہوتی ہے کہ یہ لطیف آواز کی طرف دھیان نہیں دیتے۔ یہ لطیف دعوت قبول نہیں کرتے، یہ باعزت قیادتوں کو تسلیم کرنے والے نہیں ہوتے، یہ حسن اور خوبی سے الرجی محسوس کرتے ہیں، یہ گندکی مکھیاں ہوتی ہیں، یہ صاف ستھرے لہجے رکھنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ قرآن مجید کی اس آیت میں ''تَعَالَوْا'' کا ابھار یہ تمام معانی منکشف کرتا ہے۔

قرآن مجید نصاب دعوت میں دو ہی چیزوں کی نشاندہی کرتا ہے:

(ا) ایک وہ ہے جو اللہ نے اتارا، مراد قرآن حکیم ہے۔

(ب) دوسرا وجود رسالت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دونوں کی طرف آنے کی دعوت کا ذکر کر کے معیار نصاب خود متعین کر دیا ہے۔

منافقین کا جو کالا کردار بے نقاب کیا جارہا ہے وہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی فرار بازیاں وقتی اور ہنگامی نہیں ہوتیں بلکہ یہ مستقل طور پر تحریک محبت وایمان کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتے رہتے ہیں۔

آیت کی تشریح میں ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں (199):

> ''رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ ''میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ ''رَاَيْتَ'' کا معنیٰ ''دیکھنا'' ہو یعنی اے محبوب! آپ ان کا اعراض اور بے رخی ظاہر باہر محسوس کریں گے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ''رَاَيْتَ'' کا معنیٰ ''جاننا'' ہے، مراد یہ ہے کہ یہ منافقین تو اپنی چالبازیاں چھپاتے ہیں لیکن محبوب آپ ان کی ہر گندی حرکت کو جانتے ہیں''۔

اے قاریٔ قرآن!

جب تم پر کھل جائے کہ تمہیں بلانے والا منافق شخص ہے جس کی دوستیاں اور رفاقتیں اعدائے دین کے ساتھ ہیں اور اس کی پشت پر شیطان بیٹھا ہوا ہے۔ طاغوت پرستی ان کی خصلت ہے اور یہ لوگ اللہ کے دین کو ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو پھر ''لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ'' کی راہ اپنا، منافقین کی یاریاں، منافقین کی گلکاریاں، منافقین کی چالبازیاں اور ان کی رفاقتیں لق دق صحراؤں کے پیٹ پر جھاؤ جھاڑ ہیں۔ ان پر نہ اعتماد کیا جاسکتا ہے اور ان پر نہ اعتبار بڑھایا جاسکتا ہے، خار مغیلاں سے دودھ نہیں چوسا جاسکتا۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

فَكَيْفَ إِذَآ أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَآءُوكَ
يَحْلِفُونَ ۖ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّآ إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿٦٢﴾
أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ ۚ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ
وَقُل لَّهُمْ فِيٓ أَنفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾
وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوٓا
أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا
اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿٦٤﴾

(62) جانیے حال کہ انہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے ان کے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے پھر آپ کے پاس قسمیں کھاتے آتے ہیں کہ ہم تو محض بھلائی اور باہمی مصالحت چاہتے ہیں

(63) یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے سو ان سے چشم پوشی فرمایئے اور انہیں نصیحت فرماتے رہیے اور ان سے وہ بات ضرور کیجیے جس کا اثر روحوں میں جا کھبتا ہو

(64) اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اسی لیے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ کبھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو (حبیب) وہ آپ کے پاس حاضری دیں اس کے بعد اللہ سے معافی چاہیں اور رسول بھی ان کے لیے طلبِ مغفرت کریں تو ضرور وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا بے حد مہربان پائیں گے

مفردات

فَکَیۡفَ اِذَاۤ اَصَابَتۡھُمۡ مُّصِیۡبَۃٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡھِمۡ ثُمَّ جَآءُوۡکَ یَحۡلِفُوۡنَ ٭
بِاللّٰہِ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡسَانًا وَّ تَوۡفِیۡقًا ﴿۶۲﴾

''جانیے حال کہ انہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے ان کے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے پھر آپ کے پاس قسمیں کھاتے آتے ہیں کہ ہم تو محض بھلائی اور باہمی مصالحت چاہتے ہیں''۔

منافقین پر مصیبت پڑنے کا مفہوم کیا ہے؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ لوگ اس وقت مصیبت میں پڑ جاتے ہیں جب لوگوں میں یہ ننگے ہوجاتے ہیں، ان کے راز کھل جاتے ہیں اور ان کی سازشیں اور دورخے پن بے نقاب ہوجاتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ کا ہر شخص ان سے نفرت کرنے لگ جاتا ہے۔ یہ لوگ گندے کیڑوں سے بھی زیادہ حقیر اور ذلیل ہوجاتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے کچھ اور ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں۔

آلوسی وغیرہ نے لکھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب منافق کو قتل کردیا تو یہ تھی وہ مصیبت جس کی طرف آیت نے اشارہ کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے پہلے ہی آگاہ کردیا تھا کہ ان منافقوں کو جب مصیبتیں ہر جانب سے گھیر لیں گی تو یہ آپ کی پناہ لینے کے لیے آپ کی طرف دوڑیں گے، اپنا ایمان ظاہر کریں گے اور قسمیں اٹھائیں گے کہ ہمارا مقصود تو محض نیکی اور بھلائی تھا (200)۔

سید قطب لکھتے ہیں (201):

> ''انتہائی شرمناک صورتحال ہوتی ہے جب وہ لوٹتے ہیں اور سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ انہوں نے بہت ہی برا راستہ اختیار کیا۔ ان کی حالت شرمندگی سے ایسی ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامنا نہیں کر سکتے لیکن حلف اٹھا اٹھا کر اپنے ارادوں کو چھپاتے ہیں کہ وہ اصل میں طاغوت کے پاس نہیں جانا چاہتے تھے مگر علاقائی رواج کے مطابق صلح کی صرف کوشش کرتے تھے۔ یہ بھی ان کی ایمان کے منافی بات تھی کہ شریعت جھگڑے ڈالتی ہے، یہ ایک مصیبت ہے، اصل میں تو اسلام امن ہی امن ہے اور صلح اور اطمینان کا اس سے بڑھ کر کوئی اچھا راستہ نہیں''۔

فَکَیۡفَ: تو کیسے ہوگا، یعنی ان کا حال کیسے ہوگا
اِذَاۤ: جب
اَصَابَتۡھُمۡ: پہنچے گی انہیں
مُّصِیۡبَۃٌۢ: مصیبت
بِمَا: بسبب اس کے جو
قَدَّمَتۡ: آگے بھیجا
اَیۡدِیۡھِمۡ: ان کے ہاتھوں نے
ثُمَّ: پھر
جَآءُوۡکَ: حاضر ہوں آپ کے حضور
یَحۡلِفُوۡنَ: قسمیں کھاتے ہیں
بِاللّٰہِ: اللہ کے نام کی
اِنۡ: نہیں
اَرَدۡنَاۤ: ہمارا ارادہ ہوتا ہے
اِلَّاۤ: مگر
اِحۡسَانًا: بھلائی کا
وَّ تَوۡفِیۡقًا: اور موافقت کا

مفردات

اُولٰٓئِكَ: یہی ہیں
الَّذِيۡنَ: وہ جو
يَعۡلَمُ: جانتا ہے
اللّٰهُ: اللہ
مَا: جو
فِىۡ: بیچ، میں
قُلُوۡبِهِمۡ: ان کے دلوں میں
فَاَعۡرِضۡ: تو رخ پھیر لیں، چشم پوشی فرمائیں
عَنۡهُمۡ: ان سے
وَعِظۡهُمۡ: اور انہیں نصیحت فرمائیں
وَقُلۡ: اور فرماتے رہیے
لَّهُمۡ: انہیں
فِىۡۤ: میں
اَنۡفُسِهِمۡ: ان کے نفسوں میں
قَوۡلًاۢ: قول
بَلِيۡغًا: بکمل، مؤثر اور روح تک پہنچنے والا

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُ اللّٰهُ مَا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَعِظۡهُمۡ وَقُلۡ لَّهُمۡ فِىۡۤ
اَنۡفُسِهِمۡ قَوۡلًاۢ بَلِيۡغًا ﴿۶۳﴾

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے سو ان سے چشم پوشی فرمایئے اور انہیں نصیحت فرماتے رہیے اور ان سے وہ بات ضرور کیجیے جس کا اثر روحوں میں جا کھبتا ہو"۔

ان لوگوں کی حقیقی تصویر

قرآن مجید منافقین کی اصلی حالت سے پردہ سرکا دیتا ہے اور اس بات کو کھول دیتا ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جو اپنی نیتوں اور اندرونی خیالات کو چھپانا چاہتے ہیں اور جھوٹے دلائل اور بودی معذرتیں گھڑتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے واقف ہے، ان کے ضمیروں کی کالک اس کے سامنے ہے۔ محبوب آپ کا اسوہ یہی رنگ ظاہر کرے کہ آپ چشم پوشی فرمائیں، بہت ساری سازشوں کا جواب چشم پوشی ہے۔ آپ کی نرمی تربیت میں اپنوں اور بے گانوں سب کو فائدے دے گی۔

آگے قرآن حکیم قول بلیغ کی بات کرتا ہے کہ آپ اپنے قول بلیغ سے روحوں میں اتر جاؤ۔ محبوب منافقین صرف احسان اور موافقت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن یہ دوجو ہر بھی زبان رسالت ہی فیض بن کر نواز سکتی ہے۔

خورشید آیت کی تین شعاعیں

قرآن مجید کی یہ آیت غور سے پڑھیں تو خورشید آیت سے نور کی تین شعاعیں پھوٹتی ہوئی محسوس ہو رہی ہیں:

- پہلی شعاع تو یہ ہے کہ اللہ نے اپنے محبوب کو اعراض برتنے کا حکم دیا۔ اعراض کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ آپ ان کی معذرت کبھی قبول نہیں فرمائیں۔ ان کی طرف توجہ نہ دیں اور ناراضگی قائم رکھیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ محبوب آپ ان کے دلوں سے بے شک آگاہ ہیں لیکن ان پر ظاہر نہ ہونے دیں کہ آپ ان کے باطنوں کو جاننے والے ہیں، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو چشم پوشی سے تعبیر فرمایا۔
- آیت کی دوسری روشن کرن یہ ہے کہ آپ تعلیم و تربیت کا کام جاری رکھیں۔ آپ کا وعظ ضرور تاثیر کی خوشبو عام کرے گا۔ نصیحت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ انہیں منافقت اور مکر و فریب اور حسد اور جھوٹ کے مضرات سے ڈرائیں۔
- آیت کی تیسری روشن شعاع نفوس میں قول بلیغ کا القا ہے۔ علامہ آلوسی نے اس کے دو مطلب لکھے ہیں (202):

مفردات

ایک یہ کہ آپ ان سے علیحدگی میں بات کریں اس لیے
کہ نصیحت کا یہ اسلوب زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔
دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ محبوب آپ ان سے ان کے معاملے
میں گفتگو کرو اشارہ مؤثر مذاکرات کی طرف ہے۔

قول بلیغ کیا ہے؟

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے لکھا کہ قولِ بلیغ سے مراد اللہ کے عذاب سے ڈرانا ہے (203)۔
زمخشری نے لکھا کہ ایسا قول جو ان کے دلوں تک پہنچ جائے (204)۔
بیضاوی کا عندیہ اثر آفریں ہدایت جو تنہائی میں کی جائے قول بلیغ ہے (205)۔
رازی کہتے ہیں قول بلیغ یہ ہے کہ:

کلام طویل ہو، الفاظ حسین ہوں، معانی پُر مغز ہوں اور بات قرآن و حدیث اور واقعات سے مرصع ہو۔ ترغیب بھی ہو اور ترہیب بھی ہو اور دعوت روحوں میں جا کر بیٹھ جائے (206)۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا ﴿۶۴﴾

''اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اسی لیے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ کبھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو (حبیب) وہ آپ کے پاس حاضری دیں اس کے بعد اللہ سے معافی چاہیں اور رسول بھی ان کے لیے طلبِ مغفرت کریں تو ضرور وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا بے حد مہربان پائیں گے''۔

تفسیر صاوی کی خوبصورت سوچ

صاحب جلالین نے ''بِاِذۡنِ اللّٰهِ'' کا معنیٰ ''بامرہ'' سے کیا یعنی رسولوں کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے، اصل میں یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ ''اذن'' کا لفظ عام طور پر ارادہ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اللہ کا ارادہ ضرور واقع ہوتا ہے حالانکہ رسولوں کی اطاعت سب نے نہیں کی بلکہ بعض نے کی تو ''بِاِذۡنِ اللّٰهِ'' کا معنیٰ ''بامرہ'' سے کرنا کس طرح صحیح ہوگا۔ اس سے اشارہ اس طرف مقصود ہے کہ

وَمَا: اور نہیں
اَرۡسَلۡنَا: بھیجا ہم نے
مِنۡ: سے
رَّسُوۡلٍ: رسول
اِلَّا: مگر
لِیُطَاعَ: اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے
بِاِذۡنِ: حکم کے ساتھ
اللّٰهِ: اللہ
وَلَوۡ: اور اگر جب
اَنَّهُمۡ: وہ، تاکیدی بات ہے
اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا: ظلم کریں
اَنۡفُسَهُمۡ: اپنی جانوں پر
جَآءُوۡكَ: آپ کے حضور حاضر ہوں
فَاسۡتَغۡفَرُوا: پھر وہ معافی چاہیں
اللّٰهَ: اللہ سے
وَاسۡتَغۡفَرَ: اور بخشش چاہیں
لَهُمُ: ان کے لیے
الرَّسُوۡلُ: رسول معظم بھی
لَوَجَدُوا: تو ضرور پائیں گے
اللّٰهَ: اللہ کو
تَوَّابًا: توبہ قبول کرنے والا
رَّحِیۡمًا: مہربان

اللہ نے گویا بندوں کو امتحان میں ڈال دیا کہ رسول تو اطاعت کے لیے ہیں دیکھو تم میں سے کون یہ منزل پاتا ہے(207)۔

تفسیر خازن نے اس کی مزید وضاحت کی ہے(208):

''آیۂ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ ہر رسول کی اطاعت فرض کر دی ہے اس لیے اے محمد ﷺ آپ بھی رسول ہیں اس لیے آپ کے لیے بھی ان لوگوں پر اطاعت فرض ہے۔ آیت میں اصل میں منافقین کو ڈانٹا جا رہا ہے تم نے ترک اطاعت کیوں کیا ہے؟۔

وہ مفسرین جنہوں نے ''اذن'' کا معنیٰ ارادہ سے کیا ہے وہ بھی اطاعت رسالت کو خدانخواستہ فروعی تصور نہیں کرتے، ان کے نزدیک اللہ کا ارادہ تو رسولوں کے بارے میں ہوا ہے کہ ان کی اطاعت واجب ہے۔ اس ارادہ کا تعلق منکرین کے ساتھ نہیں بنتا، ہاں مفسر صاوی کی بات قابل احترام اور محکم ہے۔

آیت کی تعبیر میں سید قطب کی رائے گراں قدر ہے، آپ فرماتے ہیں(209):

''یہ ایک وزن دار حقیقت ہے۔ رسول محض واعظ نہیں ہوتا کہ وہ تقریر کرے اور رخصت ہو جائے اور اس کی بات میں کوئی عملی منطق نہ ہو اور اس کی پشت پر کوئی قوت نافذہ نہ ہو، بعض لوگ رسول کی حیثیت یہی سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کی کوشش ہوتی ہے دین کا مزاج بدل دیں اور تشریحات میں ایسے دھوکے دفن کر دیں جن سے مزاج رسالت کی سمجھ نہ آئے۔ رسالت کے تقاضے ہمیشہ یہی ہوتے ہیں کہ اطاعت کا محکم اور مضبوط نظام قائم کیا جائے۔ رسالت صرف وجدانی تاثرات لینے کے لیے نہیں ہوتی بلکہ مربوط اور مبسوط اور مضبوط اطاعت کا نظام قائم کرنے کے لیے ہوتی ہے''۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

بارگاہ رسالت میں حاضری

یہ بات ٹھیک ہے کوئی جس وقت بھی توبہ کرے اللہ بخشنے والا ہے، کوئی کسی وقت بھی مراجعت اپنائے اللہ رحیم کریم ہے، جو اس کی بارگاہ میں پہنچ کر معافی مانگتے ہیں وہ رحمت پاتے ہیں لیکن بارگاہ رسالت میں حاضری کیا مقام رکھتی ہے؟ نفوس پر ظلم ڈھانے کے بعد ''حضور رحمت'' شفاعت کا سہارا لینے حاضر ہونا مسلمانوں کے عقیدے میں کیسا ہے؟ اس کی خوبصورت عکاسی یہ آیت کر رہی ہے۔ پیاسے کو جھرنا مل جانا، تشنہ لب کو لبِ جو تک رسائی ہو جانا، گل چینی کے شوقین کو گلستان میں گلوں کی ہم نشینی مل جانا بخت کی بات ہے۔ اسباب سے فیض یاب ہونا مسبب کی نفی نہیں ہوتی، گناہ گاروں کو شفیع مل جانا یہ قرآنی وژن کے ساتھ چلنے والوں کے لیے نوید عید ہوتی ہے۔

پیر کرم شاہ الازہری نے کتنا خوبصورت لکھا ہے(210):

> ''اے رحمت مجسم! اگر یہ دنیا بھر کے قصور کر کے اور اپنی جانوں پر طرح طرح کے ظلم توڑنے کے بعد بھی نادم اور تائب ہو کر تیرے حضور میں حاضر ہوں تو ان پر اپنا درکرم باز رکھ، جب ان کی شفاعت وبخشش اور دستگاری کے لیے تیرا ہاتھ میری بارگاہ جود وعطا میں اٹھے گا تو خواہ وہ کتنے گناہگار، رُو سیاہ اور بدکار کیوں نہ ہوں تیرے ربّ کی رحمت ان کو مایوس نہیں کرے گی بلکہ ان کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور ان بے گانوں کو اپنا بنا لیا جائے گا''۔

ابوحیان اندلسی کی باتیں

ابوحیان اندلسی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر میں لکھتے ہیں(211):

> ''حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: ہم جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''کعبہ فطرت'' مبارک قبر میں اتار چکے، تدفین کے تین روز بعد ایک اعرابی شہید محبت بنا روضۂ نور پر حاضر ہوا اور صدمۂ فراق کی چوٹ کھا کر قبر پر گر گیا اور زار زار روتے ہوئے یہ آیت ''وَ لَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ'' پڑھی اور عرض کرنے لگا: اللہ نے

اس آیت میں یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم وعدہ فرمایا ہے کہ گناہ گار اگر بارگاہِ بے کس پناہ میں حاضر ہو جائے اور رسول معظم اس کے لیے دعائے مغفرت کر دیں تو اس کی بخشش یقینی ہو جائے گی، آقا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، حضور دعا فرمائیں: میری بخشش ہو جائے، حاضرین محبین کہتے ہیں کہ اسی وقت روضۂ اقدس کے اندر سے یہ آواز آئی: ''بے شک تیری بخشش ہو چکی ہے''۔ یہی بات حضرت قرطبی نے الجامع لاحکام القرآن میں نقل کی ہے (212)۔

ابن کثیر کی تحقیق

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عاصیوں اور گناہ گاروں کو ہدایت دی ہے کہ ان سے جب خطا اور گناہ سرزد ہو جائے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر طلب مغفرت کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کریں کہ آپ بھی بندۂ عاصی کے لیے طلب مغفرت فرمائیں۔ رحمت مجسم نے اگر دعائے شفاعت فرما دی تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور مہربانی سے توبہ قبول فرما لے گا اور مغفرت ہو جائے گی (213)۔

یہاں ابن کثیر نے بھی ایک واقعہ نقل کیا (214):

''عتبی کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کے پاس بیٹھا تھا۔ ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا: ''السلام علیک یا رسول اللہ''میں نے قرآن کی آیت ''وَلَوۡ اَنَّهُمۡ '' الآیہ سنی اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ کے سامنے اپنے گناہوں کا استغفار کروں اور آپ کی شفاعت طلب کروں، پھر اس نے چند نعتیہ اشعار پڑھے، اس کے بعد اعرابی تو لوٹ گیا لیکن مجھے نیند آگئی، میں خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے فرما رہے ہیں: جاؤ اور اس اعرابی کو خوشخبری سناؤ کہ اللہ نے اس کے گناہ معاف فرما دیے ہیں''۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیض قبل وصال اور بعد وصال یکساں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے میری قبر کی زیارت کی مجھ پر لازم ہے کہ میں
اس کی شفاعت کروں''۔

قارئین! روشنی دیکھیے

مفسر فقیر اس وقت مدینۃ النبی کے فندق انوار مدینہ کی پانچویں منزل پر دم کش سکونت ہے۔ ہوٹل کی بڑی کھڑکی سے وہ باہر جھانک رہا ہے۔ شہر کی بسیط فضا آنکھوں کے سامنے ہے۔ نسیم مدینہ کی خوشبوئیں ہر چیز کو مہکائے ہیں۔ مدینہ کی ہر شے موتیوں کی طرح چمک رہی ہے۔ شہر کے غبار کے ذروں سے کنزِ مخفی آشکار ہو رہا ہے۔ گنبد افلاک کے خیمے تلے روضۂ خضریٰ پر نظر پڑی ہے۔ سبز گنبد کھلی فضا میں ایسے محسوس ہو رہا ہے جیسے درِ آشکار ہو، یاقوت تابدار ہو، نگینۂ شہوار ہو اور موتی آبدار ہو، یہ روضۂ خضریٰ گنبد بیضا بھی رہا ہے۔ محسوس اب بھی یہی ہوتا ہے اس کا باطن بیضا ہے اور اس کا ظاہر خضریٰ ہے۔ گنبد خضریٰ کے سامنے حاضری نصیبوں کی روشنی ہے، عاشقوں کی ضیاء ہے اور حساس روحوں کا مقدر ہے۔ یہاں استغاثہ کے حرفوں کو معانی مل جاتے ہیں اور آنسوؤں کو زبانیں مل جاتی ہیں۔ بس جاننے والے یہ جانتے ہیں کہ سعادتوں کا سرچشمہ یہیں ہے اور آب حیات کا چشمہ اگر کہیں ہے تو یہیں ہے۔ یہاں حاضری دینے والے یم بے پایاں کی طرح زندہ ہیں اور یہاں رونے والوں کا عشق قلزم کی طرح اتھاہ ہے۔

آیئے! سب مل کر مجسم رحمت کو آواز دیتے ہیں، حضور آپ ہمارے دل کی دھڑکنوں اور آنسوؤں کا آخری مجسم سہارا ہیں، ہمیں بخشش کی دولت دلوا دیں۔ اعرابیوں کو بلا کر نوازنے والے آقا! ہم بھی پینڈو ہیں، دیہاتی ہیں، بدو اور انجان بلھے، ہمیں بخشوا دیں، آپ کی رحمت کے سمندر سے ایک قطرہ بھی ہمیں سرعرش پہنچا سکتا ہے۔ اپنے دریتیم ہونے کا واسطہ اور بابا علی کے درنجف ہونے کا صدقہ اور حسنین اور ان کی اماں جان کا واسطہ ہم نادانوں پر نظر کرم فرما دیں۔ آمین۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا
يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾
وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا
فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ
خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾

(65) سو قسم تیرے پروردگار کی وہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ آپ کو اپنے درمیان پیدا ہونے والے جھگڑوں میں حاکم نہیں مان لیتے پھر یہ کہ وہ اپنے دلوں میں کوئی بے چینی بھی نہ محسوس کریں اس پر جو آپ فیصلہ دیں اور بخوشی وہ اسے تسلیم کر لیں

(66) اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ ”قتل کرو اپنے آپ کو“ یا ”اپنے گھروں سے نکل جاؤ“ تو اسے بجا لانے والے ان میں سے تھوڑے ہی ہوتے اور اگر وہ کرتے جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو ان کے لیے بہت بہتر ہوتا اور اس سے انہیں بہت زیادہ دل جمعی حاصل ہوتی

مفردات

فَلَا: معنیٰ تو یہ ہے کہ سونہیں لیکن جملہ میں یہ زائدہ ہے
وَرَبِّكَ: قسم ہے تیرے ربّ کی
لَا يُؤۡمِنُوۡنَ: ایمان والے نہیں ہوسکتے، ایمان نہیں لاسکتے
حَتّٰى: یہاں تک کہ
يُحَكِّمُوۡكَ: آپ کی حکومت تسلیم نہ کرلیں
فِيۡمَا: اس میں
شَجَرَ: جو پھوٹ پڑے
بَيۡنَهُمۡ: ان کے درمیان
ثُمَّ: پھر
لَا يَجِدُوۡا: نہ پائیں وہ
فِيۡۤ: میں
اَنۡفُسِهِمۡ: اپنے نفسوں میں
حَرَجًا: کوئی گھٹن اور تنگی
مِّمَّا: اس سے، اس پر
قَضَيۡتَ: آپ جو فیصلہ فرمائیں
وَيُسَلِّمُوۡا: اور سپرد کردیں اور تسلیم کرلیں
تَسۡلِيۡمًا: دل وجان سے قبول کرلینا اور عمل کے لیے جھک جانا

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُوۡا فِيۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَيُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ﴿٦٥﴾

''سو قسم تیرے پروردگار کی وہ لوگ مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ وہ آپ کو اپنے درمیان پیدا ہونے والے جھگڑوں میں حاکم نہیں مان لیتے پھر یہ کہ وہ اپنے دلوں میں کوئی بے چینی بھی نہ محسوس کریں اس پر جو آپ فیصلہ دیں اور بخوشی وہ اسے تسلیم کرلیں''۔

ابن کثیر کی خوبصورت تفسیری عبارت

اللہ تعالیٰ اپنی بزرگی اور ربوبیت کی قسم کرکے فرماتا ہے کہ کوئی شخص ایمان کی حدود میں نہیں آسکتا جب تک کہ تمام امور میں اللہ کے آخری اور افضل رسول کو اپنا حاکم تسلیم نہیں کرلیتا اور آپ ﷺ کے ہر ہر حکم، ہر ہر فیصلے، ہر ہر سنت اور ہر ہر حدیث کو دل وجان سے قبول نہیں کرلیتا۔ کوشش کرے کہ دل اور جسم ہمہ وقت رسول معظم کی پیروی میں لگے رہیں۔ ظاہر اور باطن اور چھوٹے اور بڑے ہر معاملہ میں اصل الاصول حضور ہی کو جانے۔ حضور ﷺ کے کسی حکم پر دل میں گھٹن محسوس نہ کرے۔ احادیث اور سنت کو اس طرح تسلیم کرے کہ ہر حکمت اور علم پر حضور ﷺ کی باتوں کو ترجیح دے۔ حضور کا فرمان ہے: ''قسم اس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہشات کو اس کا پیروی کرنے والا نہ بنائے جو میں لے کر آیا ہوں''(215)۔

''فَلَا وَرَبِّكَ'' کی تشریح

''فَلَا وَرَبِّكَ'' کے ''لا'' میں دو قول ہیں: ایک تو یہ ہے کہ ''لا'' زائدہ ہے جو قسم کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ''لا'' زائدہ نہیں ہے، یہ اپنے نفی والے معنیٰ ہی میں استعمال ہوا ہے۔ اس صورت میں مفہوم آیت یہ ہوگا کہ معاملہ اس طرح نہیں ہے جیسا کہ منافقین ایمان کا دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ ہم مومن ہیں لیکن اپنے مقدمات یہود کے پاس لے جاتے ہیں اس کے بعد ''وَرَبِّكَ'' سے کلام نیا ہے یعنی تیرے ربّ کی قسم یہ مومن نہیں ہوسکتے (216)۔

اسلوب کلام کی دلکشی، جاذبیت، شہامت، تاثیر اور عظمت ملاحظہ ہو کہ ''وَرَبِّكَ'' قسم تیرے ربّ کی'' کو دو مرتبہ ''لا'' کے استعمال نے اپنی آغوش میں لیا ہوا ہے جیسے ''لا'' کو کلام کی برجستگی اور تازگی سے پیار آگیا ہو۔ محبوب نہیں، قسم تیرے ربّ کی وہ ہوسکتا ہی نہیں جس کا ایمان تیری حاکمیت کے بارے میں ڈگمگا جائے۔ یہ بات تو اپنے انداز میں طبری نے بھی کی (217) لیکن جمالیاتی لذات

سے شاد کام اور شاد دل رہنے والے یہ بھی محسوس کریں گے کہ اللہ کا اپنی ربوبیت کو اپنے محبوب کی محبوبیت سے منسوب کرنا روح افزا اور لطیف ہے۔ قرآن کے ایسے محل ماحول کو خوشبودار بنا دیتے ہیں۔

شان نزول

رازی، ابن جریر طبری، واحدی، رشید رضا، آلوسی اور اسماعیل حقی تقریباً تمام مفسرین نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی کے بیٹے تھے، ان کا ایک انصاری کے ساتھ باغوں کو سیراب کرنے کے متعلق اختلاف ہو گیا۔ دونوں اپنے نزاع میں فیصلہ لینے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا باغ نہر کے بلند حصہ کی طرف تھا اور انصاری کا باغ نشیبی جانب تھا یہ وجہ تھی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ پہلے تم اپنے باغ کو پانی دے لو اور اس کے بعد یہ انصاری مسلمان اپنے باغ کو پانی دے لے۔ انصاری نے عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے یہ فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ آپ کے پھوپھی کے بیٹے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے رنجیدہ ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ بخاری اور مسلم کی روایت کے مطابق آپ نے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ زبیر تم اپنی زمین کو سیراب کر لیا کرو پھر پانی کو روک لو یہاں تک کہ وہ دیواروں تک پہنچ جائے۔ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبیر رضی اللہ عنہ کو وسعت برتنے کا فرمایا تھا بعد ازاں آپ نے پورا حق لینے کا فیصلہ کر دیا (218)۔

رازی کی رائے

قانون شریعت یہ ہے کہ قدرتی طور پر بہنے والے پانی میں پہلے اس شخص کا حق ہوتا ہے جس کی زمین پانی سے زیادہ قریب ہو۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا باغ وادی میں پانی کے منہ سے زیادہ قریب تھا اس لیے پانی کے استعمال پر زیادہ حق بھی زبیر رضی اللہ عنہ کا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے زبیر رضی اللہ عنہ کو پڑوسی کے معاملے میں آسانی پیدا کرنے کی تلقین کی تھی لیکن بعد ازاں پورا شرعی حق لینے کا حکم صادر فرما دیا (219)۔

آیت میں پانچ لفظوں کی خصوصی تشریح

- پہلا لفظ ''يُحَكِّمُوْكَ'' ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ہر چھوٹے بڑے معاملے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت تسلیم نہیں کرتا، ان کے فیصلوں کو نہیں مانتا۔ لفظ میں زماں و مکاں کی تحدید نہیں اور اس میں کوئی واہمہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت ہر دور میں امام کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسلام تو یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلوں پر دل راضی ہوں، روحیں خوش ہوں، دماغوں میں تسلیم ہو

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

اور باطن کوئی گھٹن اور کھٹکا محسوس نہ کریں۔

- دوسرا لفظ ''شَجَرَ'' کا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: ''شَجَرَ'' اس طرح ''فعل'' آئے تو اس کا مفہوم خلط ملط کرنا اور اختلاف اور نزاع کھڑا کرنا ہوتا ہے (220)۔ درخت کو بھی اس لیے ''شَجَرَ'' کہہ دیتے ہیں کہ اس کی شاخیں ایک دوسرے سے پیوست اور الجھی ہوئی ہوتی ہیں۔ ''شَجَرَ'' مجازی طور پر پریشانی، نزاع، اضطراب اور پیچیدگی کے لیے استعمال ہوجاتا ہے۔ ہودج کی لکڑیوں کو ''شجار'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے میں گھسی ہوتی ہیں۔ رسیاں جس وقت ایک دوسرے میں الجھ جائیں اور گرہیں پڑنے کی وجہ سے کھلیں نہ تو ''شجرت الاحبال'' کہہ دیتے ہیں۔
- تیسرا لفظ ''حرج'' ہے۔ تاج میں زبیدی حنفی لکھتے ہیں کہ کانٹوں والا جھاڑ جس کی چوٹی کانٹوں سے اٹی پڑی ہو۔ یہ ایسی جھاڑی ہوتی ہے جس کی شاخوں کو چھوا بھی نہیں جا سکتا (221)۔ رازی نے لکھا کہ تنگی اور گھٹن کو ''حرج'' کہتے ہیں۔ ''حرج'' کی جمع ''حراج'' آتی ہے۔ آیت یہ سکھلاتی ہے کہ حضور ﷺ کے فیصلوں کو اس طرح دل قبول کریں کہ ان میں ذرہ برابر تنگی نہ ہو (222)۔
- چوتھا لفظ ''قَضَيۡتَ'' ہے۔ اس کا معنیٰ ہوتا ہے جو آپ نے فیصلہ فرمایا۔ ''قضا'' کا لغوی مفہوم ہوتا ہے حق تک پہنچا دینا۔ قاضی کو قاضی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ حقوق دلوا دیتا ہے۔ حضور ﷺ جب فیصلہ دے دیں تو پھر کوئی ''رٹ'' نہیں ہوسکتی۔ حضور ﷺ کا ہر فیصلہ خوشی سے ماننا ضروری ہوتا ہے اس لیے کہ وہ خطا سے محفوظ اور مامون ہوتا ہے بلکہ معصوم ہوتا ہے۔ کوئی شخص قیامت تک اس عقیدہ سے عدول نہیں کرسکتا خواہ کتنا ہی وہ عبادت گزار ہو۔ اگر کوئی یہ بھی سوچے کہ حضور اگر ایسا نہ کرتے اور ایسا کر لیتے تو بہتر تھا اس سے بھی ایمان کے سر پر چوٹ پڑتی ہے (223)۔
- اور پانچواں لفظ ''تسلیم''۔ ''تسلیم'' کا مطلب ہوتا ہے سپرد کردینا اور گردن جھکا دینا اور کسی قسم کا جھگڑا نہ کرنا۔ امانت کو اس کے اہل تک پہنچا دینا بھی ''تسلیم'' ہے۔ راغب نے لکھا کہ ''سلم'' کا مطلب جھگڑا ختم کرکے مقدمہ واپس لے لینا بھی ہوتا ہے۔ آیت میں ''تَسۡلِيۡمًا'' مفعول مطلق ہے جو تاکید کے معنوں میں لایا گیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ پر ایمان کا یہ پانچواں تقاضا ہے کہ مکمل طور پر خود کو ان کے سپرد کردینا (224)۔ **واللہ اعلم**

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

وَلَوۡ اَنَّا كَتَبۡنَا عَلَيۡهِمۡ اَنِ اقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ اَوِ اخۡرُجُوۡا مِنۡ دِيَارِكُمۡ مَّا فَعَلُوۡهُ اِلَّا
قَلِيۡلٌ مِّنۡهُمۡ ؕ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ فَعَلُوۡا مَا يُوۡعَظُوۡنَ بِهٖ لَكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ وَاَشَدَّ تَثۡبِيۡتًا ۙ﴿۶۶﴾

''اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ ''قتل کرو اپنے آپ کو'' یا ''اپنے گھروں سے نکل جاؤ'' تو اسے بجالانے والے ان میں سے تھوڑے ہی ہوتے اور اگر وہ کرتے جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو ان کے لیے بہت بہتر ہوتا اور اس سے انہیں بہت زیادہ دل جمعی حاصل ہوتی''۔

وہ لوگ جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کے عادلانہ فیصلوں کو روح وقلب کی گہرائی سے تسلیم نہ کیا ان کے بارے میں سابقہ آیات کی بحث کو مکمل کیا جا رہا ہے کہ انہیں جو حکم دیے گئے تھے وہ اتنے سخت نہ تھے لیکن اگر انہیں موسیٰ علیہ السلام کے دور کی طرح یہ حکم مل جاتا کہ تم بھی گوسالہ پرستی کے مجرموں کی طرح یوں توبہ کرو کہ اپنوں کو قتل کر دو یا وطن چھوڑ دو تو تمہاری حالت کیا ہوتی؟ قرآن مجید خود کہتا ہے کہ تھوڑے سے لوگوں کے سوا تعمیل مشکل ہو جاتی۔

تفسیر ابی السعود میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگر ہمیں حکم مل جاتا تو ہم ضرور اس پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو قتل کر دیتے لیکن حمد اللہ کے لیے کہ اس نے ہمیں یہ حکم دیا ہی نہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسے ہی پُرعزم خیالات کا اظہار کیا۔ اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''بے شک میری اُمت میں وہ رجال عظیم موجود ہیں جن
کے ایمان پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط ہیں'' (225)۔

آیت کے آخری حصہ میں یہ کہا گیا کہ اگر وہ لوگ احکام الٰہیہ اور خدائی پند ونصائح پر عمل پیرا ہوتے تو ان کے لیے بہت بہتر ہوتا اور اطاعت رسول پر مسلسل عمل پیرا ہونے کی وجہ سے ان کے ایمان میں قوت، طاقت، ثبات اور استقامت پیدا ہوتی، یہی وہ روحانی عمل اور ورزش ہے جس کے ساتھ عزم و استقامت ترقی اور عروج پکڑتے ہیں۔ ''اَشَدَّ تَثۡبِيۡتًا'' کی اصطلاح بہت خوبصورت ہے۔ ذہنی منطق، حکیمانہ رسوخ، قلبی اطمینان اور روحانی یقین اور اعتماد اس تثبیت کا حصہ ہوتے ہیں۔

❀❀❀❀❀

مفردات

وَلَوۡ: اور اگر
اَنَّا: تحقیق ہم
كَتَبۡنَا: لکھ دیتے، فرض کر دیتے، حکم دے دیتے
عَلَيۡهِمۡ: ان پر
اَنِ: یہ کہ
اقۡتُلُوۡۤا: قتل کرو
اَنۡفُسَكُمۡ: ایک دوسرے کو، اپنوں کو، نفوس کو
اَوِ: یا
اخۡرُجُوۡا: نکل پڑو
مِنۡ: سے
دِيَارِكُمۡ: اپنے گھروں سے
مَّا: نہ
فَعَلُوۡهُ: اسے وہ کرتے
اِلَّا: مگر
قَلِيۡلٌ: تھوڑے
مِّنۡهُمۡ: ان میں سے
وَلَوۡ اَنَّهُمۡ: اور اگر وہ
فَعَلُوۡا: کر دیتے
مَا: جو
يُوۡعَظُوۡنَ: نصیحت کی گئی انہیں
بِهٖ: ساتھ اس کے
لَكَانَ: ضرور ہوتا
خَيۡرًا: بہتر، اچھا
لَّهُمۡ: ان کے لیے
وَاَشَدَّ: اور بہت زیادہ
تَثۡبِيۡتًا: تقویت کا باعث ہوتا

وَّ اِذًا لَّاٰتَیۡنٰہُمۡ مِّنۡ لَّدُنَّاۤ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿ۙ۶۷﴾

وَّ لَہَدَیۡنٰہُمۡ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ﴿۶۸﴾

وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ
النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ
رَفِیۡقًا ﴿ؕ۶۹﴾

ذٰلِکَ الۡفَضۡلُ مِنَ اللّٰہِ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیۡمًا ﴿۷۰﴾

(67) اوراس وقت ہم بھی انہیں خاص اپنی طرف سے اجرِ عظیم عطافرماتے

(68) اورضرورہم انہیں سیدھے راستے کی ہدایت بخشتے

(69) اور جواللہ اور رسول معظم کی اطاعت کرے تو ایسوں کو ہی ان لوگوں کی معیّت ملے گی جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور نیکوکار اور ان لوگوں کی رفاقت ہی میں حسن جگمگاتا ہے

(70) یہ اللہ کی طرف سے فضل کی باتیں ہوتی ہیں اور کافی ہے اللہ جاننے والا

مفردات

وَّ اِذًا: اور جب تو، یعنی اگر ایسا ہوتا
لَّاٰتَيْنٰهُمْ: تو ضرور ہم انہیں دیتے
مِّنْ: سے
لَّدُنَّآ: اپنی طرف سے
اَجْرًا: اجر
عَظِيْمًا: عظیم

وَّ اِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝٦٧

''اور اس وقت ہم بھی انہیں خاص اپنی طرف سے اجرِ عظیم عطا فرماتے''۔

اس آیۂ کریمہ میں ایک ایک لفظ اللہ کی عطاؤں اور انعاماتِ فراواں کا اعلان کر رہا ہے ''اٰتَيْنٰهُمْ'' میں جمع کا صیغہ جو دینے والے کی عظمت اور بزرگی کا اعلان کر رہا ہے، جب دینے والا عظیم و اکبر ہے تو اس کے صلے اور انعام کی عظمت و فضیلت کتنی ہوگی۔

دوسرا قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ ''مِّنْ لَّدُنَّآ'' ہماری خاص جناب سے انعام اور اجر دیے جانے کا اعلان ہو رہا ہے، جب عطیہ خاص جناب سے ہے تو عطیہ بھی خصوصی ہوگا۔ ربّ کائنات کا مالک ہے۔ اس کا خصوصی عطیہ کیا قیمت و عظمت رکھتا ہوگا۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی زبان نور سے اجر کو عظیم کہا ہے۔ اب اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خدا کا تو قلیل بھی کثیر ہوتا ہے اس کا عظیم وسعت و عظمت میں کیا مقام رکھتا ہوگا؟

> ''حضور ﷺ نے ثواب کی عظمت کو یوں بیان فرمایا ہے کہ اجر اتنا عظیم ہوگا کہ کسی آنکھ نے دیکھا نہیں ہوگا اور کسی کان نے سنا نہیں ہوگا اور کسی دل نے اس کی کھٹک بھی نہ پائی ہوگی''۔

وَّلَهَدَيْنٰهُمْ: اور ضرور ہم انہیں ہدایت کرتے
صِرَاطًا: راہ کی
مُّسْتَقِيْمًا: سیدھی

وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝٦٨

''اور ضرور ہم انہیں سیدھے راستے کی ہدایت بخشتے''۔

اس آیت میں ہدایت سے مراد کیا ہے؟

علامہ الجزائری لکھتے ہیں کہ ہدایت سے مراد یہاں اسلام کے لیے دلوں اور ذہنوں کو جھکا دینا ہے۔ دنیا ہو یا آخرت دونوں میں کمال اور سعادت کی معراج اسلام پر عمل پیرا ہونے سے ملتی ہے۔ اسی ہدایت کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے(226)۔

ابو حیان اندلسی لکھتے ہیں یہاں ہدایت کا مطلب اعمال صالحہ ہیں جبکہ علامہ رازی لکھتے ہیں: آیت میں ہدایت سے مراد وہ راستہ ہے جو جنت تک پہنچا دینے والا ہے، یہی صراط مستقیم ہے(227)۔

زمخشری نے کشاف میں معتزلہ ہونے کے باوجود روحانی معنیٰ لکھا ہے کہ آیت میں ہدایت سے مراد ہمارا لطف و کرم ہے اور وہ توفیق ہے جو خیر عمل تک پہنچا دیتی ہے۔ یہی بات سورۂ محمد میں بھی کی گئی ہے:

مفردات

''جولوگ ہدایت کی راہ میں قدم بڑھاتے ہیں ہم اپنے الطاف وتوجہات سے ان کی ہدایت میں اضافہ کردیتے ہیں''(228)۔

وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا ﴿۶۹﴾

''اور جواللہ اور رسول معظم کی اطاعت کرے تو ایسوں کو ہی ان لوگوں کی معیت ملے گی جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور نیکوکار اور ان لوگوں کی رفاقت ہی میں حسن جگمگاتا ہے''۔

قرآن مجید کی یہ آیت ایک بہت بڑا راز منکشف کرتی ہے۔ تسخیر کائنات کی چابیاں روحانی رنگ میں روحانیوں کو دے دیتی ہے اور یہ ذہن میں رہے کہ طوطے اڑانے والے اور فالیں نکالنے والے عظمتوں کا راز نہیں بن سکتے۔ یہ آیت آنکھوں میں ایک زبردست جلوہ سمورہی ہے اور غور سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت جلوے میں آنکھیں پیوست کر رہی ہے۔ اللہ اور رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ووفا کی تسخیر شہاب ثاقب کی طرح روشن کر کے زندگی کے منظر کو بدل دیتی ہے۔ یہ اطاعت ووفا کا ایسا راستہ ہے کہ زندگی کے سب ہنگامے، سب رعنائیاں، سب سلسلے، سب ہجوم اور سب جلوے بس ایک سنگت کے دائرے میں سمٹ جاتے ہیں۔ ایک حسین رفاقت ایک ہی دل بن کر سب کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے۔ آیت کا اختتامیہ ہی کتاب محبت کا دیباچہ محسوس ہوتا ہے۔

قرآن پڑھنے والو!

خاموش تاروں کی بزم میں نور کا شعلۂ جوالہ وحی کے ذریعے دوستی سمجھا رہا ہے، رفاقت سمجھا رہا ہے، صدیق ہونے کا فلسفہ اور حکمت عطا کر رہا ہے اور ہولے ہولے، دھیرے دھیرے اور آہستہ آہستہ ''شہید محبت'' بننے کا پھول عاشق کے ہاتھ میں پکڑا کر نظروں سے اوجھل ہوجاتا ہے۔ بندہ آئینہ اٹھا کر دیکھتا ہے کہ شاید اس میں کچھ نظر آجائے لیکن آئینہ بھی کچھ مے خانے میں پیوست رہ کر تصویریں پینے کا عادی ہوگیا، وہ بھی ایک ہی تصویر کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ تاروں کی روشنی ایک ہی چہرہ پر اترتی ہے، ہوائیں بس عنبریں زلفوں سے اٹکھیلیاں کرنے بس مدینہ ہی کا رخ کرتی ہیں۔ اصل بات یہ ہے جو سمجھ لی جائے تو بڑی بات ہے کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا بڑا تحفہ حسن رفاقت کا تحفہ ہے۔ اب آیت کو غور سے پڑھ لیں۔

وَ: اور
مَنۡ: جو
یُّطِعِ: اطاعت کرے
اللّٰہَ: اللہ کی
وَالرَّسُوۡلَ: اور رسول معظم کی
فَاُولٰٓئِکَ: تو ایسوں کو ہی
مَعَ: ساتھ
الَّذِیۡنَ: وہ جو
اَنۡعَمَ: انعام کیا
اللّٰہُ: اللہ
عَلَیۡہِمۡ: ان پر، جن پر
مِّنَ: سے
النَّبِیّٖنَ: انبیاء
وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ: صدیقین
وَالشُّہَدَآءِ: اور شہداء
وَالصّٰلِحِیۡنَ: اور صلحاء
وَحَسُنَ: اور بہت اچھے رہے
اُولٰٓئِکَ: وہی لوگ
رَفِیۡقًا: رفاقت اور دوستی کے لحاظ سے

شانِ نزول

حضرت ثوبان رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں۔ ان کے عشق رسالت کا چرچا مدینہ کی گلی گلی میں ہے۔ آپ کو حضور ﷺ کی زیارت نہ ہو تو نسیم صبح بھی انہیں خار مغیلاں کی طرح کھانے چبھنے لگ جاتی ہے۔ ایک دن وہ رحمت مجسم کے حضور حاضر ہوتے ہیں۔ رنگ بدلا ہوا ہے، چہرہ اترا ہوا ہے، جسم میں کمزوری اور لاغری نے سانپ لہرا رکھے ہیں۔ کرب اور اضطراب نے سانسوں کو اکھیڑ دیا ہے۔ حضور ﷺ کی نظر اپنے غلام کے چہرے پر پڑتی ہے تو آپ فرماتے ہیں: ثوبان! تم نے اپنا یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟ ثوبان نے دل کی تیز دھڑکنوں کا راز کھول دیا۔ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! مجھے اور تو کوئی تکلیف نہیں صرف آپ سے دور ہو جاؤں تو فراق کے صدمے سے دِرک جاتا ہوں۔ جسم ٹوٹنے لگ جاتا ہے، بدن میں جیسے کیڑیاں رینگنے لگ جاتی ہیں۔ حضور میں آپ کے بغیر رہ نہیں سکتا۔ آخرت میں میرا کیا بنے گا؟ آپ تو بزم مرسلاں میں جلوہ افروز ہوں گے، میں تو چھوٹا چھوٹا ہوں نجانے کہاں ہوں گا، جب زیارت نہیں کرسکوں گا تو میری جنت کیا سے کیا ہو جائے گی؟ جب آپ کی عدم زیارت کے غموں کے بوجھ کا تصور کرتا ہوں تو ٹوٹ جاتا ہوں۔ مکالمہ کے رنگ عروج پر تھے کہ روشنیاں تیز ہوگئیں اور جبرائیل یہ آیت لے کر حاضر بخدمت ہوگئے۔ ثوبان کا عشق بہانہ بن گیا، تسلی سب عاشقوں کی ہوگئی۔ قرآن نے حسن رفاقت کے سورج کو حکم دے دیا کہ قیامت تک اس ڈھب کے جو عاشق بھی پیدا ہوں انہیں ''وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا'' کا مژدۂ سکون سنا دو (229)۔

سبحان اللہ!

سبحان اللہ!

سبحان اللہ!

اعمال کی تلقین بھی اور محبت بھی

مسلم شریف، نسائی اور مشکوٰۃ المصابیح میں باب السجود میں ایک ایمان افروز حدیث موجود ہے:

> شہر نور مدینہ طیبہ میں خورشید تابندہ نے ابھی اپنی روشن
> کرنوں کو بغل میں دبایا ہوا تھا۔ اوقاتی میزانیے میں
> سحر شگفتہ کی خوشبو خوشبو ساعتوں کو وصل نصیب تھا۔
> روحانی روشنیوں کی برسات جاری تھی۔ غافل منکرین اور
> منافقین کے سوا شہر عبادت کی لذتوں اور مسرتوں میں ڈوبا

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

ہوا تھا۔آج اصحاب صفہ میں سے حضور ﷺ کو وضو کرانے کی سعادت جس بخت مند عاشق کے حصہ میں آئی تھی وہ ربیعہ ابن کعب رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ خود اپنی فروزاں زندگی کی روشن اور لذیذ حکایت سناتے ہیں:

''میں لمحات سحر کے عروج کے وقت حضور ﷺ کے لیے وضو کا پانی لے کر حاضر ہوا''۔ ربیعہ حاضر ہوئے نہیں تھے حاضر رہتے تھے، انہیں معلوم تھا کہ محبوبوں کے کرتے بھی کھوئی ہوئی بینائی لوٹا دیتے ہیں۔ آج جس محبوب کی خدمت میں ربیعہ حاضر ہوئے وہ تو محبوبوں، معشوقوں کے حسن کا اصل راز تھے۔ یہ ٹھیک ہے مور کے رقص، دم آہو اور چکوروں کی فریاد سے بھی شعور محبت مل جاتا ہے لیکن ربیعہ جہاں خدمت میں کھڑے تھے وہ آئینہ خانۂ مجاز تھوڑا ہی تھا یہ تو بارگاہ ربوبیت کا شاہکار خانہ اور فضیلت مآب روحانیوں کا نوری اور کافوری نگارخانہ تھا۔ ربیعہ نے کتنے مزے کی بات کی کہ میں حاضر ہوا تو آج میرے مقدر کو دیکھ کر زمان و مکان جھوم گئے۔ برکات نواز اور رحمات نواز آقا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا:'' ربیعہ آج مانگ لے مجھ سے جو مانگنا ہے''، ربیعہ کی زندگی نثر سے نکل کر نظم ہوگئی۔ جھونپڑوں کا نقشہ تاج محل میں بدل گیا۔

محبوب کہتے ہی اس کو ہیں جس کے تقرب کی تمنا کبھی ختم نہ ہو۔

ربیعہ نے فوراً تمناؤں کے ہجوم کو کھنگال کر عرض تمنا کر دی:

''آقا صرف اور صرف جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں اس کے سوا میری کوئی اور خواہش نہیں''۔

رحمت مجسم کی زبان نور ترجمان سے کرم مزید بڑھا اور ارشاد فرمانے لگے:

''ربیعہ اس کے سوا کچھ اور مانگ لے!!''

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

ربیعہ نے عرض کی: حضور اس کے سوا مجھے اور کچھ بھی نہیں چاہیے۔
عاشق محبوب کے سوا کچھ اور مانگے تو اس کے اپنے عشق کی توہین ہوتی ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''سجدوں سے اپنے نفس کی معاونت کرو''۔

یہ بھی جملہ کا ترجمہ کیا گیا:

''سجدوں کی کثرت سے میری معاونت کرو''۔

نبی بخش حلوائی نے صحیح فرمایا کہ تالے ہمیشہ چابیوں سے کھلتے ہیں لیکن کوئی ہاتھ بھی تو ہو جو چابی تالے میں ڈال دے۔ سجدے مرافقت دیتے ہیں لیکن سجدوں کی قبولیت کی چابی تقدیر کے تالے میں ڈالنے کے لیے کوئی ہاتھ بھی تو چاہیے(230)۔

آئینۂ جمال کا ایک اور جلوہ

یہ حدیث طبرانی کی معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے(231):

ایک شخص سیاہ رنگت والا حبشی نسل کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! آپ کو اللہ نے حسن صورت اور جمالِ رنگت سے نواز کر ہم سب میں ممتاز کر دیا۔ نبوت اور رسالت کے جلوے دیے، یوں سیرت اور صورت کے انوار چھا گئے۔ ارشاد فرمائیے اگر میں اس پر ایمان لے آؤں جس پر آپ ایمان لائے ہیں اور عمل بھی وہی کروں جو آپ کرتے ہیں کیا مجھے اپنے کالا ہونے کے باوجود آپ کی رفاقت جنت میں مل سکتی ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حبشی کو کریمانہ نظروں سے نوازا اور فرمایا:

''تم اپنی رنگت کی سیاہی سے گھبراؤ نہ، قسم اس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جنت میں کالے رنگ کے حبشی سفید اور حسین وجمیل ہو جائیں گے اور ایک

إِنَّ هَٰذِهِۦ تَذۡكِرَةٌ فَمَن شَآءَ ٱتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِۦ سَبِيلًا

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

ہزار سال کی رنگت سے چمکیں گے۔ جو شخص ''**لا الہ الا اللہ**'' کا قائل ہوجاتا ہے اس کی فلاح ونجات اللہ کے ذمہ ہوجاتی ہے اور جو شخص ''**سبحان اللہ وبحمدہ**'' پڑھتا ہے اس کے نامۂ اعمال میں ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں''۔ حبشی نے حیرت سے سوال کیا کہ حضور میری آنکھیں بھی تو کالی کالی ہیں کیا یہ بھی جنت کی نعمتیں دیکھیں گی جن کو آپ کی مبارک آنکھیں دیکھتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''ہاں ضرور''

یہ سن کر حبشی نومسلم نے رونا شروع کردیا، یہاں تک کہ روتے روتے جان حضور کے قدموں میں دے دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے دست مبارک ہی سے اس کی تجہیز وتکفین فرمائی۔

خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کئی صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! دنیا میں تو ہم آپ کی زیارت سے مشرف ہوجاتے ہیں لیکن آخرت میں جب آپ کو اعلیٰ مقام حاصل ہوگا تو ہم آپ سے کیسے ملاقات کر پائیں گے؟ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی غمناک ہوگئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ملال میں مبتلا ہوگئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (232)۔

اے اللہ مجھے اندھا کردے

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں علامہ قرطبی نے یہ روایت نقل کی کہ آپ اپنے باغ میں کام کررہے تھے کہ آپ کو یہ خبر پہنچی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہوگیا ہے یا ہونے والا ہے۔ آپ نے ادھر ہی دعا مانگی:

''اے اللہ مجھے اندھا کردے تاکہ میں اپنے حبیب کے بعد کسی اور کو نہ دیکھوں، یہاں تک کہ میں جنت میں پہنچ کر ان کی زیارت کروں''۔

اللہ نے اسی جگہ آپ کی بینائی لے لی اور آپ کا جذبۂ عشق اور تمنائے دل معراج پا گئی (233)۔

اطاعتِ رسول اور بیضاوی کی تفسیری رائے

آیت بتاتی ہے کہ اطاعتِ رسول اتنا خوبصورت اور مقبول عمل ہے کہ اس کی برکت سے انہیں وہ راستہ مل جائے گا جو انہیں حریم قدس تک پہنچا دے گا اور ان پر غیب کے دروازے کھل جائیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''وہ شخص جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ
اسے وہ علوم عطا کرتا ہے جن کو وہ نہیں جانتا'' (234)۔

آیت کا حکم عمومی ہے

یہ امر درست ہے کہ آیت کا نزول ایک مخصوص پس منظر رکھتا ہے لیکن آیت تمام مکلفین کو عموماً فیض یاب کرتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص بھی اطاعت کی راہ چلے گا اعلیٰ درجات اور بلند مراتب کی فضیلت اسے مل سکے گی۔

ضیاء الامت پیر کرم شاہ کی تفسیر

آیت میں پہلے مذبذب لوگوں کو اطاعت کی ترغیب دی گئی ہے۔ اب ان خوش نصیبوں کی خوش بختی کا ذکر کیا جا رہا ہے جنہیں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا شرف نصیب ہو، انبیاء کے بعد وہ صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں (235)۔

فخر الدین رازی کی خوبصورت باتیں

علامہ رازی فرماتے ہیں (236) کہ آیت میں اللہ کی اطاعت کا مطلب کیا ہے؟

خود جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ اطاعت کا مطلب اللہ کو الٰہ اور معبود ماننا ہے۔ ربّ تعالیٰ کو معبود ماننے ہی سے اللہ کی معرفت ضروری طور پر ملے گی۔ آخرت کے حوالے سے دو چیزیں ہیں جو قابل توجہ ہیں: پہلی تو یہ کہ قیامت کے دن تمام سعادتوں کا منشا یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے انوار سے روح روشن ہو جائے۔ ہر وہ شخص جس کے دل میں یہ انوار زیادہ ہوں گے اور صفائی زیادہ ہوگی یعنی کدورت سے جتنا وہ دور زیادہ ہوگا سعادت سے قریب وہ اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ دوسری عظیم چیز یہ ہے کہ اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت پر جو جزا ذکر فرمائی وہ عظیم، بڑی اور اچھوتی ہے کہ اطاعت گزاروں کو ساتھ حاصل ہوگا انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا۔ اس میں کھلا اشارہ اس جانب ہے کہ آیت میں اطاعت سے مراد بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شدت محبت ہے۔ کیا سہانا ماحول ہوگا جب جسمانی حجابات اٹھا

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا

دیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے جلال و کبریائی کے جلوؤں کا ظہور شروع ہو جائے گا۔

تفسیر مظہری کے روشن الفاظ

اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ لوگوں میں چار طبقات عظیمہ کا ذکر کیا گیا:

- سب سے پہلے اور سب سے اونچے اور مدارج میں سب سے بلند انبیائے کرام ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہیں اسی وجہ سے انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کی صفات کے تعین اور عرفان میں مبادی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آسان لفظوں میں یوں کہا جائے گا کہ انبیائے کرام کی صفات کو دیکھ کر صفات باری کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اس حقیقت کے اظہار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفات میں کوئی شریک نہیں ہوتا۔ صفات باری کا جلوہ ہی وجود انبیاء میں شعلہ زن ہوتا ہے۔ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی دائمی اور ذاتی صفات میں بلاحجاب مستغرق ہوتے ہیں۔ اسی کو کمالات نبوت سے تعبیر کیا جاتا ہے (237) اور ان کمالات پر انبیاء ہمیشہ کے لیے فائز ہوتے ہیں۔ ان کو مخلوق کی تکمیل اور تربیت کے لیے مبعوث کیا جاتا ہے اور اس لیے کہ وہ اپنی اُمت کے لوگوں کو ان کی استعداد کے مطابق اللہ کے ہاں مدارج ربیعہ پر فائز کریں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق لوگوں تک اللہ کے احکام کا ابلاغ کریں جو ان کے لیے دنیا اور آخرت میں نفع مند ہوں۔
- دوسرا طبقہ صدیقین کا ہے۔ یہ لفظ صدیق کی جمع ہے اور یہ فعیل کے وزن پر معنیٰ میں مبالغہ کے لیے آتا ہے۔ یہ لوگ صدق میں اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتے ہیں اور انبیائے کرام کی ظاہراً اور باطناً پیروی کا وصف انہیں حاصل ہوتا ہے۔ یہ کمالاتِ نبوت میں مستغرق ہوتے ہیں۔ ان کا جذبۂ اتباع اور صدق کی وجہ سے یہ بلا واسطہ مشکوٰۃ نبوت سے فیض یاب رہتے ہیں۔

''صدیق'' ہی کی لفظی اور معنوی تعبیر میں علامہ رشید رضا مصری لکھتے ہیں (238):

> ''صدیق وہ ہوتا ہے جس پر صدق غالب ہو''۔ راغب نے بھی صدیق کا معنیٰ یہی لکھا کہ افعال و اقوال میں صدق کثرۃً چھایا ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ صدیق وہ ہوتا ہے جس سے کذب صادر نہ ہو، صدیق کی معنوی تعبیر کرتے ہوئے وہ مزید لکھتے ہیں کہ اعتقاد میں صدق اور تصدیق دونوں صدیق کو حاصل ہوتے ہیں۔ صدیق کے

إِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

ذریعے مکارم شریعت کا کام لیا جاتا ہے۔ اس طبقہ کی فطرت زکی ہوتی ہے، مزاج معتدل ہوتا ہے، اسرار گہرے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی طبعی استعداد کی وجہ سے حق اور باطل میں فوراً تمیز کر لیتے ہیں۔ صدیقین کا باطن منور، صاف اور مجلّٰی ہوتا ہے۔ یہ ہمیشہ تصدیق حق ہی کی کرتے ہیں۔

- تیسرا طبقہ شہداء کا ہے۔ علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں: شہید کا وزن فعیل بمعنیٰ فاعل ہے وہ شخص جو کبھی نورِ برہان اور قوتِ بیان سے اور کبھی شمشیر و سنان سے دین الٰہی کی حقانیت کی شہادت دے وہ شہید کہلاتا ہے اور راہِ خدا میں قتل ہونے والے کو اسی مناسبت سے شہید کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی جان قربان کر کے دین کی حقانیت کی گواہی دی۔ وہ لوگ جو دنیا میں دین کی صداقت کے شاہد رہے وہی قیامت کے روز ''لِّتَكُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ'' کے مصداق ہوں گے (239)۔
- اور صالحین وہ لوگ ہوتے ہیں جو گھٹیا اور رذیل کاموں کو دور رکھ کر اپنے نفوس کو نیک بناتے ہیں اور محبت کے دریاؤں اور سمندروں سے جامِ محبت نوش کرتے ہیں۔ ہمہ دم اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں، یہی ذکر انہیں غیر اللہ سے دور رکھتا ہے اور گناہوں سے بچاتا ہے۔ وہ اپنے افعال کی وجہ سے تجلیات کے مستحق رہتے ہیں۔ یہی لوگ فنا فی اللہ اور بقا باللہ کی منزل پا لیتے ہیں۔ وہ ذاتی تجلیات کے شعلوں تک پہنچ جاتے ہیں لیکن یہ سارا کام اللہ کے فضل سے ہوتا ہے اور یہ بھی یاد رہے ذاتی تجلیات صفاتی تجلیات کے پردہ میں ہوتی ہیں، یہی لوگ اولیائے کرام بھی کہلاتے ہیں (240)۔

ذٰلِكَ الۡفَضۡلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيۡمًا ۝

''یہ اللہ کی طرف سے فضل کی باتیں ہوتی ہیں اور کافی ہے اللہ جاننے والا''۔

قرآن مجید کی یہ آیت گزشتہ آیت کے مفاہیم سے گہرا ربط رکھتی ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے ان کی مرافقت عطا کرنا اللہ کے فضل ہی سے ہے حالانکہ اعمال میں وہ شخص مرافقین سے فروتر ہے یہ محض اس کی محبت کی وجہ سے فضل کی بنیاد بن گیا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں (241):

''یہ محبت ہی ہے جو سبب بنی ہے کہ محب محبوب سے قرب

ذٰلِكَ: یہ، وہ
الۡفَضۡلُ: فضل
مِنَ اللّٰهِ: اللہ کی طرف سے
وَكَفٰى: اور کافی ہے
بِاللّٰهِ: اللہ
عَلِيۡمًا: جاننے والا

پا گیا ہے باوجود اس کے کہ اعمال محبوب کے اعمال کی
طرح نہیں ہو سکتے۔ محبت چونکہ دل کا معاملہ ہے اسے
صرف اللہ ہی جانتا ہے یہ تو کراماً کاتبین پر بھی عیاں نہیں''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قیامت کب قائم ہوگی؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تم پر رحم کرے تم نے اس کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے''؟

وہ عرض کرنے لگا: یا نبی اللہ میری اس کے لیے تیاری کچھ بھی نہیں بجز اس کے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے پیار کرتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تُو اس کی معیت ہی میں ہوگا جس سے تُو پیار کرتا ہے''۔

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں کو اسلام کے بعد اتنا زیادہ خوش ہونے والا نہیں دیکھا جتنا کہ وہ اس ارشاد کے سننے سے وہ خوش ہوئے (242)۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ یہ نافرمان ہیں یا یہ مطیع ہیں اور اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ مخلصین ہیں یا یہ منافقین ہیں اور وہ جانتا ہے کہ کسے مرافقت کا ملنا نصیب ہوگا اور کسے نصیب نہ ہوگا اور وہی جانتا ہے کہ کون کس درجہ کا مطیع ہے اور کس درجہ کا استحقاق مرافقت رکھتا ہے۔ استحقاق کی اصل وجہ تو اللہ کا وعدہ ہے (243)۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم مسکین لوگوں کو پاکیزہ اور قدسی لوگوں کی مرافقت کی صلاحیت عطا کر دے۔ وہ لوگ تو باران رحمت کے صاف اور شفاف پانی کی طرح ہیں۔ بہرحال ہم ایسے میلے کچیلے لوگوں کو صاف پانی کے دریا نہلانے کے لیے اپنے ساتھ ملا لیں تو دریائے رحمت کی عظمت میں تو کمی نہیں آئے گی لیکن ہمارا کام بن جائے گا۔

آیت کی تفسیر نماز مغرب کے وقت گنبد خضریٰ کے سامنے مکمل ہوئی۔

حضور! غلام صاف ہونے کے لیے آئے ہیں، نظر کرم فرما دیں

نگا ہے یارسول اللہ! نگا ہے

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا
جَمِيْعًا ﴿٧١﴾
وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ
اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿٧٢﴾
وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ
مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧٣﴾

(71) اے ایمان والو! اپنے چوکنّا رہنے میں لزوم برتو سو نکلو جماعتیں بن کر یا پھر اکٹھے ہو کر چلو

(72) اور یقیناً تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو ضرور ہی سستی دکھائے گا پھر اگر تم پر کوئی مصیبت پڑے تو کہے اللہ نے مجھ پر بڑا ہی انعام کیا ہے کہ میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا

(73) اور اگر تمہیں اللہ کی طرف سے کچھ مادی صورت میں فضل ملے تو وہ تڑپ کر کہے گویا تم میں اور اس میں کوئی پیار ہی نہ تھا اے کاش! میں اگر ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی زبردست مراد پائی ہوتی

مفردات

يٰۤاَيُّهَا: اے
الَّذِيۡنَ: وہ جو
اٰمَنُوۡا: ایمان لائے ہو
خُذُوۡا: پکڑو
حِذۡرَكُمۡ: ہوشیاری، احتیاط کے ساتھ، بیداری، اپنا بچاؤ وغیرہ
فَانْفِرُوۡا: سو نکلو
ثُبَاتٍ: تھوڑے تھوڑے ہو کر، چھوٹی چھوٹی جماعت میں
اَوِ: یا
انْفِرُوۡا: نکلو
جَمِيۡعًا: مل کر بڑی جماعت میں

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا خُذُوۡا حِذۡرَكُمۡ فَانْفِرُوۡا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوۡا جَمِيۡعًا ۝۷۱

''اے ایمان والو! اپنے چوکنا رہنے میں لزوم برتو سو نکلو جماعتیں بن کر یا پھر اکٹھے ہو کر چلو''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں مسلم جماعت کو تربیت کا نیا رنگ دیا جا رہا ہے۔ اس سوسائٹی کا ہر فرد عبادت کا معنی اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ اب انہیں بحیثیت قوم اور اُمت کے جینے کی تربیت دی جانے لگی ہے۔ انہیں جہاد فی سبیل اللہ کا عملی سبق دیا جانے لگا ہے۔ انہیں تازہ منہاج عمل دیتے ہوئے قرآن نے ان کے لیے راستہ خود متعین کیا ہے۔ انتہائی احتیاط کے ساتھ انہیں جنگی حکمت عملی سکھائی ہے۔ یہاں '' يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا '' سے خطاب ایمانی فضیلتوں کا اعتراف نہیں بلکہ جہادی حکم کی ادائیگی ہے۔ یہ آیت ایک آرڈر کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہاں مسلمانوں کو تین ضروری چیزیں سکھائی جارہی ہیں:

- پہلی چیز یہ ہے کہ تم ہوشیاری پکڑو زندگی کو سمجھو، اپنے اندر پہچان پیدا کرو تمہارا دوست کون ہے اور تمہارا دشمن کون ہے؟ '' خُذُوۡا '' لفظ کا معنی ہوتا ہے پکڑو۔ ڈھیلا، سست، غافل، کمزور اور ماحول نا آگاہ شخص کبھی بھی اتنے سخت حکم پر عمل نہیں کر سکتا۔ '' خُذُوۡا '' لفظ بذات خود احساس، عمل، طاقت، ہوشیاری اور بیداری کی تیزی پیدا کرتا ہے۔ ''حذر اور تحذر'' چوکنا رہنا، بیدار رہ کر اپنا بچاؤ کرنا ہوتا ہے۔ امام رازی نے اس کے دو معانی لکھے ہیں (244):
''ایک تو یہ کہ دشمن کے مقابلہ میں اپنے ہتھیار ساتھ رکھو اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ دشمن کی چالبازیوں سے بچ کر رہو، مفاد پرست منکرین کہیں تمہیں نقصان نہ پہنچا دیں''۔
- آیت میں دوسری چیز ''نفور'' ہے۔ اللہ کی راہ میں نکلنا۔ ''نفر'' کا لفظ لغوی اعتبار سے گھبراہٹ اور پریشانی میں نکلنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ نفرت لفظ بھی اس مادہ کی شاخ ہے، کسی کو ناپسند کرنا۔ ہو سکتا ہے کہ اشارہ اس جانب ہو کہ جنگ کے لیے نکلنا جب تک شعور اور احساس تیز نہ ہو مشکل ہوتا ہے۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ دشمن سے جہاد کے لیے نکلو، آگے حکمت عملی کو دو حصوں میں تقسیم کر کے بیان فرمایا: پہلی یہ کہ تم دستہ در دستہ بھی نکل سکتے ہیں۔ اس مفہوم کے لیے '' ثُبَاتٍ '' لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ ''ثبتہ'' کی جمع ہے۔ چھوٹی اور متفرق جماعت کو ''ثبتہ'' کہہ دیتے ہیں۔ لغوی معنی اس لفظ کا حوض میں پانی جمع کرنا ہوتا ہے، چونکہ حوض میں پانی تھوڑا تھوڑا کر کے جمع کیا جاتا ہے (245)۔

مفردات

وَ: اور
اِنَّ: بے شک
مِنۡكُمۡ: تم میں سے
لَمَنۡ: وہ ہے جو
لَّيُبَطِّئَنَّ: جو ضرور دیر لگائے گا
فَاِنۡ: پس اگر
اَصَابَتۡكُمۡ: پہنچے تمہیں
مُّصِيۡبَةٌ: مصیبت
قَالَ: کہے
قَدۡ اَنۡعَمَ: بے شک انعام کیا ہے
اللّٰهُ: اللہ
عَلَیَّ: مجھ پر
اِذۡ: جب
لَمۡ اَكُنۡ: میں نہ ہوا
مَّعَهُمۡ: ان کے ساتھ
شَهِيۡدًا: حاضر

❁ تیسری چیز آیت میں یہ سکھلائی کہ تم اگر ضرورت محسوس کرو تو یکبارگی بڑے لشکر کے ساتھ میں حملہ زن ہو سکتے ہو۔ مقصود تو یہ ہے کہ تمہارا خود حفاظتی نظام سمارٹ ہونا چاہیے۔ واللہ اعلم

وَاِنَّ مِنۡكُمۡ لَمَنۡ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنۡ اَصَابَتۡكُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَالَ قَدۡ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ اِذۡ لَمۡ اَكُنۡ مَّعَهُمۡ شَهِيۡدًا ﴿۷۲﴾

''اور یقیناً تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو ضرور ہی سستی دکھائے گا پھر اگر تم پر کوئی مصیبت پڑے تو کہے اللہ نے مجھ پر بڑا ہی انعام کیا ہے کہ میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا''۔

شانِ نزول

جلالین نے لکھا (246) کہ غزوۂ احد کے موقع پر عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین حضور ﷺ کے ساتھ اپنے رفقاء کی معیت میں نکلا لیکن راستے ہی سے اپنے تین سو ساتھیوں سمیت واپس ہو گیا، جب اسے یہ پتہ چلا کہ صحابہ کرام ستر کی تعداد میں شہید ہو گئے اور جو زندہ بچے انہیں زخموں نے چور کر دیا تو یہ خوشیوں کا جشن منانے لگ گیا اور کہنے لگا کہ ہم پر بڑا انعام ہوا کہ ہم راستے ہی سے واپس ہو گئے ورنہ کُوٹ پڑ جاتی۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

تعبیر بھی اور تصویر بھی

قرآن حکیم نے مدنی معاشرہ کی جیسے کڑی نگرانی خود شروع کر دی اور دیکھنا شروع کر دیا کہ جہاد سے ابطاء اور سستی کن لوگوں میں آ گئی ہے۔ وہ کس وجہ سے ست اور ڈھیلے پڑ گئے ہیں اور ان کے قدم آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹنے لگ گئے ہیں اور گھٹیا حرکتیں اور گھٹیا سوچیں ان کی گندگی ظاہر کرنے لگ گئی ہیں۔ ''لَّيُبَطِّئَنَّ'' میں لفظ بھاری استعمال کیا گیا ہے اور اس میں پھسلن بھی ہے۔ حرف کی ادائیگی میں معانی کی طرح کھچاؤ ہے۔ نفسیاتی کیفیت پوری طرح لفظ سے عیاں ہو رہی ہے اور منافقین کی طبع زاد سستی اور اختیاری چالبازی کے ساتھ ''ابطا'' لفظ سے پہلے ''مِنۡكُمۡ'' کہنا بھی کیفیات اور نفسیات کو پوری طرح عیاں کر رہا ہے کہ منافقین پوری کوشش کے ساتھ اسلامی تحریک میں جذب ہو کر شرارتیں کر رہے تھے۔ ابن عاشور نے ٹھیک لکھا کہ مسلمانوں کی مصیبت اور تکلیف پر یہ کہنا کہ اللہ نے ہمیں انعام سے نوازا ہے منافقت نہیں تو اور کیا ہے (247)۔ قرآن حکیم نے بھی منافقین کے دلوں میں پوشیدہ رازوں کو منکشف کر دیا۔

منافق اور مومن کی سوچ میں فرق

مومن جہاد میں شرکت کو انعام سمجھتا ہے اور منافق جہاد سے بچنے کو نعمت تصور کرتا ہے۔ جب ہی تو وہ کہتا ہے کہ اللہ نے انعام کیا کہ میں اُحد میں حاضر نہ ہوا۔ مومنوں کی سوچیں تو ایسی نہ تھیں۔ سید قطب نے ٹھیک

مفردات

لکھا کہ یہ چیونٹیوں کی طرح کے لوگ تھے (248)۔ ان کی نظریں بلند آفاق کو نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ منافقین بے حس، بے شعور اور مفاد پرست قسم کی قوم ہوتے ہیں۔ وہ اس بات کو ہضم ہی نہیں کر سکتے کہ جہاد میں مصیبت برداشت کرنا اللہ کا خصوصی انعام ہوتا ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے اور اس کا یہ انتخاب کمزوریوں کے ازالہ کے لیے ہوتا ہے اور اسلامی زندگی کو کمال تک پہنچانے کے لیے ہوتا ہے۔ مومن کے نزدیک اس کی جان اور مال کا مالک اللہ ہوتا ہے اس لیے وہ ہر تکلیف اور مصیبت کو اپنے خالق کا امتحان جانتا ہے۔ وہ تو اس راہ میں جان سے گزر ہی جاتا ہے اور اس شہادت کو اپنے لیے سر بلندی کا راز تصور کرتا ہے۔ آیت منافقین کے رویوں کی مذمت کرتی ہے اور مومنین کے انداز فکر کو نکھار کر پیش کرتی ہے۔

وَ لَئِنۡ اَصَابَكُمۡ فَضۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوۡلَنَّ كَاَنۡ لَّمۡ تَكُنۡۢ بَيۡنَكُمۡ وَ بَيۡنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيۡتَنِىۡ كُنۡتُ مَعَهُمۡ فَاَفُوۡزَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ۝٧٣

’’اور اگر تمہیں اللہ کی طرف سے کچھ مادی صورت میں فضل ملے تو وہ تڑپ کر کہے گویا تم میں اور اس میں کوئی پیار ہی نہ تھا اے کاش! میں اگر ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی زبردست مراد پائی ہوتی‘‘۔

مفاد پرست منافقین کے گھٹیا رویوں اور سوچوں کی تصویر کو قرآن میں مزید نمایاں کر کے بیان کیا جا رہا ہے تا کہ قرآن کا طالب دین کی راہ میں نفسیاتی رکاوٹوں کے منفی حربوں کو اچھی طرح جان سکے۔ منافقین کے نزدیک مال اور صرف مال کامیابی کا معیار ہوتا ہے۔ وہ زندگی صرف دنیا کو تصور کرتے ہیں۔ مال غنیمت کا مل جانا ان کے نزدیک فوز عظیم کی علامت ہے۔ مسلمانوں کو نقصان پہنچے تو یہ خوشیاں مناتے ہیں کہ اچھا ہوا ہم ان کے ساتھ نہیں تھے اور جب مال غنیمت ملے تو پھر یہ نسبتوں اور تعلقات کے قرینے تلاش کرتے ہیں تم لوگ اور ہم لوگ تو ایک ہی ہیں۔ ہمارے مسائل ایک ہی نوعیت کے ہیں، تم لوگوں کے دادا جان اور ہمارے دادا جان لنگوٹیے تھے، یہ ہمارا دودھ بھائی ہے۔ ہم سچ کے سنگی ہیں۔ فتح اور غنیمت ہماری سانجھی پونجی ہے جبکہ مسلمان اللہ کی راہ میں کبھی بوجھل قدموں کے ساتھ نہیں چلتا ہے وہ مصیبت اور غنیمت دونوں کو اللہ کا فضل تصور کرتا ہے۔ وہ اللہ سے عافیت کا ہمیشہ سوال کرتا ہے لیکن جب جہاد کے لیے اذان گونج جائے وہ لبیک کہہ کر کفن بر دوش ہوتا ہے۔ اس کی دوستی کے معیار منافقانہ نہیں ہوتے اور وہ مودّت کے ہار بھی ہر گلے میں نہیں ڈالتا۔ اس کی مودّتیں خاص لوگوں سے ہوتی ہیں۔ وہ اے کاش اے کاش کے منتر پڑھنے والے سامریوں کا یار نہیں ہوتا اور وہ فرضی کامیابیوں کے پنکچر غباروں میں ہوا نہیں بھرتا رہتا۔ اس کے نزدیک فوز عظیم کی دولت صرف اور صرف ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ کی طرف بڑھنے سے ملتی ہے اور ایسے نیک خو لوگ ہی اس کی مودّت کے اہل ہوتے ہیں۔

و اللہ اعلم

❁❁❁❁❁

وَلَئِنۡ: اور اگر
اَصَابَكُمۡ: پہنچا آپ لوگوں کو
فَضۡلٌ: فضل
مِّنَ: سے
اللّٰهِ: اللہ
لَيَقُوۡلَنَّ: تو ضرور کہے
كَاَنۡ: گویا کہ
لَّمۡ: نہ
تَكُنۡ: تھی
بَيۡنَكُمۡ: تمہارے درمیان
وَبَيۡنَهٗ: اور اس کے درمیان
مَوَدَّةٌ: دوستی
يّٰلَيۡتَنِىۡ: اے کاش کہ
كُنۡتُ: میں ہوتا
مَعَهُمۡ: ان کے ساتھ
فَاَفُوۡزَ: تو میں کامیاب ہوتا
فَوۡزًا: کامیاب ہونا
عَظِيۡمًا: بہت بڑا کامیاب ہونا

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ
وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا
عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ
النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ
الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا
مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

(74) سوان لوگوں کو اللہ کی راہ میں قتال کرنا چاہیے جو ہمہ دم دنیوی زندگی کے بدلے میں آخرت لیتے رہتے ہیں اور جو اللہ کی راہ میں لڑے پھر شہید ہو جائے یا غالب آئے تو عنقریب ہم اسے اجر عظیم عطا فرمائیں گے

(75) اور تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے حالانکہ مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے بے بس اور مظلوم تڑپ تڑپ کر دعا کر رہے ہیں ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ستم گر ہو گئے ہوں اور خاص اپنی طرف سے ہمارا کوئی حمایتی پیدا فرما اور کر دے ہمارے لیے اپنی طرف سے کسی کو مددگار

مفردات

فَلۡيُقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ يَشۡرُوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا بِالۡاٰخِرَةِ‌ ؕ وَمَنۡ
يُّقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَيُقۡتَلۡ اَوۡ يَغۡلِبۡ فَسَوۡفَ نُـؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۷۴﴾

''سوان لوگوں کو اللہ کی راہ میں قتال کرنا چاہیے جو ہمہ دم دنیوی زندگی کے بدلے میں آخرت لیتے رہتے ہیں اور جو اللہ کی راہ میں لڑے پھر شہید ہو جائے یا غالب آئے تو عنقریب ہم اسے اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے''۔

قرآن مجید کی یہ آیت اللہ کی راہ میں قدم اٹھانے والوں کے سامنے فدائیت کا ایک معیار قائم کرتی ہے۔ یہ عزیمت اور قربانی کا راستہ ہر کہ ومہ کے لیے نہیں بلکہ ان بلند بخت لوگوں کے لیے ہے جو اپنی زندگی اور اس کی نعمتوں کا سودا اپنے ربّ کے ساتھ کر چکے ہیں۔ وہ لوگ جو دنیا کو اپنا قبلۂ حیات قرار دے چکے ہیں وہ کسی اور بازار کا رخ کریں۔ مسلمانوں کی صفوں میں وہی اولوالعزم لوگ شریک ہو سکتے ہیں جو بلند ہمت ہوں، سرفروشی کی رسم انہیں نبھانا آتی ہو۔

یہاں آیت میں مکرر جہاد کے لیے ''سَبِيۡلِ اللّٰهِ'' کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ مسلمان کی جنگ مالِ غنیمت کے لیے نہیں ہوتی محض اقتدار کے چھیننے کے لیے نہیں ہوتی، ذاتی اور قومی برتری کے لیے نہیں ہوتی، کشور کشائی کے لیے نہیں ہوتی، منڈیوں کی ترجیحات کے لیے نہیں ہوتی، مصنوعات کے لیے خام مال کی فراہمی کے لیے نہیں ہوتی۔ اسلام صرف اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے ''سَبِيۡلِ اللّٰهِ'' کی قید اور معیار کے ساتھ جنگ لڑنے کی اجازت دیتا ہے۔ یہ بات سید قطب نے درست لکھی کہ مسلمان اللہ کے راستے میں نکلتا ہے، وہ صرف اللہ کا کلمہ بلند کرنا چاہتا ہے، وہ دنیا میں نظام ظلم ختم کرنے کی طرف بڑھتا ہے۔ جب مقصد نیک ہوتا ہے تو اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی اسے منزل کیا ملتی ہے۔ وہ زندہ غالب آجائے تو شہادت کا ثواب پاتا ہے اور قتل ہو جائے تو شہید ہو جاتا ہے۔ اجرِ عظیم ہر دو صورتوں میں اس کا مقدر ہوتا ہے(249)۔

واللہ اعلم

وَمَا لَـكُمۡ لَا تُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَالۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ
وَالۡوِلۡدَانِ الَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا مِنۡ هٰذِهِ الۡقَرۡيَةِ الظَّالِمِ اَهۡلُهَا‌ ۚ
وَاجۡعَلْ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا ۙۚ وَّاجۡعَلْ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ نَصِيۡرًا ﴿۷۵﴾

''اور تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے حالانکہ مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے

فَلۡيُقَاتِلۡ: پس چاہیے کہ لڑا کریں
فِىۡ: میں
سَبِيۡلِ: راہ
اللّٰهِ: اللہ
الَّذِيۡنَ: وہ، جو
يَشۡرُوۡنَ: بیچ دی ہے
الۡحَيٰوةَ: زندگی
الدُّنۡيَا: دنیا
بِالۡاٰخِرَةِ: عوض آخرت کے
وَمَنۡ: اور جو
يُّقَاتِلۡ: لڑے
فِىۡ: میں
سَبِيۡلِ: راہ
اللّٰهِ: اللہ
فَيُقۡتَلۡ: تو وہ مارا جائے
اَوۡ: یا
يَغۡلِبۡ: غالب آئے
فَسَوۡفَ: تو عنقریب
نُـؤۡتِيۡهِ: ہم دیں گے
اَجۡرًا: اجر
عَظِيۡمًا: عظیم

وَمَا: اور کیا ہوا
لَـكُمۡ: تمہیں
لَا: نہیں
تُقَاتِلُوۡنَ: تم قتال کرتے
فِىۡ: میں

مفردات

سَبِيۡلِ: راستے
اللّٰهِ: اللہ
وَالۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ: اور بے بس، کمزور، مغلوب الحال
مِنَ: سے
الرِّجَالِ: مردوں میں سے
وَالنِّسَآءِ: اور عورتوں
وَالۡوِلۡدَانِ: اور بچوں
الَّذِيۡنَ: وہ جو
يَقُوۡلُوۡنَ: کہتے ہیں
رَبَّنَآ: ربّ ہمارے
اَخۡرِجۡنَا: نکال ہم کو
مِنۡ: سے
هٰذِهِ: اس
الۡقَرۡيَةِ: بستی
الظَّالِمِ: ظلم کرنے والے ہیں
اَهۡلُهَا: اس کے رہنے والے
وَاجۡعَلۡ: اور کر
لَّنَا: ہمارے لیے
مِنۡ: سے
لَّدُنۡكَ: خاص اپنی جناب سے
وَلِيًّا: کوئی حمایتی
وَّاجۡعَلۡ: اور بنا
لَّنَا: ہمارے لیے
مِنۡ: سے
لَّدُنۡكَ: خاص اپنی جناب سے
نَصِيۡرًا: مددگار

بے بس اور مظلوم تڑپ تڑپ کر دعا کر رہے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ستم گر ہو گئے ہوں اور خاص اپنی طرف سے ہمارا کوئی حمایتی پیدا فرما اور کر دے ہمارے لیے اپنی طرف سے کسی کو مددگار''۔

قرآن مجید کی یہ آیت مقاصدِ جہاد متعین کرتی ہے۔ اسلامی احساسات میں دلوں کو مظلوم پر ترس کھانے کی دھڑکنیں عطا کرتی ہے۔ اعلائے کلمۃ اللہ جہاد کا مقصد عظیم ہے لیکن اس سوچ کے درخت کے ساتھ جن افکار کا پھل آتا ہے وہ مظلوم کا کرب اور پریشانی محسوس کرنی ہے۔ آیت یہ درس دیتی ہے کہ مظلوم لوگوں، مجبور لوگوں اور مقہور لوگوں کی بے بسیوں، کمزوریوں اور ناتوانیوں کو سمجھا جائے اور ان کی مدد کرنے کے لیے اور انہیں آزادی کی روح بخشنے کے لیے ظالم کے خلاف قتال و جہاد کا علم بلند کیا جائے۔ آیت میں ضعیف مردوں، کمزور عورتوں اور پریشانیوں سے کراہتے بچوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس سے مقصود مسلمانوں کی حمیت اور غیرت کو جوش میں لانا ہے۔ ظاہر ہے بچوں کی چیخیں، عورتوں کا درکنا اور ریزہ ریزہ ہو جانا اور مردوں کی بے بسیاں جذبات کے سمندر میں تلاطم پیدا کرتی ہیں، خصوصاً دعاؤں کے اندر مظلومیت کی کہانیاں چیخ رہی ہیں اس سے بندہ اپنے خدا سے قریب محسوس ہو رہا ہے۔ دعائیں سفینۂ نجات ہیں لیکن اصل میں مسلمانوں کے ضمیر کو جھنجھوڑا جا رہا ہے۔ آیت نے جس ملک، قریہ اور بستی کا ذکر کیا ہے اس کی تعریف صرف یہ کی ہے کہ اس شہر کے لوگ ظالم ہیں، مسلمانوں پر فرض ہے کہ مظلوم انسانوں اور مظلوم مسلمانوں کو شکنجۂ غلامی سے نجات دلانے کے لیے جنگ کریں۔

آیت میں جس قریہ کا ذکر ہے وہ مکہ شریف ہے جو مہاجرین کا اصل وطن تھا۔ ادھر انہیں جوش دلایا گیا کہ مظلوموں کے حق میں آواز ہی نہیں تلوار اٹھالیں اور دوسری طرف مستضعفین اور مظلومین کو شعور دیا گیا کہ وہ موقع پاتے ہی اپنی نظریاتی مملکت اور فکری آماجگاہ میں مسلمانوں سے آملیں۔ آیت کا بیانیہ اسلامی مزاج کو اچھی طرح آشکار کر رہا ہے کہ مسلمان کی جنگ زمین کے ٹکڑے کے لیے نہیں مومن بھائیوں کے ظلم سے نجات کے لیے ہے۔ مسلمان کا جھنڈا ہمیشہ اس کے ایمان اور عقیدے کا جھنڈا ہوتا ہے۔ مسلمان کے نزدیک اس کی زندگی میں سب سے اہم چیز اس کا دین ہوتا ہے، اس کا نظریہ ہوتا ہے اور اس کی صالح فکر ہوتی ہے۔

آیت میں ''الۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ'' اسم جلالت اللہ پر معطوف ہے۔ مفہوم ہوگا ''فِيۡ سَبِيۡلِ الۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ'' اشارہ اس طرف ہے کہ کمزوروں کی نجات بھی فی سبیل اللہ ہی کے قائم مقام ہے۔ زھری اور زجاج نے یہی تفسیر کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے میں اور میری والدہ کمزور لوگوں میں سے تھے اور

میں خود مظلوم بچوں میں سے تھا(250)۔

علامہ اسماعیل حقی نے لکھا کہ دعائیہ کلمات میں ''وَلِيًّا'' بمعنیٰ والی ہے۔اس صورت میں مفہوم یہ بنتا ہے کہ پروردگار ہمارے! ہمارے مسلمانوں میں سے کوئی والی بنا جو اچھے کام کرکے ہماری مدد کرے اور ہمارے ملک میں دین اور شریعت نافذ کرے اور ''نَصِيْرًا'' میں طلب ایسے مددگار کی ہے جو مسلمانوں کے دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرے۔مسلمانوں کی یہ دعا مقبول ہوگئی اور مظلومین فتح مکہ سے پہلے ہجرت کرکے مدینہ آگئے اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آسانیاں پیدا فرمادیں(251)۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ
فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ
ضَعِيْفًا ﴿٧٦﴾ ع

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا
الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ
النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا
الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ
وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۛ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧٧﴾

(76) وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور وہ لوگ جو کافر ہوئے وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں سو شیطان کے حامیوں سے خوب لڑو بے شک شیطان کا ہر داؤ کمزور اور نابود ہے

(77) کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھ نہ لیا جن سے کہا گیا تھا کہ روک لو اپنے ہاتھوں کو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو پھر جب ان پر قتال فرض ہوا تو ان میں سے ایک گروہ لوگوں سے یوں ڈرنے لگا جیسے اللہ سے ڈرا جاتا ہے یا اس سے بھی زیادہ وہ ڈرنے لگے اور کہنے لگے: اے ہمارے ربّ! تو نے ہم پر لڑائی کیوں فرض کر دی، کیا اچھا ہوتا کہ تو اسے قریب کی کسی مدت تک مؤخر کر دیتا محبوب فرمائیے! دنیا کا ساز و سامان تو بہت تھوڑا سا ہے اور تقویٰ کرنے والے کے لیے تو آخرت بہت ہی بہتر ہے اور تم پر دھاگے برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا

مفردات

اَلَّذِیۡنَ: وہ جو
اٰمَنُوۡا: ایمان لائے
یُقَاتِلُوۡنَ: قتال کرتے ہیں
فِیۡ: میں
سَبِیۡلِ: راستہ
اللّٰہِ: اللہ
وَالَّذِیۡنَ: اور وہ جو
کَفَرُوۡا: منکر ہوئے
یُقَاتِلُوۡنَ: جنگ کرتے ہیں
فِیۡ: میں، بیچ
سَبِیۡلِ: راہ
الطَّاغُوۡتِ: شیطان، بت، شر کو طاقت دینے والی مخلوق اور شرک کی ٹیک
فَقَاتِلُوۡٓا: سو جنگ کرو طاغوت کے مقابلے میں
اَوۡلِیَآءَ: دوستوں، مددگاروں اور حمایتیوں
الشَّیۡطٰنِ: شیطان
اِنَّ: بے شک
کَیۡدَ: مکر، چال اور فریب
الشَّیۡطٰنِ: شیطان
کَانَ: ہے
ضَعِیۡفًا: کمزور

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۚ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ الطَّاغُوۡتِ فَقَاتِلُوۡٓا اَوۡلِیَآءَ الشَّیۡطٰنِ ۚ اِنَّ کَیۡدَ الشَّیۡطٰنِ کَانَ ضَعِیۡفًا ﴿۷۶﴾

''وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور وہ لوگ جو کافر ہوئے وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں سو شیطان کے حامیوں سے خوب لڑو بے شک شیطان کا ہر داؤ کمزور اور نابود ہے''۔

اس آیت میں قتال اور جنگ کی ظاہری حالتوں کو پرکھنے کی اساس فراہم کی جا رہی ہے کہ دیکھا یہ جائے کہ کون کس کی راہ میں اپنی جان اور مال کا اثاثہ لٹا رہا ہے؟ پہلے مومنانہ سوچ، عمل، تحریک اور قتال پر روشنی ڈالی گئی کہ مومن کی لڑائی کے سامنے مقاصد عظیمہ ہوتے ہیں، وہ اللہ کے دین کو قوت دیتا ہے اور آیت یہ بات بھی کھول دیتی ہے جو اللہ کی رضا کا پرستار ہوتا ہے اسی کا جہاد فی سبیل اللہ ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو شیطانی نظاموں کو طاقت دینے کے لیے تلواریں بے نیام کر لیتے ہیں، ان کی جنگیں بھی شیطانوں اور طواغیت کو خوش کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو طاقت دیتا ہے جبکہ شیطانوں کے مکر، حیلے اور فریب شر کو پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ مدد اللہ ہی کی موثر ہوتی ہے۔

علامہ فخر الدین رازی کی عبارت چشم کشا ہے (252):

> ''کیا تم دیکھتے نہیں کہ اہل خیر، اہل دین اور اہل محبت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زمانوں میں چھا جاتے ہیں، ان کا ذکر جمیل اپنی خوشبو کے ساتھ عام ہو جاتا ہے جبکہ دنیا میں انہوں نے کمزوری اور گمنامی میں زندگی گزاری ہوتی ہے لیکن جابر اور ظالم بادشاہ دنیا کی زندگی میں فاخرانہ اور ظالمانہ زندگی گزارتے ہیں لیکن مرنے کے بعد ان کے نشانات مٹا دیے جاتے ہیں اور ان کا کوئی تذکرہ کرنے والا بھی نہیں بچتا''۔

سورۃ النساء کی یہ آیت مکائد شیطانی کے کمزور ہونے کی بات کرتی ہے۔ یہ ذہن میں رہے کہ اس کی دو شرطیں ہیں:

- ایک تو یہ کہ شیطانی مکائد کا جال جس کے خلاف پھیلایا جا رہا ہے وہ مسلمان ہو۔ اسلام اور

مفردات

اَلَمۡ: کیا نہ
تَرَ: تو نے دیکھا
اِلَی: کی طرف
الَّذِیۡنَ: جن سے
قِیۡلَ: کہا گیا
لَهُمۡ: ان سے
کُفُّوۡۤا: روک لو
اَیۡدِیَکُمۡ: اپنے ہاتھوں کو
وَاَقِیۡمُوا: اور قائم کرو
الصَّلٰوۃَ: نماز
وَاٰتُوا: اور دو
الزَّکٰوۃَ: زکوٰۃ
فَلَمَّا: پھر جب
کُتِبَ: لکھ دیا گیا، فرض کر دیا گیا
عَلَیۡهِمُ: ان پر
الۡقِتَالُ: قتال، جنگ
اِذَا: اسی وقت
فَرِیۡقٌ: ایک گروہ
مِّنۡهُمۡ: ان میں سے
یَخۡشَوۡنَ: ڈرنے لگے
النَّاسَ: لوگوں سے
کَخَشۡیَۃِ: جیسے ڈرا جاتا ہے
اللّٰهِ: اللہ سے
اَوۡ: یا
اَشَدَّ: اس سے بھی زیادہ
خَشۡیَۃً: ڈرنے لگے
وَقَالُوۡا: اور بولے
رَبَّنَا: پروردگار ہمارے

ایمان ایک طاقت ہے، توانائی ہے اور خدائی مدد کا قلعہ ہے۔ شیطانی مکر و فریب مسلمان کو مستقل کمزور نہیں کر سکتے بلکہ قرآن کہتا ہے کہ شیطانی سازشوں کے جال ہمیشہ کمزور ہوتے ہیں۔

- دوسری شرط یہ ہے کہ مسلمانوں کا کام بھی دینی ہو، خدائی ہو اور نیت بھی صالحہ ہو اور پرچم کشائی بھی اللہ کی رضا کی خاطر ہو کوئی دنیوی اور نفسانی غرض نہ ہو۔

واللہ اعلم

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ قِیۡلَ لَهُمۡ کُفُّوۡۤا اَیۡدِیَکُمۡ وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ۚ فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیۡهِمُ الۡقِتَالُ اِذَا فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ یَخۡشَوۡنَ النَّاسَ کَخَشۡیَۃِ اللّٰهِ اَوۡ اَشَدَّ خَشۡیَۃً ۚ وَقَالُوۡا رَبَّنَا لِمَ کَتَبۡتَ عَلَیۡنَا الۡقِتَالَ ۚ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنَاۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ ؕ قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡیَا قَلِیۡلٌ ۚ وَالۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی ۟ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ فَتِیۡلًا ﴿۷۷﴾

”کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھ نہ لیا جن سے کہا گیا تھا کہ روک لو اپنے ہاتھوں کو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو پھر جب ان پر قتال فرض ہوا تو ان میں سے ایک گروہ لوگوں سے یوں ڈرنے لگا جیسے اللہ سے ڈرا جاتا ہے یا اس سے بھی زیادہ وہ ڈرنے لگے اور کہنے لگے: اے ہمارے ربّ! تو نے ہم پر لڑائی کیوں فرض کر دی، کیا اچھا ہوتا کہ تو اسے قریب کی کسی مدت تک مؤخر کر دیتا، محبوب فرمائیے! دنیا کا ساز و سامان تو بہت تھوڑا سا ہے اور تقویٰ کرنے والے کے لیے تو آخرت بہت ہی بہتر ہے اور تم پر دھاگے برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا“۔

آیت کا تفسیری پس منظر

کفار اور مشرکین کے علاقوں میں مسلمانوں کی حالت ابتر ہوگئی۔ مکہ کی عظیم المرتبت بستی میں بھی جو مسلمان ہجرت کر کے مدینہ نہ آسکے وہ بے بسی کی زندگی گزارنے لگے۔ قرآن مجید نے مدنی مسلمانوں میں غیرت اور حمیت کو تیز کیا اور انہیں مظلوموں کی مدد پر رغبت دلائی۔ مسلمان جب اپنے پاکیزہ جذبوں کا اظہار کرتے تو منافقین بھی ڈینگیں مارتے۔ مصنوعی جوش و خروش سے ظاہر کرتے کہ وہ جنگ کے لیے بے تاب ہیں حالانکہ یہ سب کچھ لاف زنی سے آگے کی چیز نہیں تھی۔ یہ اصل میں فریبی، حیلہ گر اور بزدل لوگ تھے لیکن جب جنگ کے لیے بے تابی ظاہر کرنے کے لیے شور ڈالتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں روکتے کہ ابھی ٹھہر جاؤ جب اجازت ہوگی تو ولولۂ ایمانی سے قدم بڑھائیں گے۔ فی وقت اپنی اصلاح، قیام نماز

مفردات

لِمَ كَتَبۡتَ: کیوں فرض کیا
عَلَيۡنَا: ہم پر
الۡقِتَالَ: قتال
لَوۡلَآ: کیوں نہ
اَخَّرۡتَنَآ: چھوڑے رکھا ہمیں
اِلٰٓى: تک
اَجَلٍ: میعاد
قَرِيۡبٍ: قریبی
قُلۡ: فرما دو
مَتَاعُ: سامان
الدُّنۡيَا: دنیا کا
قَلِيۡلٌ: تھوڑا ہے
وَالۡاٰخِرَةُ: اور آخرت
خَيۡرٌ: بہتر ہے
لِّمَنِ: اس کے لیے
اتَّقٰى: جو ڈرا
وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ: اور تم ظلم نہ کیے جاؤ گے
فَتِيۡلًا: تاگے، تاگہ کھجور کی گٹھلی کے ریشہ کو کہتے ہیں

اور انفاق فی سبیل اللہ سے کرو حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ منافق کے لیے تو نماز قائم کرنا بھی صعب امر ہے۔ یہ لوگ تو راہِ تربیت میں پھوٹی کوڑی بھی خرچ کرنے کے قابل نہ ہوتے۔ نماز اور زکوٰۃ کو عملاً معاشرہ میں نافذ کرنے کا فائدہ بھی مسلم سوسائٹی ہی کو ہوسکتا ہے اور جہاں تک تعلق جہاد کا ہے اس میں خلوص، خدا پرستی اور نظم واطاعت، اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کی روحانی ریاضت ہی سے ممکن ہے۔

جب جہاد فرض ہوگیا

وقت آگیا کہ جہاد فرض کر دیا گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذبوں میں آتش محبت بھڑک گئی لیکن منافقین کو سانپ سونگھ گیا۔ ان میں سے ایک فریق تھا وہ تو جیسے برف میں شل ہوگیا ہو، ان پر طاری خوف نے ان کو بے حس کر دیا، وہ لوگوں سے ایسے ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرا جاتا ہے۔ علامہ قرطبی نے لکھا کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جب اسلام کی خاطر سر کٹانے کی باری آئی تو ان کے اوسان خطا ہوگئے۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں ''رَبَّنَا لِمَ كَتَبۡتَ'' کا جملہ صحابہ کی زبان سے نہیں نکل سکتا وہ تو اس دارفنا کو الوداع کہہ کر آخرت کی ابدی نعمتوں سے ہم کنار ہونے کے لیے ہر وقت بے تاب رہا کرتے تھے (253)۔

دنیا پرستی ام الامراض ہے

آیت اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ وہ شخص جو اخروی زندگی کی حقیقتوں کا مکمل ادراک نہیں رکھتا وہ دنیا کی رونقوں ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے، وہ جہاد ایسے حکم کو بسرو چشم قبول نہیں کر سکتا۔ اس کی خواہش ہوتی ہے معاملہ ٹل جائے اور کچھ وقت تک کے لیے مہلت مل جائے۔ دوسرا یہ کہ قرآن حکیم نے یہ بات سمجھائی کہ متاع دنیا قلیل ہے جس نے بہرصورت فنا کے دائرے میں تحلیل ہوجانا ہے۔

خواجہ حسن بصری نے ایک مرتبہ آیت کا یہ حصہ تلاوت کر کے فرمایا: اللہ رحم کرے اس آدمی پر جو دنیا کا مصاحب بنا ہوتا ہے حالانکہ دنیا اول تا آخر اس کے لیے ایسے ہی ہوتی ہے جیسے ایک آدمی سو جائے اور خواب میں اپنی پسندیدہ چیز دیکھے، پھر جاگے تو اس کے ہاتھ کچھ نہ آئے (254)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (255):

> ''آخرت کے مقابلہ میں دنیا ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص
> شہادت کی انگلی دریا میں ڈالے پھر نکال لے پھر دیکھے
> انگلی کے ساتھ وہ دریا سے کیا لوٹا لایا''۔

آخر میں یہ کہا گیا کہ آخرت تو تقویٰ داروں کا جہاں ہے وہاں گٹھلی پر ریشہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔

❁❁❁❁❁

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ
وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ
سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ
هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾
مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ
نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾
مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ
حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾

(78) تم جہاں کہیں ہوئے موت تمہیں آ لے گی کیوں نہ تم مضبوط قلعوں میں رہو اور انہیں اگر کچھ بھلائی پہنچے تو کہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کچھ برائی پہنچے تو کہیں یہ آپ کی طرف سے ہے، فرمایئے! سب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے تو کیا ہوا اس قوم کو کہ قریب ہی نہیں آتے کہ بات کو سمجھیں

(79) جو تمہیں بھلائی سے پہنچے سمجھو کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو کچھ تمہیں برائی سے پہنچے تو وہ تمہارے اپنے ہی نفس کی طرف سے ہوتی ہے اور آپ کو تو ہم نے لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا اور گواہی اللہ ہی کی کافی ہے

(80) جو رسول کی اطاعت کرتا ہے سو سمجھو کہ اس نے اللہ کی اطاعت کر ہی دی اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا

مفردات

اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ وَ لَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ ؕ وَ اِنۡ تُصِبۡہُمۡ حَسَنَۃٌ یَّقُوۡلُوۡا ہٰذِہٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ۚ وَ اِنۡ تُصِبۡہُمۡ سَیِّئَۃٌ یَّقُوۡلُوۡا ہٰذِہٖ مِنۡ عِنۡدِکَ ؕ قُلۡ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ؕ فَمَالِ ہٰۤؤُلَآءِ الۡقَوۡمِ لَا یَکَادُوۡنَ یَفۡقَہُوۡنَ حَدِیۡثًا ﴿۷۸﴾

''تم جہاں کہیں ہوئے موت تمہیں آ لے گی کیوں نہ تم مضبوط قلعوں میں رہو اور انہیں اگر کچھ بھلائی پہنچے تو کہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کچھ بُرائی پہنچے تو کہیں یہ آپ کی طرف سے ہے، فرمایئے! سب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے تو کیا ہوا اس قوم کو کہ قریب ہی نہیں آتے کہ بات کو سمجھیں''۔

قرآن مجید کی یہ آیت ذہنوں، خیالوں اور روحوں میں ایک حقیقت لے کر اترتی ہے۔ تم جہاں کہیں بھی ہو موت نے تمہیں پالینا ہے۔

واصف علی واصف لکھتے ہیں (256):

''موت سے زیادہ خوفناک شے موت کا ڈر ہے، جیسے جیسے زندگی کا شعور بڑھتا ہے زندگی کی محبت بڑھتی ہے اور موت کا خوف بڑھنے لگ جاتا ہے۔ جس کو زندگی سے محبت نہ ہو اسے موت کا خوف کیا ہو سکتا ہے؟ جب انسان کے دل میں موت کا خوف پیدا ہو جائے تو اس کی حالت عجیب ہوتی ہے ایسے جیسے کوئی انسان رات کو اندھیرے سے بھاگ جانا چاہے یا دن کو روشنی سے بھاگ جانا چاہے بھاگ نہیں سکتا''۔

موت جب محاصرہ کرتی ہے تو وہ ہر جانب سے حملہ کرتی، آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے۔ روح کی طرح موت بھی انسان کے اندر ہی چھپی ہوتی ہے، اس سے کسی صورت فرار نہیں۔ زندگی جب اپنا عمل ختم کر دے تو اسی کا نام موت ہے۔

قرآن کہتا ہے تم مضبوط برجوں میں بھی ہو تو موت نے تم سے ہم آغوش ہونا ہوتا ہے۔ بروج برج کی جمع ہے۔

اَیۡنَ مَا: جہاں کہیں
تَکُوۡنُوۡا: تم ہوگے
یُدۡرِکۡکُّمُ: پالے گی تمہیں
الۡمَوۡتُ: موت
وَلَوۡ: اور اگر کیوں نہ
کُنۡتُمۡ: ہو تم
فِیۡ: میں
بُرُوۡجٍ: مضبوط قلعوں میں
مُّشَیَّدَۃٍ: مضبوط اور آراستہ
وَ اِنۡ: اور اگر
تُصِبۡہُمۡ: پہنچے انہیں
حَسَنَۃٌ: نیکی، بھلائی
یَّقُوۡلُوۡا: کہتے ہیں
ہٰذِہٖ: یہ
مِنۡ: سے
عِنۡدِ: طرف سے
اللّٰہِ: اللہ
وَ اِنۡ: اور اگر
تُصِبۡہُمۡ: پہنچے انہیں
سَیِّئَۃٌ: کوئی بُرائی، نقصان دہ چیز
یَّقُوۡلُوۡا: کہتے ہیں
ہٰذِہٖ: یہ سب کچھ
مِنۡ: سے
عِنۡدِکَ: آپ کی وجہ سے ہے، آپ کی طرف سے ہے
قُلۡ: فرمایئے
کُلٌّ: سب کچھ
مِّنۡ عِنۡدِ: کی طرف سے

مفردات

اللّٰہِ: اللہ
فَمَالِ: تو کیا ہے
ھٰۤؤُلَآءِ: اس
الۡقَوۡمِ: قوم کو
لَا یَکَادُوۡنَ: قریب نہیں آتے
یَفۡقَھُوۡنَ: کہ وہ سمجھیں
حَدِیۡثًا: بات کو

کلام عرب میں ''بُرُوۡجٍ'' کا اطلاق محلات اور قلعوں پر ہوتا ہے۔ اساسی طور پر اس لفظ کا معنیٰ ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ عورت جب محاسن کرے تو یہ ''تبرج'' کہلاتا ہے۔ مضبوط گھر اور خوبصورت گھر تمہیں موت سے بچا نہیں سکتے (257)۔

''مُّشَیَّدَۃٍ'' کا معنیٰ

تاج العروس نے لکھا کہ ''مُّشَیَّدَۃٍ'' کا معنیٰ ''المرتفعه'' ہوتا ہے۔ ایسا محل جو بلند و بانگ ہوا سے ''مُّشَیَّدَۃٍ'' کی صفت سے متصف سمجھا جاتا ہے۔ زمخشری نے لکھا کہ یہ لفظ ''شاد القصر'' سے نکلا ہے۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی محل کو بہت بلند کیا جائے یا کسی قلعہ کو چونا وغیرہ لگا کر مضبوط اور آراستہ کیا جائے۔ اشارۂ کلامی یہ ہوگا کہ تم مضبوط اور اُونچے قلعوں میں بھی ہو تو موت نے تمہیں پڑ جانا ہے (258)۔

تفسیری انطباق

آیت کا تفسیری عمود منافقین کا موت سے خوف ہے۔ جہاد یہی وجہ ہے کہ ان پر بھاری ہوتا ہے، وہ موت کے ڈر سے اس میں شریک نہیں ہوتے۔ سمجھایا یہ جا رہا ہے کہ موت سے تو کسی بھی صورت میں چھٹکارا نہیں۔ انسان کشاں کشاں خود ہی اس تک پہنچ جاتا ہے۔ تحیرات کی دنیا بھی واہ واہ ہے، انسان زندگی کے امکانات تلاش کرتے کرتے بند گلی میں آ کر پھنس جاتا ہے جہاں سے مڑنا مشکل ہوتا ہے۔ موت زندگی کے سفر میں آخری مرحلہ ہے جہاں سے غیبی طاقتیں آگے کھینچ لیتی ہیں اس لیے موت کی فکر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، زندگی کے بہتر استعمال کی کوشش ہونی چاہیے۔

کم ظرفی کی انتہا

منافقین کے نفاق کی تصویر قرآن مجید نے انتہائی نزدیک سے لی ہے اور ایک اور بری خصلت آیت نے ظاہر کر دی کہ منافق لوگ اگر دیکھیں کہ مسلمان فاتح ہو گئے ہیں، مال غنیمت مل گیا یا کوئی بھلائی مسلم معاشرے میں نمایاں طور پر محسوس ہونے لگ گئی ہے یا امن کے زمانے میں باغوں نے پھل اچھا دے دیا تو کہتے ہیں یہ تو تقدیری طور پر اتفاق سے سب کچھ مل گیا ہے یا ہمارے تجربے، محنتیں اور چالاکیاں ہمرکاب ہوئی ہیں اور اللہ نے نواز دیا اور اس کے برعکس کوئی نقصان ہو جائے، محرومی ہو جائے اور لڑائی میں زخم پہنچ جائیں تو بے دھڑک یہ منافق لوگ اس کو مکروہ جان کر محمد ﷺ کی

طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ نحوست کو جان رحمت کی طرف منسوب کر دینا منافقوں کی شدید حماقت، عمیق جہالت اور مہلک ترین عناد پر دلالت کرتا ہے (259)۔

''حَسَنَةٌ'' اور ''سَيِّئَةٌ'' کا مفہوم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''حَسَنَةٌ'' سے مراد امن اور سلامتی ہے اور ''سَيِّئَةٌ'' سے مراد قحط سالی اور مہنگائی ہے۔ ایک دوسرے قول سے ''حَسَنَةٌ'' سے مراد خوشی حاصل ہونا ہے اور ''سَيِّئَةٌ'' سے مراد تکلیف پہنچنا ہے۔ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''حَسَنَةٌ'' سے مراد نعمتیں اور فتح و غنیمت وغیرہ جو بدر میں ملیں وہ ہیں اور ''سَيِّئَةٌ'' سے مراد اُحد میں ملنے والی تکلیفیں اور مصیبتیں ہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ ''حَسَنَةٌ'' سے مراد غنی ہونا ہے اور ''سَيِّئَةٌ'' سے مراد احتیاج اور فقر ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی کوئی خوبی یہودی منافقوں کو اچھی نہ لگتی اور ہر بُری حالت سے وہ بدشگونی کا معنیٰ لیتے (260)۔

آیت میں آخری جملہ یہ ہے کہ یہ منافق لوگ بات کو سمجھنے سے قریب ہی نہیں آتے۔ سوال ہے کس بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے؟ قرطبی نے لکھا کہ اس جملہ سے پہلے یہ کہا گیا تھا کہ محبوب فرمادو! یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے، یہ ہے وہ حقیقت جو منافقوں کی روح میں نہیں اترتی (261)۔

ابوحیان اندلسی نے اس جملہ کو یوں سمجھا ہے (262):

> ''سن لو ان منافقین کے نصیب کی شامت تو اللہ کے
> ہاں ہے لیکن ان میں سے اکثر کو یہ بات سمجھ ہی نہیں
> آتی''۔

ابوحیان نے یہ بھی لکھا کہ یہ جملہ یہودیوں اور منافقوں کی کم عقلی، بے سمجھی، کم ظرفی اور حماقت کے بیان میں زور پیدا کرنے کے لیے فنی زبان میں کہا جائے گا کہ معنیٰ میں مبالغہ کے لیے ہے۔

تفسیر صاوی کی یہ عبارت عقیدہ میں استحکام لانے کے لیے خوبصورت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ اسے کوئی مصیبت اور بیماری پہنچے یا اسے کوئی کانٹا چبھے، یہاں تک کہ اس کے جوتے کا تسمہ ٹوٹے تو اس کی وجہ اس کا کوئی گناہ یا غلطی ہوتی ہے جبکہ دوسری حدیث میں کہا گیا کہ سب سے زیادہ مصیبتیں انبیاء پر آتی ہیں۔ ان دونوں میں تطبیق یہ ہوگی کہ مصیبتوں کا آنا کبھی گناہوں کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی مصیبتیں امتحان اور آزمائش کے لیے ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ محبت اور صبر کی وجہ سے مقامات اور مدارج میں اضافہ فرماتا ہے (263)۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

مفردات

مَا: جو
اَصَابَکَ: پہنچا تم کو
مِنۡ: سے
حَسَنَۃٍ: نیکی، بھلائی اور خوبی
فَمِنَ: تو، کی طرف سے
اللّٰہِ: اللہ
وَمَا: اور جو
اَصَابَکَ: پہنچا تم کو
مِنۡ: سے
سَیِّئَۃٍ: بُرائی سے یا مصیبت، تکلیف
فَمِنۡ: تو، جانب سے ہے
نَّفۡسِکَ: تمہارے نفس
وَاَرۡسَلۡنٰکَ: اور بھیجا آپ کو
لِلنَّاسِ: تمام لوگوں کے لیے
رَسُوۡلًا: رسول بنا کر
وَکَفٰی: اور کافی ہے
بِاللّٰہِ: اللہ
شَہِیۡدًا: گواہ

مَنۡ: جو
یُّطِعِ: اطاعت کرتا ہے
الرَّسُوۡلَ: رسول معظم کی
فَقَدۡ: تو بے شک
اَطَاعَ: اس نے اطاعت کر دی
اللّٰہَ: اللہ کی
وَمَنۡ: اور جو، اور جس نے
تَوَلّٰی: روگردانی کی
فَمَآ: تو نہیں

مَاۤ اَصَابَکَ مِنۡ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ ۫ وَمَاۤ اَصَابَکَ مِنۡ سَیِّئَۃٍ فَمِنۡ نَّفۡسِکَ ؕ وَ اَرۡسَلۡنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوۡلًا ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیۡدًا ﴿۷۹﴾

''جو تمہیں بھلائی سے پہنچے سمجھو کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو کچھ تمہیں بُرائی سے پہنچے تو وہ تمہارے اپنے ہی نفس کی طرف سے ہوتی ہے اور آپ کو تو ہم نے لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا اور گواہی اللہ ہی کی کافی ہے''۔

یہ آیت عقائد مستقیمہ کا گنجینہ ہے اور قرآن پڑھنے والوں کی مدد کا ذریعہ ہے۔ آیت گمانوں کے لشکر سے چھٹکارا دے کر یقین محکم ہدیہ کرتی ہے۔ یقین اور ایمانِ محکم موت سے زندگی نکال لیتا ہے اور پتھروں سے جوئے شیر لانے پر قادر رہتا ہے۔ آیت ایک عقیدہ سکھاتی ہے، بھلائی ہو یا بُرائی دونوں کا تعین اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے جنہیں انسان کسب کرتا ہے۔ نیکی کی توفیق ہو جائے تو سمجھنا چاہیے کہ یہ اللہ کا فضل اور احسان ہے اور بُرائیوں اور گندے کاموں کو اعمال کی شامت سمجھنا چاہیے۔ اصل میں یہ آیت اس جملے پر گرفت کی حیثیت رکھتی ہے جس میں تکلیفوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کر دیا گیا تھا کہ یہ سب کچھ آپ کی وجہ سے ہے۔ ایسی ذہنیت رکھنے والوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امور کے موجد یا مسبب نہیں ہیں اس لیے ان پر الزامات دھرنا ناقص سوچوں کا ردی پھل ہے۔

اصلاح کے لیے آیت کے اگلے حصے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام سمجھایا گیا کہ وہ تو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ وہ اپنا فریضۂ رسالت بدرجۂ اتم واکمل پورا فرما رہے ہیں اور آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تسلی کا پہلو بھی موجود ہے کہ محبوب! یاوہ گوئی کرنے والوں کے بیہودہ الزامات کی آپ پرواہ نہ فرمائیں ''کارِ رسالت'' اپنی رحمت و برکت کے ساتھ کیے جائیں۔ آیت کے آخر میں بات کو نور کی کہکشاں بنا دیا گیا کہ آپ کی رسالت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔ اللہ کی شہادت کے بعد کسی اور کی سند آپ کے لیے ضروری نہیں ہے۔

مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ ۚ وَمَنۡ تَوَلّٰی فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ حَفِیۡظًا ﴿۸۰﴾

''جو رسول کی اطاعت کرتا ہے سو سمجھو کہ اس نے اللہ کی اطاعت کر ہی دی اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا''۔

شانِ نزول

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (264):

''جس شخص نے میری پیروی کی تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے

مفردات

اَرۡسَلۡنٰکَ: ہم نے آپ کو بھیجا
عَلَیۡہِمۡ: ان پر
حَفِیۡظًا: محافظ

بے شک اللہ کی نافرمانی کی''۔

حدیث کا ایک دوسرا متن یوں ہے:

''جس شخص نے میرے ساتھ محبت کی، اس نے اللہ کے ساتھ محبت کی اور جس شخص نے میری اطاعت کی اس نے بے شک اللہ کی اطاعت کی''۔

اس پر منافقین بڑا بولنے لگ گئے۔ یہ کہنے لگے: یہ باتیں تو شرکیہ ہیں۔ دیکھیں یہ دوسروں کو شرک سے روکتے ہیں اور خود چاہتے ہیں کہ ہم اسے ربّ مان لیں۔ بغوی کے اس بیان پر البحر المحیط کے محشی نے تنقید کی ہے لیکن اجلّہ مفسرین نے یہ روایت نقل کی ہے کہ یہی بات اس آیت کے نزول کا سبب بنی (265)۔

اطاعت رسول کا معاملہ

اگر کوئی شخص چاہے کہ رسول کی اطاعت کے بغیر براہ راست اللہ سے اپنا تعلق قائم کرلے تو دینی نقطۂ نظر سے ایسا ممکن نہیں۔ قرآن کی زیر تفسیر آیت کے بعد ہدایت صرف آپ کی پیروی اور اطاعت کا نام ہے۔ یہی وہ تنہا وسیلہ ہے جو اللہ کی اطاعت کا حقیقی فرمان ہے۔

تفسیر صاوی کا بیانیہ

اس آیت کے مطابق جس شخص نے حضور ﷺ کا دامن اطاعت چھوڑا وہ آپ کو غم میں نہ ڈالے ہم نے آپ کو ان لوگوں کے اعمال کا محافظ بنا کر نہیں بھیجا بلکہ نذیر بنا کر بھیجا۔ ان لوگوں کا معاملہ ہم پر ہے، ہم ان کو خود جزا دینے والے ہیں۔ یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے۔ جب جہاد کا حکم نافذ ہو گیا تو ان سے درگزر کرنے کا حکم بھی ختم ہو گیا (266)۔

سوچ کا خوبصورت انداز

علامہ علی البغدادی لکھتے ہیں (267):

''سوچیے جہاں ''الرسول'' کی اطاعت کرنے کا ذکر ہے وہ مضارع کے صیغے میں بیان کیا اور جہاں اللہ کی اطاعت کا ذکر ہوا وہاں فعل ماضی استعمال ہوا، کیا خوبصورت معنیٰ اس میں موجود نہیں ہوتا؟ کہ جو شخص رسول معظم کی اطاعت زمانہ حال میں کر رہا ہوتا ہے تو یقینی امر یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت پہلے ہی گویا کر چکا ہوتا ہے اس لیے کہ اللہ کے حکم پر عمل کر رہا ہوتا ہے''۔

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ؗ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ
غَيْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ
تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾
اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ
اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾

(81) اور کہتے ہیں کہ وہ مجسمہٴ اطاعت ہیں پھر جب آپ کے پاس سے نکل کر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ آپ سے کی گئی باتوں کے برعکس منصوبے جوڑتا رہتا ہے اور اللہ ان کی منصوبہ سازیوں کو لکھتا رہتا ہے سو چھوڑیے ان کا معاملہ اور اللہ پر توکل کیجیے اور کام بنانے کے لیے اللہ ہی کافی ہے

(82) کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہتیرے اختلاف ڈھونڈ لیتے

مفردات

وَيَقُوۡلُوۡنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوۡا مِنۡ عِنۡدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ غَيۡرَ الَّذِىۡ
تَقُوۡلُ ‌ؕ وَاللّٰهُ يَكۡتُبُ مَا يُبَيِّتُوۡنَ‌ ۚ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ‌ ؕ وَكَفٰى
بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ﴿۸۱﴾

''اور کہتے ہیں کہ وہ مجسمۂ اطاعت ہیں پھر جب آپ کے پاس سے نکل کر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ آپ سے کی گئی باتوں کے برعکس منصوبے جوڑتا رہتا ہے اور اللہ ان کی منصوبہ سازیوں کو لکھتا رہتا ہے سو چھوڑیے ان کا معاملہ اور اللہ پر توکل کیجیے اور کام بنانے کے لیے اللہ ہی کافی ہے''۔

''وَيَقُوۡلُوۡنَ''

منافقین کی ایک اور چال، ایک اور سازش اور ایک اور دورخا پن، کہتے ہیں مومن کی شخصیت اس کی روح کی پناہ میں ہوتی ہے اور منافق کی شخصیت اس کی زبان کے نیچے ہوتی ہے۔ منافق کی صرف ٹیں ٹیں ہوتی ہے وہ سازشیں بُنتا رہتا ہے۔ قرآن حکیم کی اس آیت میں بھی کہا یہ جارہا ہے کہ منافقین مسلم سوسائٹی کو دھوکے میں رکھنے کے لیے اچھے لفظوں کی جگالی کرتے رہتے ہیں۔ فطرت، ایمان اور دین جب آواز لگاتے ہیں تو سب سے پہلے اور سب سے اونچی زبان میں یہی کہتے ہیں: ''قبول ہے قبول ہے''۔ ہمارا معاملہ اور ہماری شان فرماں برداری ہے لیکن یہی لوگ جب ''بزم رسالت'' سے اٹھ کر باہر نکلتے ہیں تو ایک گروہ پیشگی منصوبہ بندی کے تحت سازش تیار کرتا ہے۔ ''بیت اور بیتوتت'' وغیرہ الفاظ ہر اس امر کے لیے استعمال ہوتے ہیں جس میں کوئی منصوبہ سوچا جاتا ہے۔ یہ امر اچھا بھی ہوسکتا ہے اور برا بھی ہوسکتا ہے۔ اس قسم کی مشاورتیں چونکہ اکثر رات کو ہوتی ہیں اس لیے ''امر مبیت'' کی اصطلاح تنہائی میں سوچ سوچنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ تفسیری اعتبار سے سیاق کلام منافقوں کی منفی سوچوں اور سازشوں کے لیے لایا جارہا ہے۔ آیت میں منافقت کا علاج چار روحانی نسخوں سے ہورہا ہے:

(ا) پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لازوال یقین

(ب) اعراض برتنا

(ج) اللہ پر توکل

(د) اور اللہ ہی پر اعتماد کرتے ہوئے اسے کارساز جاننا۔

وَيَقُوۡلُوۡنَ: اور کہتے ہیں
طَاعَةٌ: قبول ہے، مان لیا
فَاِذَا: پھر جب
بَرَزُوۡا: باہر گئے
مِنۡ: سے
عِنۡدِكَ: آپ کے پاس سے
بَيَّتَ: مشورہ کرتے رات کو یا مشورہ کیا، ''اذا'' کی وجہ سے حال میں ترجمہ بنتا ہے
طَآئِفَةٌ: ایک گروہ، ایک جماعت
مِّنۡهُمۡ: ان میں سے
غَيۡرَ: دوسری کوئی بات، خلاف
الَّذِىۡ: اس کے جو
تَقُوۡلُ: آپ نے فرمائی ہوتی یا آپ فرماتے ہیں
وَاللّٰهُ: اور اللہ
يَكۡتُبُ: لکھتا ہے
مَا: جو
يُبَيِّتُوۡنَ: رات کو وہ مشورہ کرتے ہیں
فَاَعۡرِضۡ: تو رخ پھیر لیجیے گا
عَنۡهُمۡ: ان سے
وَتَوَكَّلۡ: اور بھروسہ کیجیے
عَلَى اللّٰهِ: اللہ پر
وَكَفٰى: اور کافی ہے
بِاللّٰهِ: اللہ
وَكِيۡلًا: کارساز

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ﴿۸۲﴾

’’کیا وہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہتیرے اختلاف ڈھونڈ لیتے‘‘۔

تدبیر اور تدبّر کا معنیٰ

قرآن مجید کی یہ آیت قرآن میں تدبر کی دعوت دیتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس عظیم اور وقیع لفظ کے معانی میں غور وفکر کیا جائے۔

علامہ زبیدی حنفی لکھتے ہیں:

> ’’تدبّر اور تدبیر کا معنیٰ عواقب الامور میں غور وفکر کرنا ہوتا ہے اور عواقب الامور کا مطلب امور کا انجام دیکھنا ہے اور کبھی اس کا معنیٰ پیٹھ پھیرنا ہے۔ عام طور پر اس کے لیے ’’ادبار‘‘ لفظ استعمال ہوتا ہے چونکہ معانی کی سمجھ الفاظ کے بعد آتی ہے اس لیے یہ مادہ اس کے لیے استعمال ہوتا ہے یا آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ الفاظ کی پیٹھ پر ان کے معانی موجود ہوتے ہیں‘‘(268)۔

تاویلات نجمیہ میں ہے:

> ’’تدبّر کا مطلب قرآن مجید کی دعوات میں غور وفکر ہے، معجزات کے اثر سے دل میں قبولیت کی استعداد پیدا کرنا ہے۔ قرآن مجید کی ہدایات کے جگمگاتے انوار کا مشاہدہ ہے۔ قرآنی نظم وترتیب کا حسن دیکھنا ہے۔ قرآن کی وسیع وضاحت اور اچھوتی بلاغت کا اثر لینا ہے اور الفاظ کا رعب اور شہامت، معانی کی خوبی اور اسرار کی گہرائی کا اشد اور ادق مشاہدہ ہے۔ قرآن کی آیات میں آیات سے شفا کی حکمتیں اور آلودگیوں کو طہارت سے بدلنے کے دلائل تلاوت کرنے ہیں۔ قرآن آنکھوں کی ٹھنڈک، چہروں کا نور اور روحوں کا سرور ہے، اس میں

مفردات

اَفَلَا: کیا نہیں
یَتَدَبَّرُوْنَ: وہ غور کرتے
الْقُرْاٰنَ: قرآن میں
وَلَوْ: اور اگر
کَانَ: وہ ہوتا
مِنْ: سے
عِنْدِ: کی طرف سے
غَیْرِ: غیر
اللّٰہِ: اللہ
لَوَجَدُوْا: البتہ وہ ضرور پاتے
فِیْہِ: اس میں
اخْتِلَافًا: اختلاف
کَثِیْرًا: بہت زیادہ

کہیں اختلاف اور تعارض نہیں‘‘ (269)۔

دلائل کا اعجاز

قرآن مجید کی یہ آیت جہاں اس حق کی روشنی کو ارزاں کر دیتی ہے کہ یہ کتاب اگر ایک اللہ کی طرف سے نہ ہوتی تو اس میں اختلافات کثیرہ اور تناقضات کثیرہ ہوتے۔ جب تناقضات سے یہ کتاب پاک ہے تو تین حقائق خود بخود آشکار ہو گئے:

1۔ یہ کتاب ایک اللہ کی طرف سے ہے۔ غیر اللہ کی طرف سے ہونے کا شائبہ تک نہیں۔

2۔ آیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحت نبوت پر بھی دلیل کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔ فصاحت کے اعتبار سے، اخبار غیبیہ کے اعتبار سے اور تیسرا اختلافات سے محفوظ ہونے کے اعتبار سے۔

3۔ تیسری حقیقت یہ ہے کہ غیر اللہ سے ربط گمراہی ہے اگر ربوبیت پر ایمان نہ ہو۔ باب رسالت سے ربط اور قرآن حکیم سے تعلقِ ایمانی ہی ہدایت کے وسائل ہیں ہمیں ان سے مستفید ہونا چاہیے۔

اختلاف کی اقسام

اختلاف کی تین اقسام ہیں۔

- پہلی قسم اختلاف تناقض ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ ایک چیز دوسرے کے مخالف ہو۔ دو چیزوں میں اگر ایک پر عمل کرو تو دوسری کا فساد لازم ہے۔ قرآن مجید کے افکار اور اعمال میں، احکام اور امور میں ایسا تناقض نہیں۔
- دوسری قسم اختلاف تفاوت ہے۔ یہ ایسے کہ بعض کلام تو بلیغ اور بدیع ہو، فصیح اور بدیہہ ہو اور بعض رذیل اور غیر فصیح ہو۔ قرآن مجید اس تناقض سے بھی پاک ہے۔ اس کی ہر آیت میں فصاحت ہے، بلاغت ہے، ہدایت ہے، شہامت ہے، وقاعت ہے، بہجت ہے، عروج معنوی ہے اور نظم تاثیر کی مٹھاس سے لبریز ہے۔
- اور اختلاف کی تیسری قسم اختلاف تلاؤم ہے یہ ایسے کہ دونوں میں اختلاف ہونے کے باوجود دو چیزیں کلام کے حسن میں موافق ہوں جیسے ایک ہی لفظ میں مختلف قرأتیں ہوں اور آیات کی مقادیر میں اختلاف ہو۔ بعض ایک آیت سمجھیں اور بعض اس کو دو جانیں یا اس کی مثال ناسخ اور منسوخ کے احکام میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ یہ رنگ ہیں جیسے آپ محسوس کرتے ہیں بعض سورتیں چھوٹی ہیں اور بعض طویل ہیں اس قسم کا اختلاف تلاؤم کہلاتا ہے۔ یہ فضیلتوں اور محاسن کو نکھارتا ہے اس لیے اسے جائز تصور کیا گیا ہے۔ **واللہ اعلم**

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ
اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ
مِنْهُمْ ؕ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا
قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾
فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ
عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ
تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾

(83) اور جب آتی ہے ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات تو اس کا خوب چرچا کر دیتے ہیں اور اگر اسے وہ رسول اور اپنوں میں سے امر والوں کی طرف پھیر دیتے تو اس کی حقیقت کو وہ لوگ ضرور جان لیتے جو ان میں سے نتیجہ کا سراغ لگا سکتے ہیں اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند لوگوں کو چھوڑ کر تم سب شیطان کی غلامی کرنے لگ جاتے

(84) تو آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجیے ذمہ کا بوجھ آپ کے سوا کوئی نہیں اٹھا سکتا اور مومنوں میں جذبۂ جہاد پیدا کیجیے، وہ وقت قریب ہے جب اللہ کافر لوگوں کی جنگ کو پلٹ دے گا اور اللہ کی گرفت بہت مضبوط اور اس کی سزا عبرت ناک ہوتی ہے

مفردات

وَ اِذَا جَآءَهُمۡ اَمۡرٌ مِّنَ الۡاَمۡنِ اَوِ الۡخَوۡفِ اَذَاعُوۡا بِهٖ ؕ وَلَوۡ رَدُّوۡهُ اِلَى الرَّسُوۡلِ
وَ اِلٰٓى اُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡهُمۡ لَعَلِمَهُ الَّذِيۡنَ يَسۡتَنۡۢبِطُوۡنَهٗ مِنۡهُمۡ ؕ وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ
عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ لَاتَّبَعۡتُمُ الشَّيۡطٰنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۸۳﴾

''اور جب آتی ہے ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات تو اس کا خوب چرچا کر دیتے ہیں اور اگر اسے وہ رسول اور اپنوں میں سے امر والوں کی طرف پھیر دیتے تو اس کی حقیقت کو وہ لوگ ضرور جان لیتے جو ان میں سے نتیجہ کا سراغ لگا سکتے ہیں اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند لوگوں کو چھوڑ کر تم سب شیطان کی غلامی کرنے لگ جاتے''۔

شان نزول

تفسیر خازن میں ہے کہ اسلام کی تاریخ جب ضرب وحرب میں داخل ہوگئی تو میدان جہاد سے فتح یا مغلوبیت کی خبریں آنے لگیں۔ وہ خبریں جب بارگاہ رسالت میں پہنچتیں تو منافقین بغیر تحقیق کے ان باتوں کو معاشرے کی دوش پر عام کر دیتے، اس سے بعض ایسے راز بھی کھل جاتے جو مسلمانوں کی عسکری زندگی کو کمزور کر دینے میں منفی کردار ادا کرتے۔ تربیت کے لیے یہ آیت اتری جس میں احتیاط کا سبق دیا گیا (270)۔

علامہ فخر الدین رازی نے لکھا (271):

> ''غزوۂ اُحد کے موقع پر ابوسفیان نے اُحد سے واپس ہوتے ہوئے حضرت محمد ﷺ کے ساتھیوں کو دھمکی دی، اگلے سال ہماری اور تمہاری جنگ مقام بدر صغریٰ میں ہوگی۔ حضرت محمد ﷺ نے ذیقعدہ میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور اپنے ستر صحابہ کے ساتھ حسب روایت موقع پر پہنچ گئے لیکن ابوسفیان کو ہمت نہ ہوئی اور مسلمان بخیر وخوبی واپس ہوئے''۔

ابن کثیر نے اس روایت کو بھی شان نزول سے منطبق کیا کہ یہ بات پھیلا دی گئی کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خانۂ اقدس پر پہنچے اور عرض کیا، کیا واقعۃً ماجرا ایسے ہی ہے کہ آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔ آپ ﷺ نے

وَ اِذَا: اور جب
جَآءَهُمۡ: آئے ان کے پاس
اَمۡرٌ: حکم
مِّنَ: سے
الۡاَمۡنِ: امن واطمینان
اَوِ: یا
الۡخَوۡفِ: خوف، لڑائی
اَذَاعُوۡا بِهٖ: تو پھیلاتے ہیں وہ اسے
وَلَوۡ: اور اگر
رَدُّوۡهُ: لوٹا یا ہوتا اسے
اِلَى: کی طرف
الرَّسُوۡلِ: رسول معظم
وَ اِلٰٓى: اور کی طرف
اُولِى الۡاَمۡرِ: امر والے، حکم والے بااختیار اور سمجھدار لوگ
مِنۡهُمۡ: ان میں سے
لَعَلِمَهُ: تو وہ آگاہ کر دیتے یا آگاہ ہو جاتے
الَّذِيۡنَ: وہ جو
يَسۡتَنۡۢبِطُوۡنَهٗ: جو گہرائی تک معاملے کی پہنچ جاتے
مِنۡهُمۡ: ان میں سے
وَلَوۡلَا: اور اگر نہ ہوتا
فَضۡلُ اللّٰهِ: اللہ کا فضل
عَلَيۡكُمۡ: تم پر
وَرَحۡمَتُهٗ: اور اس کی رحمت
لَاتَّبَعۡتُمُ: تم ضرور پیروی کر لیتے
الشَّيۡطٰنَ: شیطان
اِلَّا: مگر
قَلِيۡلًا: تھوڑے ہی بچتے

اس کی تردید فرمادی اور خبر کو غلط قرار دے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد تشریف لائے اور دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (272)۔

تعبیر و تفسیر

آیت کے شروع میں واوَ کے بعد ''اِذَا'' ہے یہ دوام ظرف پر دلالت کرتا ہے اور ''جَآءَ'' دوام حالت پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے اشارہ اس طرف ہے کہ معاشرہ میں مسلسل ایسے واقعات پیش آئے جو عسکری زندگی، معاشرتی زندگی اور سماجی زندگی میں توڑ پھوڑ کی وجہ بنے، اس لیے خبروں کی اشاعت اور اذاعت پر کڑی احتیاط کے احکام جاری کر دیے گئے۔ کم از کم کسی قوم کے لیے تو حالات کا یہ مدو جزر قابل برداشت نہیں ہوتا کہ اس امر کی اجازت دی جائے کہ جو جس کے دل میں آئے اسی کو وہ ہواؤں کے دوش پر ارزاں کر دے۔

آیت کی تعبیر میں دوسری اہم چیز یہ ہے کہ ''اذاعة'' کا معنیٰ و مفہوم جانا جائے۔ لفظ کا مادہ ''ذیع'' ہے۔ اس کا معنوی اطلاق ظاہر ہو جانے، پھیل جانے اور عام ہو جانے پر ہوتا ہے۔ زجاج نے کہا کہ اس کا معنیٰ پکار کر کسی کا راز ظاہر کر دینا ہوتا ہے۔ صرف اپنوں میں تعمیری مقاصد کی خاطر کوئی خبر عام کر دینا اشاعت ہوتا ہے اور جب اپنوں پرایوں میں تعمیری یا تخریبی مقاصد کے لیے کوئی خبر بہت عام کر دی جائے تو یہ ''اذاعت'' ہوتی ہے۔ ''اذاعت'' میں اشاعت سے مبالغہ زیادہ ہوتا ہے اسی لیے عربی زبان میں ''آلة المذياع'' ریڈیو کو کہتے ہیں۔ آیت میں تیسری اہم چیز ''استنباط'' کا معنیٰ جاننا ہے۔ یہ لفظ ''نبط'' کے مادہ سے ماخوذ ہے۔ اس سے مراد وہ پہلا پانی ہوتا ہے جو کنویں سے نکالا جائے۔ یہ پانی زمین کی تہہ سے نکالا جاتا ہے۔ کان کھود کر تہہ سے جو چیز نکالی جائے اس کو بھی ''نبط'' سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ اس سے حقیقت تک پہنچنے کے لیے جب دلائل و شواہد پر غور و فکر کیا جائے اور مسئلہ کی تہہ تک رسائی حاصل کر لی جائے تو اسے ''استنباط'' کہتے ہیں۔ آیت نے معاشرہ کے اندر ''مستنبطین'' کی قدر و منزلت کی نشاندہی کی کہ ہر خبر کو ''انھے واہ'' قبول نہیں کر لینا چاہیے، خوب غور و فکر کے بعد ''مستنبطین'' پر اس کو پیش کرنا چاہیے تا کہ سیاسی، فقہی اور معاشرتی مسائل میں ذہول نہ ہو بلکہ پختہ کاری کا مظاہرہ ہو اور فیصلے صحیح کیے جائیں۔

افواہیں پھیلانے کے نقصانات

قرآن مجید کی یہ آیت افواہیں پھیلانے کے مضرات کو اچھی طرح واضح کرتی ہے اور عصر رواں میں

میڈیا پالیسی پر کھل کر گفتگو کرتی ہے۔ غلط افواہیں قوم اور ملت کا فکری سرمایہ ضائع کر دیتی ہیں۔ آہستہ آہستہ جھوٹی خبریں ناسور بن کر قوموں کو ہلاک کر دیتی ہیں۔ معاشرتی اعتماد جب ضائع ہو جائے تو قوم میں عملی اعتبار سے سست روی اور اباحت پیدا ہوتی ہے جو قربانی کے جذبوں کو ذبح کر دینے والا مہلکہ ہے۔ عصر رسالت میں منافقین ''پروپیگنڈہ'' کو مسلمانوں کے خلاف بطور اسلحہ استعمال کرتے تھے لیکن مسلم معاشرہ سچ کی اشاعت پر زور دیتا اور دیتا ہے۔ اذاعت کے مہلکات دیکھنے ہوں تو عصر رواں میں ''فیس بک'' کا دقت سے مطالعہ کیا جائے، آج بھی سب سے زیادہ نقصان اس میڈیا کے ذریعے مسلمانوں کا ہو رہا ہے۔ جعلسازی، جھوٹ اور تہمت گوئی کے لیے منافقین کی یہ پرانی چال نئے روپ میں ظاہر ہوئی ہے۔ کم از کم وقت سوزی کا اس سے بڑا آتشیں الاؤ میں نے کوئی اور نہیں دیکھا۔

اللہ کا فضل اور رحمت

آیت کے آخر میں یہ کہا گیا کہ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی اور خواص اُمت کی توجہات تمہاری مددگار نہ ہوتیں تو تم میں سے بہت سے لوگ شیطانی راہوں کے گرویدہ ہو جاتے اور بہت تھوڑے لوگ ایسے بچتے جو شیطانی راہوں سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیتے۔ آیت میں فضل سے مراد قرآن حکیم ہے اور رحمت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلۂ جلیلہ ہے۔ ائمہ تفسیر نے '' اِلَّا قَلِيۡلًا '' میں استثنا سے مراد متعین کرنے میں چھ احتمالات لکھے ہیں:

1۔ یہ ''اتبعتم'' کے فاعل سے مستثنیٰ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ قرآن اپنے محبوب کے ذریعے نہ دیتا تو تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے۔

2۔ دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر تمہیں عقل سلیم کی دولت عطا نہ کرتا تو تم کیسے شرک سے بچتے۔ یہ اللہ ہے جس نے فضل ورحمت سے تمہیں ایمان اور اسلام کا شعور دے دیا۔

3۔ یہ ''اَذَاعُوۡا'' کے فاعل سے مستثنیٰ ہے یعنی اگر سارے ہی اٹھ کر خفیہ رازوں کو ظاہر کرتے تو سب شیطانی اطاعت میں آجاتے تھوڑے ہی ہوتے جو بچ جاتے۔

4۔ اس کو ''علمه'' کے فاعل سے بھی مستثنیٰ مانا گیا ہے۔

5۔ یہ ''وجدوا'' کے فاعل سے مستثنیٰ ہے۔

6۔ اور چھٹا یہ کہ خطاب سارے لوگوں سے ہے۔

صاوی اور رازی نے لکھا کہ قوی احتمال پہلا ہی ہے۔

واللہ اعلم

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

فَقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفۡسَكَ‌ وَحَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ‌ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّكُفَّ بَاۡسَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا‌ ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاۡسًا وَّاَشَدُّ تَـنۡكِيۡلًا ﴿۸۴﴾

''تو آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجیے ذمہ کا بوجھ آپ کے سوا کوئی نہیں اٹھا سکتا اور مومنوں میں جذبۂ جہاد پیدا کیجیے، وہ وقت قریب ہے جب اللہ کافر لوگوں کی جنگ کو پلٹ دے گا اور اللہ کی گرفت بہت مضبوط اور اس کی سزا عبرت ناک ہوتی ہے''۔

آیت کے پانچ معانی

حضرت محمد ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے جنگی جنون کے تنور گرم کر رکھے ہیں اور اپنی ریشہ دوانیوں سے اسلام کا پرچم سرنگوں کرنا چاہتے ہیں، ان کے خلاف جہاد کی تحریک منظم کریں اور ''قتال'' کی ذمہ داریاں ادا کریں۔ اسلامی جہاد پر اگرچہ قرآن مجید کا کوئی مفسر معذرت خواہانہ لہجہ نہیں اپنا سکتا لیکن یہ حقیقت ضرور سامنے رکھنی چاہیے کہ قتال کے لیے عربی تصریف کے قوانین کے مطابق باب مفاعلہ لایا گیا جس میں کسی امر کا دو طرف سے ہونا پایا جاتا ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہوگا جو لوگ آپ سے لڑتے ہیں، جنگیں کرتے ہیں اور ضرب وحرب کی آگ شہر بہ شہر جلاتے ہیں ان کے خلاف مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ نہ جائیں بلکہ جنگ کو جنگ ہی مٹا سکتی ہے اس لیے قتال فی سبیل اللہ سے غفلت نہ برتیں۔ مسلمان رہبروں کو اس میدان میں پختہ کار، پختہ عمل اور پختہ عزم ہونا چاہیے اور انہیں کوشش کرنی چاہیے۔ اسلامیان عالم کے حوصلے متزلزل نہ ہوں اور مسلمانوں میں جب تک نفس نفس جہاد کی روح متحرک نہیں ہوجاتی اسلام کا مفہوم ثمر بار نہیں ہوسکتا۔ اسلام دشمن لوگ کتنی ہی بڑی طاقت نہ رکھتے ہوں مسلمانوں کا ایک شخص بھی جہاد کی آگ کے ساتھ ان کو بھسم کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے آیت میں اُمید رکھنے کی تحریص موجود ہے کہ اللہ قادر ہے وہ اپنے کرم وقدرت سے کافر لوگوں کا جنگی جنون ڈھیر کر دے گا اور وہ کافروں کی گرفت کو ڈھیلا کر دے گا۔ منکرین کے ہاں شجاعت کے تمام الفاظ بے معنی ہوجائیں گے۔ آیت نے استحکام اور قوت کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات کو قرار دیا اور کہا کہ اللہ ہی کی پکڑ سخت ہے۔

آیت کے آخر میں ''تنکیل'' کی اصطلاح استعمال ہوئی۔ ''نکول'' کا معنی ہوتا ہے خوف کے مارے رک جانا اور جانور کی ناک میں نکیل اسے کھانے سے روکتی ہے۔ کسی ظالم کے جور وظلم کو طاقت سے اسی کی طرف پلٹا دینا یہ اللہ ہی کی شان ہے۔ کافروں کو نکیل ڈالنے والا وہی ہوسکتا ہے۔ یہاں ''تنکیل'' کا معنی خوف اور عذاب بھی ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس وقت کسی سے ناراض ہوجائے اسے

فَقَاتِلۡ: تو مقاتلہ کیجیے
فِىۡ: میں
سَبِيۡلِ: راہ
اللّٰهِ: اللہ
لَا تُكَلَّفُ: مکلف نہیں بنایا جاتا
اِلَّا: سوائے
نَفۡسَكَ: آپ کے، آپ کا نفس مبارک
وَحَرِّضِ: اور شوق دلایئے، برانگیختہ کیجیے اور ابھاریے
الۡمُؤۡمِنِيۡنَ: مومنوں کو
عَسَى: امید ہے، ممکن ہے
اللّٰهُ: اللہ
اَنۡ يَّكُفَّ: کہ وہ روک دے
بَاۡسَ: لڑائی، جنگجوئی اور حرب
الَّذِيۡنَ: وہ جو
كَفَرُوۡا: کافر ہوئے
وَاللّٰهُ: اور اللہ
اَشَدُّ: بہت سخت
بَاۡسًا: لڑائی کا جواب دینا
وَّاَشَدُّ: اور بہت زیادہ شدید
تَـنۡكِيۡلًا: نکول، سزا دینا اور گرفت میں لے لینا

عذاب میں گرفتار کرلیتا ہے اور سنگین سزائیں اس پر لاگو کردیتا ہے۔ معانی کی ترتیب یہ بنتی ہے:

1۔ اللہ کی راہ میں قتال کی ذمہ داری پوری کرو۔

2۔ مسلمانوں میں شوق جہاد عام کرو اور ان کے حوصلے بڑھاؤ۔

3۔ کافروں کی سازشوں اور منصوبوں کو ناکام کرنے والا اللہ ہی ہے اسی کی مدد کے سہارے آگے بڑھو۔

4۔ قوت واستحکام کا مرجع اللہ ہی ہے۔

5۔ سزائیں اور عذاب اللہ کی طرف سے اچانک گھیر لیتے ہیں۔ اللہ سے ڈرنا چاہیے۔

❁❁❁❁❁

إِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ
شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾
وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾
اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ
وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾

(85) جو شخص نیکی بڑھانے والی سفارش اختیار کرے اس کے لیے اس میں سے حصّہ ہے اور جو بُری سفارش کرے تو اس میں سے اس کو حصہ ملے گا اور اللہ کی قوت ہر چیز پر حاوی ہے

(86) اور جب تمہیں امن وسلامتی کی دعا دی جائے تو تم اس دعا سے بھی بڑھ کر اچھی اکرام وسلام بھری دعا دو یا کم از کم وہی الفاظ لوٹا دو بے شک اللہ ہر چیز پر حساب لینے والا ہے

(87) اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ تم سب کو ضرور قیامت کے دن جمع کرے گا اس میں کوئی شک ہی نہیں اور وہ کون ہے جس کی بات اللہ کی بات سے بڑھ کر سچی ہو

مَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنۡ لَّهٗ نَصِيۡبٌ مِّنۡهَا‌ ۚ وَمَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنۡ لَّهٗ كِفۡلٌ مِّنۡهَا‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقِيۡتًا ۝۸۵

''جو شخص نیکی بڑھانے والی سفارش اختیار کرے اس کے لیے اس میں سے حصّہ ہے اور جو بُری سفارش کرے تو اس میں سے اس کو حصہ ملے گا اور اللہ کی قوت ہر چیز پر حاوی ہے''۔

''شفاعت'' لفظ شفع سے ماخوذ ہے، اس کا مطلب ہوتا ہے جوڑا بنا دینا، اس کا مقابل ''وتر'' ہے۔ سفارش کو ''شفاعت'' اس لیے کہہ دیتے ہیں کہ ''شفوع'' اکیلا نہیں رہتا۔ سفارش کرنے والے کی تائید اور حمایت اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ ''شفاعت'' کا مطلب ہی دوسرے کی بھلائی چاہنا ہوتا ہے۔ مصباح المنیر کے مؤلف نے لکھا ہے: حاجت پوری کرنے کے لیے کسی کی تائید میں کلماتِ خیر جوڑ دینا ''شفاعت'' ہے۔ مصیبت زدہ کی مصیبت دور کرنا، جہاد میں کسی کا ساتھی بننا یا امور خیر میں اعانت کے لیے کسی کا رفیق بن جانا (273)۔

قرآن مجید شفاعت کی دو قسمیں لکھتا ہے:

1۔ شفاعت حسنہ

2۔ اور دوسری شفاعت سیّہ

اچھی شفاعت یہ ہے کہ نیکی اور اطاعت کو فروغ دیا جائے اور بُری سفارش جو دین کے مسلّمہ قواعد کے خلاف ہو اور اس سے مسلمانوں کے حقوق ضائع ہوں (274)۔

حدیث شریف میں ہے جب کوئی سائل بارگاہ عرش پناہ میں حاضر ہو کر کچھ طلب کرتا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مائل بہ کرم ہوتے تو تعلیم صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے ارشاد فرماتے (275):

اشفعوا توجروا یقضی اللہ علی لسان نبیہ ماشاء

''میرے حضور سفارش کرو، اجر پاؤ اللہ اپنے نبی کی زبان سے جو چاہے گا فیصلہ کرائے گا''۔

واللہ اعلم

کفل اور نصیب میں فرق

قرآن مجید کی اس آیت میں شفاعت حسنہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا کہ ایسے خوشحال اور خوش خصال لوگوں کو عمل حسن کے مطابق نصیب ملے گا اور جب شفاعت سیّہ کا ذکر ہوا تو کہا گیا کہ ایسے حامل

مفردات

مَنۡ: جو
يَّشۡفَعۡ: شفاعت کرے، مدد کرے سفارش کرے
شَفَاعَةً: شفاعت، مدد اور سفارش
حَسَنَةً: اچھی
يَّكُنۡ: ہوگا
لَّهٗ: اس کے لیے
نَصِيۡبٌ: حصہ
مِّنۡهَا: اس میں سے
وَمَنۡ: اور جو
يَّشۡفَعۡ: ابھارے، تحریک دے، مدد کرے یا بری سفارش کرے
شَفَاعَةً: شفاعت
سَيِّئَةً: بُری
يَّكُنۡ: ہوگا
لَّهٗ: اس کے لیے
كِفۡلٌ: حصہ
مِّنۡهَا: اس میں سے
وَكَانَ: اور ہے
اللّٰهُ: اللہ
عَلٰى: پر
كُلِّ: ہر ایک
شَىۡءٍ: چیز
مُّقِيۡتًا: حساب لے کر محفوظ رکھنے والا، گرفت میں رکھنے والا، محتسب، سزا دینے والا

شفاعت کو ''کفل'' ملے گا۔تعبیر کا اختلاف معنوی لطافت رکھتا ہے اس لیے کہ ''نصیب'' کا معنیٰ ایسا حصہ ہوتا ہے جو زیادہ مفید اور زیادہ سودمند ہو اور ''کفل'' کا معنیٰ پست، ردی یا کم از کم محض برابر ہونے کو کہہ دیتے ہیں۔اس میں اس لطیف معنیٰ کی جھلک اور چمک یہ محسوس ہوتی ہے جب انسان کسی کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اور اس میں کسی کا حق زائل نہیں ہوتا کہ ترغیب دلانے والے کو بھی خاطر خواہ فائدہ اور ثواب مل جاتا ہے کسی کے حصے میں کمی نہیں ہوتی ہے لیکن گناہوں کی ترغیب میں وبال میں صرف ''کفل'' ملتا ہے(276)۔

دوسروں کو دعائیں دینا بھی شفاعت حسنہ کی مد میں آتا ہے۔جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو پس پشت دعا دیتا ہے، جب دعا مقبول ہوتی ہے جہاں دعا نصیب بن کر اسے ثمر بار کرتی ہے جس کو دعا دی جائے وہاں دعا دینے والا بھی نصیب پالیتا ہے۔اصل میں جانور کی پشت کا عقبی اور آخری حصہ کفل کہلاتا ہے۔ایسی جگہ سوار ہونا صعوبت کا باعث ہوتا ہے اس لیے ہر بُرے حصے کو ''کفل'' کہہ دیتے ہیں۔کسی کی ''کفالت'' میں بھی سختی ہونے کی وجہ سے اسے ''کفالت'' کہہ دیتے ہیں(277)۔

ایک اہم سوال

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ ''کفل'' اکثر اور اغلب طور پر شر ہی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔قرآن میں صرف ''یُؤۡتِكُمۡ كِفۡلَيۡنِ مِنۡ رَّحۡمَتِهٖ'' میں یہ نصیب کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔بہر حال قرآن حکیم میں دونوں لفظوں کا الگ الگ مفہوم میں آنا عدم تکرار کا فائدہ بھی دیتا ہے۔مفسرین کی اس بات کو بھی منطقی اور اصولی حیثیت حاصل ہے کہ نصیب میں زیادت معنیٰ کا مفہوم اور ''کفل'' میں تساوی معنیٰ کا مطلب پایا جاتا ہے(278)۔

آیت کا آخری حصہ

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی صفت ''مُّقِيۡتًا'' لائی گئی ہے۔لفظ کے اعتبار سے ''مقیت'' قوت ہی سے بنا ہے۔تعبیر معنوی یہ ہوگی کہ اللہ شہید ہے وہ ہر ایک کو دیکھ رہا ہے اور حفاظت کرنا اور نگہبانی میں رکھنا بھی ''مقیت'' کا معنیٰ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر ایک عمل اور اعتقاد کو اپنی حفاظت میں لیا ہے اس لیے جزاء العمل کے مرحلے سے گزارنا اس کے لیے مشکل نہیں۔تیسرا معنیٰ مقتدر کا ہے اور قوت والا ہے۔یہ حسیب کے معنوں میں بھی لیا جاسکتا ہے اور عبرتناک سزا دینے والا بھی اس کا مفہوم ہوسکتا ہے۔

واللہ اعلم

مفردات

وَ: اور
اِذَا: جب
حُيِّيْتُمْ: تم سلامتی کی دعا دیے جاؤ
بِتَحِيَّةٍ: حیاتی کی دعا
فَحَيُّوْا: تو تم بھی سلام کرو
بِاَحْسَنَ: اچھے طریقے سے
مِنْهَآ: اس سے
اَوْ: یا
رُدُّوْهَا: لوٹاؤ، پلٹاؤ، سلام کا جواب دو ویسا ہی
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
كَانَ: ہے
عَلٰى كُلِّ: ہر ایک پر
شَيْءٍ: چیز
حَسِيْبًا: حساب کرنے والا

وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾

''اور جب تمہیں امن و سلامتی کی دعا دی جائے تو تم اس دعا سے بھی بڑھ کر اچھی اکرام و سلام بھری دعا دو یا کم از کم وہی الفاظ لوٹا دو، بے شک اللہ ہر چیز پر حساب لینے والا ہے''۔

تحفۂ محبت

قرآن حکیم کی یہ آیت آداب ملاقات کی عکاس ہے۔ تکریم انسانیت کی جو تربیت کتاب رحمت و برکت نے دی ہے یہ اسی کا حصہ ہے۔ یہ بات ایک جلّی حقیقت ہے کہ تمام قوموں اور ملتوں میں ملاقات کے وقت کچھ الفاظ ادا کیے جاتے ہیں جو محبت اور پیار کا اظہار ہوتے ہیں اور ان میں دعا اور آرزوئے خیر کا مفہوم شامل ہوتا ہے۔ اسلام ایک مکمل اور کامل دین ہے اس کی تاریخ میں رحمت و برکت کا تبادلہ شامل ہے۔ مسلمانوں کا مذہبی صحیفہ شروع ہی دعا سے ہوتا ہے اور ان کے رسول معظم ﷺ کی تربیت بھی یہی ہے کہ ملاقاتیں دعاؤں کے تبادلے ہی سے شروع ہونی چاہییں۔ تعلیم و تربیت کا حسن دیکھیں کہا جا رہا ہے:

> ''اور جب تمہیں زندگی اور سلامتی کی دعا ملے تو تم بھی حیات
> اور امن کی دعا اس سے بہتر انداز میں دو یا جستجو حیات
> میں اتنی دعا تو ضرور دو جتنا اظہار محبت کا تحفہ تمہیں ملا
> ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب رکھتا ہے''۔

انسانی سطح پر زندگی کا سراغ لگانا اور آب حیات کے چشمہ تک پہنچ جانا احترام محبت ہے اور مذہب کی تربیتی دانش گاہ تک رسائی پانا ہے۔ یہ جذبہ اشاروں سے سفر کر کے لفظوں میں ڈھل جاتا ہے اور پھر رنگ برنگ لفظوں کی خوشبو لے کر روحوں میں اتر جاتا ہے۔ اسلام میں یہ تحیّت کی دعا ''زندگی'' کے مصدر سے تعلق رکھتی ہے اور ''حیات اللہ'' سے شروع ہو کر ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' تک جا پہنچتی ہے۔ کتنا عظیم سبق ہے حسن معاشرت کا کہ مسلمان کی دعاؤں سے کوئی محروم نہیں رہنا چاہیے۔ جیسے پانی کے چشمے سے ہر ایک سیراب ہو سکتا ہے اور سورج کی کرنیں بلا تفریق اپنی روشن اداؤں کے ساتھ ہر گھر میں داخل ہو جاتی ہیں، ایسے ہی مسلمان اپنے مزاج کی خوشبو اور دعاؤں کے عطیہ کے ساتھ ہر دل پر دستک دیتا ہے۔ بلا شبہ تحیّت ایک وسیع مفہوم رکھنے والی اصطلاح ہے جس کا عمدہ ترین اظہار سلام کرنا ہے۔

قرآن مجید کی یہی تربیت ایک اور رنگ لے کر جلوہ نمائی کرتی ہے:

فَاِذَا دَخَلۡتُمۡ بُيُوۡتًا فَسَلِّمُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ تَحِيَّةً مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً

''جب تم گھروں میں داخل ہو تو ایک دوسرے پر تحیت سلام کا تحفہ پھیرو وہ تحیت ہو جو مبارک اور پاکیزہ ہو''۔ (سورۂ نور:61)

نسیم راحت کا یہ نفحۂ خلود بہشت میں بھی اہل اسلام کو ہدیہ کیا جائے گا۔ مسلمان اگر ''حیاک اللہ'' اور سلام دینا ہر دو کو الگ الگ سمجھیں اور ایک کو انسانی حق سمجھتے ہوئے ہر ایک کی جھولی میں ڈالیں اور دوسرے مسلمانوں کا تہذیبی اور تمدنی شعار بنالیں لیکن دعاؤں سے کسی کو محروم نہ کریں تو کیا ہی نفیس فہم اسلامی صفوں سے ابھرے۔ ذہن میں یہ ضرور کھلبلی مچ سکتی ہے کافروں کو دعا دینا کون سی نیکی ہے سوچتا ہوں اسلام اگر حیات کا معنوی سرچشمہ ہے تو کسی کے لیے دینی حیات کے تحفے کو تمنا بنالینا کون سا جرم ہے، ''رحمۃ للعلمینؐ'' کی تحریک ہی سے لوگوں کی روحوں اور دلوں میں تسلیم و ایمان کی حرکت پیدا کی جاسکتی ہے۔

تفسیر درالمنثور میں ہے(279):

ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی:

''السلام علیک''

آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:

''وعلیکم السلام ورحمت اللہ''

اسی اثناء میں ایک دوسرا شخص گویا ہوا:

''السلام علیکم ورحمت اللہ''

آپ نے ارشاد فرمایا:

''وعلیکم السلام ورحمت اللہ وبرکاتہٗ''

ایک تیسرے شخص نے تحیت ادا کی اور عرض کرنے لگا:

''السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہٗ''

آپ نے جواب سادہ سے روحانی انداز میں اختصاراً مرحمت فرمادیا، وہ متجسس نگاہوں سے حکمت سیکھنے کے لیے ملتفت ہوا تو آپ نے فرمایا:

''قرآن کہتا ہے کہ تحیہ کا جواب اچھے طریقے سے دو لیکن
تو نے کوئی چیز باقی نہیں رکھی''۔

مفردات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بخیل وہ ہے جو سلام کرنے میں بخل سے کام لے۔ مسلمانوں کے آداب ملاقات اب تہذیبی علامت اور انسانی شعار بن چکے ہیں ان سے تبلیغ دین کی حکمتیں عام کرنی چاہییں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"کھانا کھلاؤ اور سلام کرو اس شخص کو جسے تم جانتے ہو یا نہیں جانتے" (280)۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجۡمَعَنَّكُمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ ؕ وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيۡثًا ﴿۸۷﴾

"اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ تم سب کو ضرور قیامت کے دن جمع کرے گا اس میں کوئی شک ہی نہیں اور وہ کون ہے جس کی بات اللہ کی بات سے بڑھ کر سچی ہو"۔

نفوس کی تربیت میں اس عقیدے کا بڑا دخل ہے کہ تمام انسانوں کو ایک دن اللہ تعالیٰ میدان حشر میں جمع فرمائے گا۔ اسلوب نگارش میں نون ثقیلہ نے اعتماد، یقین اور رسوخ عقیدہ کی ہر روحانی منزل قریب فرما دی ہے کہ ایسا ضرور ہوگا، یقینی ہوگا اور قطعی طور پر ہوگا اور انسانوں سے ان کے اعمال پر باز پرس بھی ہوگی۔ خصوصاً یہ بھی پوچھا جائے گا کہ اللہ کی ہدایات پر تم نے کس قدر عمل کیا، اس طرح ہر صغیر و کبیر معاملہ کا محاسبہ کیا جائے گا۔ اللہ کی بات سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہو سکتی ہے؟

گویا آیت میں جو اظہار کیا گیا ہے وہ مسلمانوں کے دلوں اور روحوں کو اس احساس سے بھر دیتا ہے کہ معبود اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، شرک ایک رسوائی ہے جس کی موجودگی میں اسلام کی عمارت قائم نہیں رہ سکتی، وہ قادر و قدیر ہے، وہ اعمال کا حساب رکھنے میں حسیب ہے، وہ قیامت کے دن سب کو ضرور جمع کرلے گا اس میں کسی بھی قسم کا شک نہیں اور اللہ جہاں معبود ہے وہاں اصدق بھی ہے۔ اس کی ہر بات، اس کا ہر قول اور اس کا ہر قانون اور اس کا ہر حکم اور امر سچا ہے اور سچی بات کے سامنے سچا کردار یہی ہوتا ہے کہ اسے تسلیم کرلیا جائے اور اس کی خوشبو عملی زندگی میں اتاری جائے۔

❁❁❁❁❁

اَللّٰهُ: اللہ
لَاۤ: نہیں
اِلٰهَ: معبود
اِلَّا: مگر، سوائے
هُوَ: وہی، وہ، اس کے
لَيَجۡمَعَنَّكُمۡ: ضرور جمع کرے گا تم کو
اِلٰى: کی طرف
يَوۡمِ: دن
الۡقِيٰمَةِ: قیامت
لَا: نہیں
رَيۡبَ: شک
فِيۡهِ: اس میں
وَمَنۡ: اور کون
اَصۡدَقُ: زیادہ سچا ہے
مِنَ اللّٰهِ: اللہ سے
حَدِيۡثًا: از روئے بات کے

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ
اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ
سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾
وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ
اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَ
اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَ لَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّ لَا
نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾

(88) تو کیا ہے تمہیں کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو گئے حالانکہ اللہ نے انہیں ان کے کاموں کی وجہ سے اوندھا پلٹا دیا ہے کیا تم اسے ہدایت دے سکتے ہو جسے اللہ نے گمراہ بتا دیا ہو اور جسے اللہ گمراہ بتائے تو اس کے لیے تم ہرگز کوئی راہ نہ پاؤ گے

(89) ان کی خواہش ہے کہ تم بھی کفر کرنے لگ جاؤ جیسا کہ انہوں نے کفر کیا پھر تم لوگ برابر ہو جاؤ تو ان میں سے دوست مت بناؤ یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں ہجرت کریں پھر اگر انہوں نے روگردانی کی تو انہیں پکڑ لو اور مار ڈالو جہاں بھی انہیں پا لو اور ان میں سے کسی کو بھی دوست نہ بناؤ اور نہ ہی کسی کو مددگار جانو

مفردات

فَمَا لَكُمۡ فِى الۡمُنٰفِقِيۡنَ فِئَتَيۡنِ وَاللّٰهُ اَرۡكَسَهُمۡ بِمَا كَسَبُوۡا ؕ اَتُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَهۡدُوۡا مَنۡ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ سَبِيۡلًا ﴿۸۸﴾

''تو کیا ہے تمہیں کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو گئے حالانکہ اللہ نے انہیں ان کے کاموں کی وجہ سے اوندھا پلٹا دیا ہے، کیا تم اسے ہدایت دے سکتے ہو جسے اللہ نے گمراہ بتا دیا ہو اور جسے اللہ گمراہ بتائے تو اس کے لیے تم ہرگز کوئی راہ نہ پاؤ گے''۔

منافقین کی زندگیاں دھوپ چھاؤں تھیں، وہ مفادات اور حالات کے ساتھ چلتے تھے۔ کبھی بت پرستوں کی جے پکار لیتے اور کبھی نمازوں میں بھی آ کر شریک ہو جاتے۔ کبھی مسلمانوں سے قرب کی شادیاں رچا لیتے اور کبھی کفر کے صحرا میں کانٹے دار جھاڑیوں کو دیکھ کر گلاب سونگھنے کے دعوے کرتے۔ ان کا مزاج بھی عجب تھا، وہ لوگ کبھی ظلمتوں کو سکون کا راز سمجھتے اور کبھی شپرہ چشم کی طرح خورشید منور سے دشمنی کر لیتے۔ ان کے دوغلے رویوں سے مشکل ہو رہا تھا کہ مسلمان کوئی قطعی اور اٹل فیصلہ کر پاتے، ان کی توحید کی گواہیاں مسلمانوں کو دھوکہ میں مبتلا کر دیتیں اور کبھی وجود رسالت سے بے رخیاں عاشقوں کو غیظ وغضب سے سیخ پا کر دیتیں۔

قرآن مجید نے مسلمانوں کی تربیت کی کہ تمہارے فیصلے منافقوں کو دیکھ کر بکھرنے نہیں چاہییں، تمہیں بٹنا نہیں چاہیے۔ منافقین کے بارے میں ان کے گندے رویوں پر کسی شک وشبہ کا شکار مسلمانوں کو نہیں ہونا چاہیے۔

حضور ﷺ کے غلاموں اور عاشقوں کی تثبیت قلب کے لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ منافقوں کے شرمناک اعمال کی وجہ سے ان سے حمایت اور توفیق منقطع کر لی گئی ہے۔ ان کا کوئی منصوبہ تکمیل پذیر نہیں ہو سکتا۔ ان کی سازشیں اوندھی کر دی گئی ہیں اور ان کا گند ان پر ڈال دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو اپنی سادہ خوئی سے یہ سوچ نہیں اپنانی چاہیے کہ وہ منافقوں کو کھینچ کھوچ کر ہدایت کی طرف لے آئیں گے۔ یہ گندی بیماری سرطان ہے جس نے منافقوں کے دلوں کو بوسیدہ اور ناکارہ کر دیا ہے۔

مسلمانوں کو یہ یقین بھی پختہ کر لینا چاہیے کہ اللہ جسے گمراہ کر دے وہ کسی فلاح کی راہ سے فیض یاب نہیں ہو سکتا۔

واللہ اعلم

فَمَا: تو کیا ہے
لَكُمۡ: تمہارے لیے، تم کو
فِى: بیچ
الۡمُنٰفِقِيۡنَ: منافقوں کے
فِئَتَيۡنِ: دو گروہ
وَاللّٰهُ: اور اللہ
اَرۡكَسَهُمۡ: انہیں اوندھا کر دیا، ذلیل کر دیا، برباد کر دیا
بِمَا: بسبب اس کے
كَسَبُوۡا: جو انہوں نے کمایا
اَتُرِيۡدُوۡنَ: کیا تم چاہتے ہو
اَنۡ: یہ کہ
تَهۡدُوۡا: ہدایت دو
مَنۡ: جسے
اَضَلَّ: گمراہ کر دے
اللّٰهُ: اللہ
وَمَنۡ: اور جسے
يُّضۡلِلِ: گمراہ کر دے
اللّٰهُ: اللہ
فَلَنۡ: تو ہرگز نہیں
تَجِدَ: تو پائے گا
لَهٗ: اس کے لیے
سَبِيۡلًا: کوئی راہ

مفردات

وَدُّوۡا: انہوں نے پسند کیا
لَوۡ: کیوں نہ؟ کاش اگر
تَکۡفُرُوۡنَ: تم کافر ہو جاؤ
کَمَا: جیسا کہ
کَفَرُوۡا: وہ کافر ہوئے
فَتَکُوۡنُوۡنَ: توتم سب ہو جاؤ
سَوَآءً: برابر، برابر
فَلَا: تو نہ
تَتَّخِذُوۡا: بناؤ تم
مِنۡهُمۡ: ان میں سے
اَوۡلِیَآءَ: دوست
حَتّٰی: یہاں تک
یُهَاجِرُوۡا: وہ ہجرت کریں
فِیۡ سَبِیۡلِ: راہ میں
اللّٰهِ: اللہ
فَاِنۡ: تو اگر
تَوَلَّوۡا: وہ رخ پھیر دیں
فَخُذُوۡهُمۡ: تو پکڑ لو انہیں
وَاقۡتُلُوۡهُمۡ: اور قتل کر دو انہیں
حَیۡثُ: جہاں بھی
وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ: تم ان کو پاؤ
وَلَا تَتَّخِذُوۡا: اور نہ بناؤ
مِنۡهُمۡ: ان میں سے
وَلِیًّا: دوست، حمایتی
وَّلَا نَصِیۡرًا: اور نہ مددگار

وَدُّوۡا لَوۡ تَکۡفُرُوۡنَ کَمَا کَفَرُوۡا فَتَکُوۡنُوۡنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ اَوۡلِیَآءَ
حَتّٰی یُهَاجِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَخُذُوۡهُمۡ وَ اقۡتُلُوۡهُمۡ حَیۡثُ
وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیۡرًا ﴿۸۹﴾

"ان کی خواہش ہے کہ تم بھی کفر کرنے لگ جاؤ جیسا کہ انہوں نے کفر کیا پھر تم لوگ برابر ہو جاؤ تو ان میں سے دوست مت بناؤ یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں ہجرت کریں پھر اگر انہوں نے روگردانی کی تو انہیں پکڑ لو اور مار ڈالو جہاں بھی انہیں پالو اور ان میں سے کسی کو بھی دوست نہ بناؤ اور نہ ہی کسی کو مددگار جانو"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں (281) کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اتری جو بظاہر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے لیکن مکہ میں مشرکین کی وہ مدد بھی کرتے رہتے تھے۔ یہ لوگ کسی ضرورت سے مکہ سے باہر نکلے اور سوچنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی اگر ہمیں مل گئے تو ہمیں ان کا کوئی ڈر نہ ہوگا۔ جب مسلمانوں کو اطلاع اس امر کی ہوئی تو ایک گروہ کہنے لگا کہ یہ لوگ بزدل ہیں مشرکین کی مدد بھی کر لیتے ہیں اور مسلمان بھی کہلاتے ہیں، یہ جہاں ملیں ان کو قتل کر دو۔ دوسرے لوگ اس سوچ کا اظہار کرنے لگے کہ ان لوگوں کو قتل کرنا ٹھیک نہ ہوگا جو کلمہ ہماری طرح پڑھتے ہیں صرف وہ ہجرت نہ کر سکے۔ اس بنا پر تو انہیں قتل نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن مجید نے ان لوگوں کے بارے میں پالیسی دے دی کہ ان لوگوں کی پکڑ دھکڑ ہجرت کرنے تک موقوف ہے۔ ہاں اگر یہ ہجرت کو اہمیت نہیں دیتے تو پھر ایسے لوگ جہاں ملتے ہیں انہیں گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے۔ یہ لوگ اس قابل نہیں کہ ان سے دوستیاں استوار کی جائیں یا قومی، ملّی اور عمرانی زندگی میں ان کو معتبر جانا جائے۔ ایسے رویّے کے لوگ دوست ہوتے ہیں اور نہ مددگار، سخت فیصلہ کا پس منظر یہ ہے کہ یہ لوگ دل سے متمنی ہیں کہ تم مسلمان بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کالے کفر میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور تمہارے رہنے سہنے، بود و باش، سوچ فکر اور قول فعل میں برابری اور تسویہ ہو جائے۔

آیت کا تفسیری عمود یہ ٹھہرا کہ مسلمان اور کافر دو الگ الگ قومیں ہیں۔ ان کا طرز حیات اور انداز فکر کبھی برابر نہیں ہو سکتا۔ کافر اور مشرک کبھی مسلمان کا حمایتی اور مددگار نہیں ہو سکتا۔ پاکیزہ مچھلیاں آگ کے سمندر میں کبھی بھی جی نہیں سکتیں۔ مسلمانوں کو حقیقی اسلام کا مقام جاننا چاہیے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ
حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ
اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ
وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾
سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا
رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ
السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَ
اُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾ ع

(90) البتہ وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسی قوم سے جاملیں جن کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہے یا وہ لوگ جو دل برداشتہ ہوکر تمہارے پاس آجائیں اور تم سے یا اپنی قوم سے لڑنا نہ چاہیں اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کردیتا سو وہ بھی تم سے لڑتے سو تم سے اگر انہوں نے کنارہ کشی برتی اور لڑے نہ اور تمہاری طرف صلح کی بات بڑھائی تو اللہ نے تمہارے لیے ان پر کوئی زیادتی کی راہ جائز نہ رکھی

(91) عنقریب کچھ دوسرے لوگ تمہیں ملیں گے جو تم سے بھی اور اپنی قوم سے بھی امن کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں مگر جب کبھی وہ فتنہ کی طرف پھیرے جائیں گے تو اوندھے منہ اس میں چھلانگ دے ماریں گے تو اگر وہ باز نہ رہے اور تم سے صلح کی بات نہ ڈالی اور اپنے ہاتھوں کو روکا نہ تو انہیں پکڑو اور انہیں مار ڈالو جہاں بھی وہ ملیں، یہ ہیں وہ لوگ جن پر ہم نے تمہیں کھلا قابو دے دیا ہے

اِلَّا الَّذِيۡنَ يَصِلُوۡنَ اِلٰى قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ اَوۡ جَآءُوۡكُمۡ حَصِرَتۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَنۡ يُّقَاتِلُوۡكُمۡ اَوۡ يُقَاتِلُوۡا قَوۡمَهُمۡ ‌ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمۡ عَلَيۡكُمۡ فَلَقٰتَلُوۡكُمۡ‌ ۚ فَاِنِ اعۡتَزَلُوۡكُمۡ فَلَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ وَاَلۡقَوۡا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سَبِيۡلًا ﴿۹۰﴾

''البتہ وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسی قوم سے جاملیں جن کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہے یا وہ لوگ جو دل برداشتہ ہوکر تمہارے پاس آجائیں اور تم سے یا اپنی قوم سے لڑنا نہ چاہیں اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کردیتا سو وہ بھی تم سے لڑتے سو تم سے اگر انہوں نے کنارہ کشی برتی اور لڑے نہ اور تمہاری طرف صلح کی بات بڑھائی تو اللہ نے تمہارے لیے ان پر کوئی زیادتی کی راہ جائز نہ رکھی''۔

شانِ نزول

مفسرین نے دو روایتیں رقم کی ہیں:

ابن کثیر لکھتے ہیں (282):

> ''سراقہ بن مالک مدلجی کہتے ہیں مسلمانوں کو جب بدر اور اُحد میں اللہ نے نصرت اور غلبہ سے نوازا اور مدینہ کے گرداگرد قبائل میں اسلام کا نور پھیل گیا۔ مجھے اطلاع ہوئی کہ محمد ﷺ کا ارادہ ہے کہ خالد بن ولید کو ایک لشکر دے کر میری قوم بنی مدلج کی گوشمالی کے لیے روانہ کریں تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: میرا ایک احسان ہے جو میں یاد کرانے آیا ہوں۔ لوگوں نے مجھے ڈانٹ کر کہا: چپ رہو لیکن حضرت محمد ﷺ نے فرمایا:
>
> ''اسے کہنے دو''
>
> پھر فرمایا:
>
> ''بولو بولو کیا کہنا چاہتے ہو''۔

مفردات

اِلَّا: سوا
الَّذِيۡنَ: ان لوگوں کے
يَصِلُوۡنَ: مل جاتے ہیں
اِلٰى: کی طرف
قَوۡمٍۢ: قوم
بَيۡنَكُمۡ: تمہارے درمیان
وَبَيۡنَهُمۡ: اور ان کے درمیان
مِّيۡثَاقٌ: عہد و پیمان
اَوۡ: یا
جَآءُوۡكُمۡ: آئیں تمہارے پاس
حَصِرَتۡ: تنگ پڑ چکے ہوں
صُدُوۡرُهُمۡ: ان کے سینے
اَنۡ: اس سے کہ
يُّقَاتِلُوۡكُمۡ: لڑائی کریں تم سے
اَوۡ: یا
يُقَاتِلُوۡا: لڑائی کریں
قَوۡمَهُمۡ: اپنی قوم سے
وَلَوۡ: اور اگر
شَآءَ: چاہا ہوتا
اللّٰهُ: اللہ نے
لَسَلَّطَهُمۡ: ضرور مسلط کردیتا
عَلَيۡكُمۡ: تم پر
فَلَقٰتَلُوۡكُمۡ: تو ضرور تم سے وہ لڑائی کرتے
فَاِنِ: سو اگر
اعۡتَزَلُوۡكُمۡ: وہ تم سے دور رہے یعنی لڑائی نہ کی
فَلَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ: تو لڑائی نہ کی تم سے
وَاَلۡقَوۡا: اور پیغام پھینکا
اِلَيۡكُمُ: تمہاری طرف

مفردات

السَّلَمَ: صلح کا
فَمَا: تونہیں
جَعَلَ: کیا
اللّٰهُ: اللہ نے
لَكُمْ: تمہارے لیے
عَلَيْهِمْ: ان پر
سَبِيْلًا: کوئی راستہ

میں نے عرض کی مجھے معلوم ہے کہ آپ میری قوم کی طرف خالد کی سربراہی میں لشکر روانہ فرما رہے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ آپ ان سے صلح کر لیں اس پر کہ قریش اگر اسلام لے آئے تو وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے، جب تک قریش مسلمان نہیں ہوتے، میری قوم پر چڑھائی نہ کی جائے۔ حضور ﷺ نے خالد بن ولید کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑا اور ہدایت نوازی فرمائی کہ خالد تم اپنے مدلجی بھائی کے ساتھ جاؤ اور جیسے یہ کہتے ہیں ان کی قوم سے صلح کرآؤ۔ صلح اس بات پر ہوگئی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف کسی کی مدد نہ کریں گے اور قریش اگر اسلام لے آئے تو یہ بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ یہ تھا وہ پس منظر جس میں یہ آیت نازل ہوئی۔

آیت کے شانِ نزول میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ قبائل عرب میں دو قبیلے تھے: ایک اشجع اور دوسرا بنی حمزہ۔ ان میں سے بنو حمزہ نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا عہد کیا تھا جبکہ اشجع نے بنو حمزہ کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر رکھا تھا۔ بعض مسلمانوں کا خیال ہوا کہ بنی حمزہ کے بارے میں ہمیں جارحانہ حملہ کر دینا چاہیے۔ حضور ﷺ نے منع فرما دیا اور ان کے بعض محاسن گنے کہ وہ تمام قبائل عرب میں ماں باپ کے ساتھ بڑھ چڑھ کر حسن سلوک کرنے والے ہیں، اپنے رشتہ داروں کے ساتھ زیادہ شفیق اور مہربان ہیں اور ایفائے عہد کرنے والے ہیں۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ مسلمانوں کو اطلاع ہوئی کہ اشجع قبیلے کے سات سو افراد مسعود بن رجیلہ کی سربراہی میں مدینہ کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ جب سراغ رسانوں نے معلوم کیا کہ وہ کس مقصد کی خاطر آئے ہیں تو اطلاع دی گئی کہ وہ جنگ نہ کرنے کے معاہدہ کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ دشمن سے مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے اس لیے کہ تعداد میں یہ کم ہیں اور مسلمانوں سے بھی وہ لڑنا نہیں چاہتے اس لیے کہ مدینہ اور ان کے قبیلے کی سکونت کے درمیان طویل مسافت ہے۔ حضور ﷺ نے ان سے امن کا معاہدہ کر لیا اور انہیں واپسی پر بہت سی مقدار میں کھجوریں تحفہ میں دیں (283)۔

آیت کی تذکیرات

- آیت کی پہلی تذکیر یہ ہے کہ قومی فیصلے جلد بازی کے ماحول میں نہ کیے جائیں۔ ہمہ دم کوشش ہونی چاہیے کہ جنگ سے گریز کیا جائے۔ جہاد نظریات، اعتقادات اور اقدار کے پرچم بلند کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ فسادات، منفعت اور امن سوزی کے لیے نہیں ہوتا۔
- آیت کی دوسری تذکیر عہد و پیمان کی قدر افزائی ہے وہ لوگ جو کسی ہم پیمان کے ساتھ مربوط ہوں ان کی صلح کی پیشکش کو خندہ پیشانی سے قبول کرنا چاہیے اور وہ لوگ جو آپ

مفردات

سَتَجِدُوۡنَ: عنقریب پاؤ گے تم
اٰخَرِيۡنَ: کچھ دوسرے لوگوں کو
يُرِيۡدُوۡنَ: چاہتے ہیں وہ
اَنۡ: یہ کہ
يَّاۡمَنُوۡكُمۡ: تم سے امن کے ساتھ رہیں
وَيَاۡمَنُوۡا: اور پُرامن رہیں
قَوۡمَهُمۡ: اپنی قوم سے
كُلَّمَا: جب کبھی
رُدُّوۡۤا: پلٹائے گئے وہ
اِلَى الۡفِتۡنَةِ: کی طرف فتنہ
اُرۡكِسُوۡا فِيۡهَا: اوندھے ہوکر پڑ گئے اس میں
فَاِنۡ: پس اگر
لَّمۡ يَعۡتَزِلُوۡكُمۡ: نہ کنارہ کریں
وَيُلۡقُوۡۤا: اور نہ ڈالیں
اِلَيۡكُمُ: تمہاری طرف
السَّلَمَ: صلح
وَيَكُفُّوۡۤا: اور نہ روکیں
اَيۡدِيَهُمۡ: اپنے ہاتھوں کو
فَخُذُوۡهُمۡ: تو گرفتار کرلو انہیں
وَاقۡتُلُوۡهُمۡ: اور قتل کردو انہیں
حَيۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ: جہاں پاؤ تم انہیں
وَاُولٰٓـئِكُمۡ: اور یہی لوگ ہیں
جَعَلۡنَا: کیا ہے ہم نے، بنایا ہے ہم نے، رکھنا ہے ہم نے
لَـكُمۡ: تمہارے لیے
عَلَيۡهِمۡ: ان پر
سُلۡطٰنًا: غلبہ، اختیار وغیرہ
مُّبِيۡنًا: کھلا اور واضح

کے سائے میں جی رہے ہیں ان کے جذبات اور احساسات سب کی نگہداری ہونی چاہیے اور قدر افزائی کی سوچوں کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔

- آیت کی تیسری تذکیر ان لوگوں کو امن کا ماحول فراہم کرنا ہے جن کے سینے جنگ اور ضرب حرب سے تنگ پڑ چکے ہوں، وہ ٹکرانے کے ماحول سے بیزار ہوکر جنگ بندی کے ساتھ جینا چاہتے ہوں تو ان میں اسلام کی تبلیغ حکمت کی راہ پر ہونی چاہیے اور جنگ کی وقتی صورتحال سے انہیں مستثنیٰ کر دینا چاہیے۔
- آیت میں چوتھی تذکیر یہ ہے کہ جنگی طاقت پر کبھی غرور میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ فیصلے عاجزی اور دانائی کے ساتھ ہونے چاہئیں۔ کمزور لوگوں کو معاف کر دینے میں عظمت و فضیلت کی روشنی مخفی ہوتی ہے۔ وہ صبح کے نور کی طرح کسی وقت بھی پھوٹ کر کائنات کو ضوفشاں کرسکتی ہے۔
- آیت کی پانچویں تذکیر یہ ہے کہ صلح کی پیشکش کو ''القائے سلام'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ''صلح پھینکنا'' شاید اس میں اشارہ اس طرف ہو کہ قومیت کی تحفیظ میں نظریاتی فاصلے قائم رکھنے چاہییں آپ کی طرف صلح کا پیغام پھینکنے والے کو تمہاری طاقت کا اندازہ رہنا چاہیے۔

سَتَجِدُوۡنَ اٰخَرِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّاۡمَنُوۡكُمۡ وَيَاۡمَنُوۡا قَوۡمَهُمۡ‌ؕ كُلَّمَا رُدُّوۡۤا اِلَى الۡفِتۡنَةِ اُرۡكِسُوۡا فِيۡهَا‌ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ يَعۡتَزِلُوۡكُمۡ وَيُلۡقُوۡۤا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوۡۤا اَيۡدِيَهُمۡ فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ‌ ؕ وَاُولٰٓـئِكُمۡ جَعَلۡنَا لَـكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا ۝٩١

''عنقریب کچھ دوسرے لوگ تمہیں ملیں گے جو تم سے بھی اور اپنی قوم سے بھی امن کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں مگر جب کبھی وہ فتنہ کی طرف پھیرے جائیں گے تو اوندھے منہ اس میں چھلانگ دے ماریں گے تو اگر وہ باز نہ رہے اور تم سے صلح کی بات نہ ڈالی اور اپنے ہاتھوں کو روکا نہ تو انہیں پکڑو اور انہیں مار ڈالو جہاں بھی وہ ملیں، یہ ہیں وہ لوگ جن پر ہم نے تمہیں کھلا قابو دے دیا ہے''۔

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں (284):

''یہ آیت بنو اسد اور بنو غطفان کے بارے میں نازل ہوئی، اس لیے کہ یہ لوگ مدینہ طیبہ میں آئے اور

مسلمانوں میں گھل مل گئے اور امن کی زندگی میں سکون
محسوس کرنے لگے لیکن مدینہ کے منافقین اور ان کی اپنی
قوم ان کو فتنے میں مبتلا کرتی۔ فتنہ سے مراد اعتقادی
خرابیاں ہیں اور مسلمانوں کے قتل کرنے پر لوگوں کو
ابھارنا ہے۔ مسلمانوں کو اس آیت میں سمجھایا جا رہا ہے
کہ تم لوگ ان کے ظاہری معمولات سے دھوکہ نہ کھاؤ اگر
یہ لوگ تم سے قتال سے الگ نہیں ہوتے، اپنے رویے
درست نہیں کر لیتے اور تم سے صلح کے پیمان پر پختہ نہیں
ہو جاتے اور اپنے ہاتھوں کو تم سے روک نہیں لیتے تو جہاں
کہیں بھی تم انہیں پاتے ہو انہیں پکڑ لو اور ٹھکانے
لگا دو۔ مومنین کی جماعت کو سمجھنا چاہیے کہ ہم نے تمہیں
ان پر غلبہ عطا کر دیا ہے''۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

ابن کثیر نے آیت میں فتنہ سے مراد ''شرک'' لیا ہے(285) اور ''ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ'' میں ایک دقیق اور لطیف نکتے کی طرف اشارہ ہے، اس لیے کہ یہ لفظ ثقافت سے ماخوذ ہے اور اس کا معنیٰ ہوتا ہے کسی چیز کا مشکل اور مہارت سے ہاتھ آنا، گویا یہ منافقین چالباز ہوتے ہیں، گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہیں اس لیے ان کی پہچان ایک مشکل امر ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو خلوص اور مہارت دونوں کو کام میں لا کر ان پر قابو پانے کی منزل حاصل کرنی پڑتی ہے(286)۔

سلطان کا مفہوم

علامہ اسماعیل حقی روح البیان میں لکھتے ہیں(287):

'''سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا'' سے مراد حجت واضحہ ہے اس طرح کہ
اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان کا گرفتار کرنا اور قتل کرنا جائز
کر دیا ہے۔ یہ اللہ ہی کی مدد مسلمانوں کے حق میں ظاہر
ہوئی کہ منافقین کی عداوت کی ہر جہت بے نقاب ہوگئی اور
مصنوعی لباس جو انہوں نے مسلمانوں کو فریب دینے کے
لیے پہن رکھا تھا، اتر گیا۔ منافقوں کے عذر، دھوکے،

مغالطے اور مضرات ومہلکات کھل کر مسلمانوں کے سامنے
آ گئے۔ یہ اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے حق میں سلطانِ
مبین ہے''۔

کفار کا مسلمانوں پر مسلط ہونا

علامہ قرطبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ کفار کے تسلّط کی چند قسمیں ہیں (288):

- پہلی یہ ہے کہ جب مسلمانوں سے ناجائز اور حرام کاموں کی کثرت ہو جاتی ہے اور گناہ ہر جانب سے ان کا محاصرہ کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بطور سزا کفار کو غلبہ دے دیتا ہے جو عارضی ہوتا ہے۔
- دوسری یہ ہے کہ مسلمانوں کا امتحان لینے کے لیے انہیں مغلوب کر دیا جاتا ہے۔ یہ جانچنے کے لیے کہ کون ان میں جہاد اور صبر پر قائم رہتا ہے۔
- اور تیسری قسم یہ ہے کہ مسلمانوں کی صلاحیتیں نکھارنا مقصود ہوتا ہے۔ جب یہ ملت عظیمہ مصیبتیں اور تکالیف جھیلنے کی عادی ہو جاتی ہے تو ان سے کوئی بڑا کام لے لیا جاتا ہے۔

❁❁❁❁❁

إِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا
خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ
يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ
مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ
اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ
مُتَتَابِعَيْنِ ؗ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾

(92) کسی مومن کو یہ روا نہیں کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کر ڈالے سوا اس کے کہ وہ خطا کھا جائے اور جس نے کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دیا تو اب اس صورت میں ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہے اور مقتول کے اہل کو خون بہا سپرد کرنا ہے مگر یہ کہ وہ خود ہی بخش دیں پھر مقتول اگر تمہاری دشمن قوم سے ہے اور خود وہ مومن ہے تو دریں صورت ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے اور اگر وہ کسی ایسی قوم سے ہے کہ ان کے اور تمہارے مابین معاہدہ ہے تو خون بہا ہوگا جو مقتول والوں کے سپرد کیا جائے گا اور ساتھ میں ایک غلام آزاد کرنا ہے تو جس نے یہ نہ پایا تو لگاتار دو مہینے کے روزے رکھنے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے توبہ کا طریقہ ہے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا
فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ
مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ
بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ
لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ؗ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا
حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾

’’کسی مومن کو یہ روا نہیں کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کر ڈالے سوا اس کے کہ وہ خطا کھا جائے اور جس نے کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دیا تو اب اس صورت میں ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہے اور مقتول کے اہل کو خون بہا سپرد کرنا ہے مگر یہ کہ وہ خود ہی بخش دیں پھر مقتول اگر تمہاری دشمن قوم سے ہے اور خود وہ مومن ہے تو دریں صورت ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے اور اگر وہ کسی ایسی قوم سے ہے کہ ان کے اور تمہارے مابین معاہدہ ہے تو خون بہا ہو گا جو مقتول والوں کے سپرد کیا جائے گا اور ساتھ میں ایک غلام آزاد کرنا ہے تو جس نے یہ نہ پایا تو لگاتار دو مہینے کے روزے رکھنے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے توبہ کا طریقہ ہے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے‘‘۔

تذکیر نزولی

’’ام القریٰ‘‘ کی نور بستی میں جب اسلام کا سورج آب و تاب کے ساتھ روشنیاں لے کر طلوع ہوا تو بے بس مسلمانوں کو ستانا، دکھ دینا اور تکلیفوں میں مبتلا کرنا شرکیہ سوسائٹی کا معمول بن گیا۔ ہوا یہ کہ مکہ کے ایک بت پرست اور رکس ورجس میں آلودہ شخص حارث بن یزید نے ابوجہل کی مدد سے ایک مسلمان عیاش بن ابی ربیعہ کو مسلمان ہونے کی وجہ سے شکنجۂ ظلم میں جکڑ لیا۔ گرفت و قید کی صعوبتیں جب حد سے بڑھ گئیں تو عیاش نے موقع پا کر مہاجر مسلمانوں کے نقوش پا کی روشنی لی اور مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اتفاقاً ایسے ہوا کہ مدینۃ النور کی ایک افتادہ بستی میں عیاش نے حارث کو دیکھ لیا اور پرانی یادوں کے زخم تازہ ہو گئے اور اس نے موقع تلاش کر کے حارث بن یزید کو قتل کر دیا۔ دل میں خیال یہ کیا کہ اس نے ایک دشمن اسلام کو ٹھکانے لگایا ہے حالانکہ حارث توبہ کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو چکا تھا۔ یہ واقعہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو عین اسی وقت وحی کا نزول ہوا اور یہ آیت اتری۔ آیت کا نزولی دروبست آیت کو سمجھنے میں پوری طرح مددگار ثابت ہو رہا ہے (289)۔

مفردات

وَ: اور
مَا: نہیں
كَانَ: ہے
لِمُؤْمِنٍ: کسی مومن کے لیے
اَنْ: یہ کہ
يَّقْتُلَ: وہ قتل کرے
مُؤْمِنًا: کسی ایمان والے کو
اِلَّا: مگر
خَطَـًٔا: خطا سے، غلطی سے
وَ: اور
مَنْ: جس نے
قَتَلَ: قتل کر دیا
مُؤْمِنًا: کسی ایمان والے کو
خَطَـًٔا: خطا سے، غلطی سے
فَتَحْرِيْرُ: تو آزاد کرنا ہے
رَقَبَةٍ: گردن، غلام آزاد کرنا
مُّؤْمِنَةٍ: مومن
وَّ: اور
دِيَةٌ: خون بہا، خون کا بدلہ
مُّسَلَّمَةٌ: سپرد کرنا
اِلٰٓى: طرف
اَهْلِهٖٓ: مقتول کے گھر والوں کے
اِلَّآ: مگر
اَنْ: یہ کہ
يَّصَّدَّقُوْا: وہ معاف کر دیں
فَاِنْ: پھر اگر
كَانَ: وہ ہو
مِنْ قَوْمٍ: ایسی قوم سے

مفردات

عَدُوٍّ لَّكُمۡ: جو دشمن ہو تمہاری
وَهُوَ: اور وہ
مُؤۡمِنٌ: مومن ہو
فَتَحۡرِيۡرُ: تو آزاد کرنا ہے
رَقَبَةٍ: گردن
مُّؤۡمِنَةٍ: مومن کی
وَاِنۡ: اور اگر
كَانَ: وہ ہو
مِنۡ قَوۡمٍ: ایسی قوم سے
بَيۡنَكُمۡ: تمہارے درمیان
وَبَيۡنَهُمۡ: اور ان کے درمیان
مِّيۡثَاقٌ: معاہدہ ہو
فَدِيَةٌ: تو دیت ہے
مُّسَلَّمَةٌ: سپرد کی گئی
اِلٰٓى اَهۡلِهٖ: مقتول کے وارثوں کو
وَتَحۡرِيۡرُ: اور آزاد کرنا ہے
رَقَبَةٍ: غلام
مُّؤۡمِنَةٍ: مومن
فَمَنۡ: تو جو
لَّمۡ يَجِدۡ: نہ پائے
فَصِيَامُ: تو روزے ہیں
شَهۡرَيۡنِ: دو ماہ کے
مُتَتَابِعَيۡنِ: مسلسل
تَوۡبَةً: یہ توبہ ہے
مِّنَ اللّٰهِ: اللہ کی طرف سے
وَكَانَ اللّٰهُ: اور ہے اللہ
عَلِيۡمًا: علم والا
حَكِيۡمًا: حکمت والا

آیت میں تین صورتیں

❁ قتلِ خطا کی ایسی صورت جس میں بھول چوک سے یہ فعل سرزد ہو جائے۔ کوئی مسلمان دارالاسلام میں غلطی سے دوسرے مسلمان کو قتل کر دے اور مقتول کا خاندان بھی مسلمان ہو۔ اس صورت میں اسے ایک مومن غلام آزاد کرنا ہوگا اور پوری دیت مقتول کے خاندان کو ادا کرنی ہوگی۔

سید قطب لکھتے ہیں (290):

> ''ایک مومن غلام کا آزاد کرنا ایسا تاوان ہے جو اسلامی معاشرہ کا جو نقصان ہوتا ہے اس کی تلافی کے طور پر ادا کرنا ہوتا ہے۔ یہ یوں ہے کہ غلام کو آزادی دے کر گویا اس نے ایک مردہ انسان کو حیات نو سے نواز دیا ہے۔ اگر یہ قانون نافذ ہوگا تو کئی غلام آزادی سے ہم کنار ہو جائیں گے۔ رہی دیت تو اس کی وجہ سے مقتول کے وارثوں کے جذبات ٹھنڈے ہوں گے لیکن آیت میں یہ اشارہ بھی دے دیا گیا ہے کہ مقتول کا خاندان اگر خون بہا معاف کر دے تو اس کے حق میں یہ اچھا ہے۔ اسلامی معاشرہ میں ''عفو و درگزر'' کی کتنی بڑی تحریص ہے۔ پہلی جہت قانون ہے اور دوسری جہت اسلامی اخلاق ہے۔

❁ دوسری صورت یہ ہے کہ قتل خطا ایک مومن پر واقع ہو اور اس کے وارث دارالاسلام کے محارب ہوں اس حالت میں دارالاسلام کے نقصان کا معاوضہ یہ ہوگا کہ قاتل کو ایک مومن غلام آزاد کرنا ہوگا لیکن اس صورت میں دیت ادا نہ کی جائے گی اس لیے کہ مال مسلمانوں کے خلاف خرچ ہوگا۔

❁ تیسری صورت یہ ہے کہ مقتول کے وارث معاہد ہوں۔ معاہدہ کی صورت امن یا دوستی دونوں کی ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت میں قرآن نے مقتول کے مومن ہونے کی شرط نہیں بیان کی ہے۔ اس صورت میں فقہاء نے حکم کو مطلق رکھا ہے اور مومن غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ہے اور دیت بھی دینا لکھا ہے۔

❁❁❁❁❁❁

وَمَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیۡهَا وَ غَضِبَ
اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیۡمًا ﴿۹۳﴾
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوۡا وَ لَا
تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ اَلۡقٰۤی اِلَیۡکُمُ السَّلٰمَ لَسۡتَ مُؤۡمِنًا ۚ تَبۡتَغُوۡنَ عَرَضَ
الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ۫ فَعِنۡدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ کَثِیۡرَةٌ ؕ کَذٰلِکَ کُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ
فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیۡکُمۡ فَتَبَیَّنُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ﴿۹۴﴾

(93) اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرتا ہے تو اس کی جزا جہنم ہوتی ہے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہوتا ہے اور ایسے شخص پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہوتی ہے اور اللہ نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے

(94) اے ایمان والو! جب تم جہاد کے لیے اللہ کی راہ میں نکلو تو پیش آنے والے حالات کی تحقیق کر لو اور جو شخص تمہیں اپنا مسلمان ہونا باور کرائے اسے نہ کہو کہ تو ایمان والا نہیں، کیا تم دنیاوی زندگی کے اسباب چاہتے ہو جبکہ اللہ کے پاس تو نعمتوں کے فراواں سلسلے ہیں، تم خود بھی تو اس سے پہلے ایسے ہی تھے سو اللہ نے تم پر احسان فرمایا اس لیے تم خوب تحقیق سے کام لیا کرو بے شک اللہ خبردار ہے اس سے جو بھی تم کرتے ہو

مفردات

وَمَنۡ: اور جو
یَّقۡتُلۡ: قتل کرے، قتل کرتا ہے یا قتل کرے گا
مُؤۡمِنًا: کسی ایمان والے کو
مُّتَعَمِّدًا: جان بوجھ کر
فَجَزَآؤُهٗ: تو اس کی سزا
جَهَنَّمُ: جہنم ہے
خٰلِدًا: ہمیشہ رہیں گے
فِیۡهَا: اس میں
وَغَضِبَ: اور غضب کیا
اللّٰهُ: اللہ نے
عَلَیۡهِ: اس پر
وَلَعَنَهٗ: اور لعنت کی اس پر
وَاَعَدَّ لَهٗ: اور تیار کیا اس کے لیے
عَذَابًا: عذاب
عَظِیۡمًا: عظیم، بہت بڑا یا بہت زیادہ

وَمَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیۡهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیۡمًا ﴿۹۳﴾

''اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرتا ہے تو اس کی جزا جہنم ہوتی ہے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہوتا ہے اور ایسے شخص پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہوتی ہے اور اللہ نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے''۔

مقیس بن صبابہ کنانی ایک مسلمان تھا۔ اس نے اپنے مقتول بھائی کی لاش بنی نجار کے محلہ میں پڑی دیکھی۔ اس نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں شکایت کی۔ اس پر آپ ﷺ نے اسے قیس بن ہلال فہری کے ساتھ بنونجار کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ وہ لوگ اگر ہشام کے قاتل کو پہچانتے ہیں تو قصاص کے قانون کے مطابق قاتل کو مقیس کے حوالے کر دیں اور اگر انہیں قاتل کی خبر نہیں تو دیت ادا کریں۔ ان لوگوں نے خون بہا ادا کر دیا۔ دیت تو اس نے قبول کر لی لیکن راستے میں اس کی نیت بدل گئی۔ انتقام کی آگ بھڑکی تو اس نے قیس بن ہلال کو قتل کر دیا اور مکہ کی طرف بھاگ گیا اور مرتد بھی ہو گیا۔ رسول اکرم ﷺ نے عہد شکنی اور خیانت کی وجہ سے اس کا خون مباح کر دیا۔ اسی مناسبت سے مذکورہ آیت نازل ہوئی (291)۔

قتل عمد کا مرتکب

اس آیت میں اس شخص کی سزا بیان ہو رہی ہے جس نے جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کر دیا ہو۔ قرآن مجید نے قتل کو سنگین ترین جرم قرار دیا ہے۔ قتل و غارت جس معاشرے میں آ جائے اس معاشرہ کو تباہی سے دنیا کی کوئی قوت بچا نہیں سکتی۔ سورۃ المائدہ میں ایک نفس کے قتل کو ایسا سمجھا گیا ہے جیسے ساری انسانیت کو کسی نے قتل کر دیا ہو۔ زیر تعبیر آیت نے واضح اعلان کر دیا کہ جو شخص مومن اور مسلم کو قصداً اور عمداً قتل کر دے اس کی ذلت کے پانچ نشان ضرور قائم ہوں گے۔

1۔ اس کی سزا جہنم ہے
2۔ وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہو جائے گا
3۔ اللہ کا غضب اس پر برسے گا
4۔ اس پر دائمی لعنت ہو گی یعنی اسے رحمت سے محروم کر دیا جائے گا
5۔ اس کے لیے ایک بڑا عذاب تیار کر لیا گیا ہے

مفردات

یٰۤاَیُّهَا: اے
الَّذِیۡنَ: وہ لوگ
اٰمَنُوۡۤا: جو ایمان لائے ہو
اِذَا: جب
ضَرَبۡتُمۡ: تم چلو، تم سفر کرو
فِیۡ: میں
سَبِیۡلِ: راہ
اللّٰهِ: اللہ
فَتَبَیَّنُوۡا: تو خوب تحقیق کرلو، باریک بینی سے دیکھ لو
وَلَا: اور نہ
تَقُوۡلُوۡا: کہو
لِمَنۡ: اس کے شخص کے لیے
اَلۡقٰۤی: ڈالا ہے
اِلَیۡکُمُ: تمہاری طرف
السَّلٰمَ: سلام، صلح کا پیغام، سلامتی کی خواہش یا دعا
لَسۡتَ: تم نہیں ہو
مُؤۡمِنًا: مومن
تَبۡتَغُوۡنَ: تم چاہتے ہو
عَرَضَ: سامان
الۡحَیٰوةِ: زندگی
الدُّنۡیَا: دنیا کی
فَعِنۡدَ اللّٰهِ: تو اللہ کے نزدیک
مَغَانِمُ: غنیمتیں
کَثِیۡرَةٌ: کثیر تعداد میں
کَذٰلِکَ: یونہی
کُنۡتُمۡ: تم تھے

قتل عمد کیا ہے؟

قتل عمد وہ ہے جو قصداً ایسے ہتھیار سے کیا جائے جو جان زائل کرنے کے لیے وضع ہو جیسے تلوار، بندوق اور دھاری دار اسلحہ ہے۔ ایسے قتل کا حکم یہ ہے کہ اس میں گناہ اور قصاص ہے البتہ مقتول کے وارث قصاص معاف کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ اس میں کفارہ نہیں البتہ قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہوجاتا ہے۔ ہاں باہمی رضامندی سے مال واجب ہوجاتا ہے (292)۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوۡا وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ اَلۡقٰۤی اِلَیۡکُمُ السَّلٰمَ لَسۡتَ مُؤۡمِنًا ۚ تَبۡتَغُوۡنَ عَرَضَ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ۫ فَعِنۡدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ کَثِیۡرَةٌ ؕ کَذٰلِکَ کُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیۡکُمۡ فَتَبَیَّنُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ﴿۹۴﴾

''اے ایمان والو! جب تم جہاد کے لیے اللہ کی راہ میں نکلو تو پیش آنے والے حالات کی تحقیق کرلو اور جو شخص تمہیں اپنا مسلمان ہونا باور کرائے اسے نہ کہو کہ تو ایمان والا نہیں، کیا تم دنیاوی زندگی کے اسباب چاہتے ہو جبکہ اللہ کے پاس تو نعمتوں کے فراواں سلسلے ہیں، تم خود بھی تو اس سے پہلے ایسے ہی تھے سو اللہ نے تم پر احسان فرمایا اس لیے تم خوب تحقیق سے کام لیا کرو، بے شک اللہ خبردار ہے اس سے جو بھی تم کرتے ہو''۔

آیت کا تفہیماتی پس منظر

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ یہ آیت مقیس بن صبابہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر اس کے بھائی نے دیت ادا کردی لیکن بے خبری میں ایک مسلمان قتل کردیا گیا۔ قاتل دیت کے اونٹ لے کر بھاگ گیا۔ اسلام میں یہ پہلا شخص ہے جو مرتد ہوا اور ارتجالاً جو اشعار کہے ان کا مفہوم یہ تھا:

''میں نے فہری کو قتل کردیا اور اس کی دیت بنونجار کے سر
ڈال کر بھاگ گیا۔ اصل میں خون کا بدلہ تھا جو میں نے
لے لیا اب میں بتوں کا پرستار ہوں موحد نہیں''۔

شان نزول میں دوسری روایت یہ نقل کی گئی:

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ خیبر سے واپسی پر ایک اسلامی
دستہ فدک کے یہودیوں کی طرف بھیجا تاکہ انہیں اسلام
قبول کرنے کی دعوت دی جائے۔ اس موقع پر مرداس

مفردات

مِّنۡ قَبۡلُ: پہلے سے
فَمَنَّ: تو احسان کیا
اللّٰہُ: اللہ
عَلَیۡكُمۡ: تم پر
فَتَبَیَّنُوۡا: سو تحقیق کرلو
اِنَّ اللّٰہَ: بے شک اللہ
كَانَ: ہے
بِمَا: ان کے ساتھ
تَعۡمَلُوۡنَ: جو تم کرتے ہو
خَبِیۡرًا: خوب خبر رکھنے والا

نامی ایک شخص پہاڑ کے دامن میں پناہ گزیں ہوگیا اور جب مسلمانوں کا لشکر اسامہ بن زید کی قیادت میں پہنچا تو یہ استقبال کے لیے دوڑا۔ مرداس نے سلام کیا اور کلمہ پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا یقین دلایا لیکن اسامہ بن زید نے کہا کہ یہ جان اور مال کے خوف سے ایسا کر رہا ہے۔ جب حضور ﷺ کو اس بات کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ رنجیدہ ہوئے اور آپ ﷺ فرمانے لگے:
''اسامہ تم ''کلمۂ توحید'' سے کیسے عہدہ برآ ہوگے''؟
اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! اس نے تو جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا، آپ ﷺ نے فرط ملال کے عالم میں فرمایا:
''کیا تم نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھ لیا تھا''۔

اسامہ بن زید کے ہاتھ سے ''مرداس بن نہیک'' کا قتل اسلامی تعلیمِ تحقیق کا مقدمہ بن گیا (293)۔

ایمان تربیت کی راہوں پر

آیت میں خطاب ایمان والوں کو ہے اور انہیں سمجھایا جا رہا ہے کہ بے گناہ افراد کی جانوں کی حفاظت اسی طرح کا فریضہ ہے جیسے کلمہ شریفہ کا ورد کرنا ہے۔ مسلمانوں کو جوش ایمان، ولولۂ جہاد اور عزم طہارت کے ساتھ ساتھ احتیاط کا دامن بھی مضبوطی سے تھامے رکھنا چاہیے۔ وہ لوگ اس آیت سے سبق سیکھیں جنہیں مسلمانوں کو خواہ مخواہ کافر بنانے کا شوق لاحق رہتا ہے۔ تحقیق اور جستجو جہاد کی راہوں میں بھی لازمی ہے۔ مومن اور مسلمان اصل میں صاف بین ہوتے ہیں۔ وہ تعصّبات اور محض زرد جذباتیت کے ہاتھوں مجبور مبلغ نہیں ہوتے۔

واللہ اعلم

جب تم اللہ کی راہ چلو

اسلامیان عالم تمہارا اصل مسئلہ یہی ہے کہ تم اللہ کی راہ چلو، سبیل اللہ کی پہچان ہو جائے تو سمجھ لو کہ منزل معرفت خود مقصودی ثمر کا سینہ چاک کر کے ''ذائقہ'' ثمر بن گئی ہے۔ مسلمانوں کا عصر رسالت میں اصل روحانی انعام یہی تھا کہ وہ اللہ کی راہ چلتے تھے۔ آج کی مصیبت یہ ہے کہ ''**سبیل المجرمین**''

مسلمانوں کا سرمایۂ عمل بن چکا ہے۔ آیت میں مزید ارحصہ یہ ہے کہ ''تحقیق کرلو'' کو اللہ کی راہ میں چلنے والی نسیم راحت بنا دیا گیا۔ مسلمانوں کو سوءظنیاں اندر سے دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں۔ یہ جرم بت پرستی سے بھی خوفناک جرم ہے۔

''لَسۡتَ مُؤۡمِنًا'' کی تفسیر

شانِ نزول ایک واقعہ تھا سو وہ گزر گیا اصل چیز تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے یہ ''فیس بک کلچر'' انتہائی خطرناک ہے کہ وہ اسلامی عقائد کی خوشبو لوگوں میں محسوس بھی کریں لیکن انہیں مسلمان تسلیم نہ کریں۔ لوگ چیختے رہیں لیکن انہیں مومن نہ مانا جائے۔ لونی قلعہ کے زہریلے سانپ مسلمان صرف خود کو تصور کریں، لوگوں کی روحیں سچائیوں میں سرشار ہوں لیکن فتویٰ فروش مفتی انہیں کافر کافر کی رٹ لگاتے رہیں۔ آیت کا سبق تو احتیاط ہے۔

آیت کا نفحۂ خلود

اسلامی جہاد کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ دولت اور غنائم تلاش کرنے کی عجلت بازی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت میں نصب العین کی بلندی خاص اپنا احسان قرار دیا۔ مسلمان دنیا میں محمدی سیرت کا روشن نشان ہوتا ہے۔ سوا سے زندگی جہالت، عجلت بازی، الزام تراشی، سوءظنی، بداعتمادی اور نفاق میں آلودہ نہیں کرنی چاہیے۔ غلامانِ رسالت کی روحیں تنگ نظری کے قفس میں گرفتار نہیں ہوتیں۔

جہالتیں اور بداعتمادیاں لاعلاج بیماریاں ہوتی ہیں جبکہ بے پایاں اشتیاق اور اللہ پر یقین شفا کا مصدر ہوتا ہے۔ آیت اظہارِ حق، تگ و تاز اور اعتماد و تسلیم کا آبِ حیات بن کر ''غنائم من اللہ'' کی نعمتیں مسلم معاشرہ پر چھڑکتی ہے۔

واللہ اعلم

❋❋❋❋❋

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ
وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ
اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٩٥﴾ لا
دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٩٦﴾ ع

(95) مومنوں میں سے عذر کے بغیر بیٹھے رہنے والے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والوں کے برابر نہیں ہو سکتے، اللہ نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والے مجاہدین کو بیٹھنے والوں پر درجہ میں فضیلت بخشی ہے اگرچہ سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے البتہ مجاہدین کو بیٹھنے والوں پر اجرِ عظیم دے کر فضیلت بخشی ہے

(96) درجات سارے تو اسی کی طرف سے ہیں اور بخشش اور بے پایاں رحمت ہے اور اللہ بخشش والا بے حد مہربان ہے

مفردات

لَا: نہیں
یَسۡتَوِی: برابر ہیں
الۡقٰعِدُوۡنَ: بیٹھنے والے
مِنَ: سے
الۡمُؤۡمِنِیۡنَ: ایمان لانے والوں
غَیۡرُ: بغیر
اُولِی: والے، صاحب، مالک
الضَّرَرِ: تکلیف، مصیبت، عذر
وَالۡمُجٰهِدُوۡنَ: اور جہاد کرنے والے
فِیۡ: بیچ
سَبِیۡلِ: راہ
اللّٰهِ: اللہ
بِاَمۡوَالِهِمۡ: اپنے مالوں سے
وَاَنۡفُسِهِمۡ: اور اپنی جانوں سے
فَضَّلَ: اس نے فضیلت دی
اللّٰهُ: اللہ
الۡمُجٰهِدِیۡنَ: جہاد کرنے والوں کو
بِاَمۡوَالِهِمۡ: اپنے مالوں سے
وَاَنۡفُسِهِمۡ: اور اپنی جانوں سے
عَلَی: پر
الۡقٰعِدِیۡنَ: بیٹھے رہنے والوں پر
دَرَجَةً: ایک درجہ
وَکُلًّا: اور ہر ایک سے
وَّعَدَ: وعدہ کیا
اللّٰهُ: اللہ نے
الۡحُسۡنٰی: بھلائی کا
وَفَضَّلَ: اور فضیلت دی
اللّٰهُ: اللہ نے

لَا یَسۡتَوِی الۡقٰعِدُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ غَیۡرُ اُولِی الضَّرَرِ وَ الۡمُجٰهِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِهِمۡ وَ اَنۡفُسِهِمۡ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الۡمُجٰهِدِیۡنَ بِاَمۡوَالِهِمۡ وَ اَنۡفُسِهِمۡ عَلَی الۡقٰعِدِیۡنَ دَرَجَةً ؕ وَ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الۡحُسۡنٰی ؕ وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الۡمُجٰهِدِیۡنَ عَلَی الۡقٰعِدِیۡنَ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنۡهُ وَ مَغۡفِرَةً وَّ رَحۡمَةً ؕ وَ کَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۹۶﴾

''مومنوں میں سے عذر کے بغیر بیٹھے رہنے والے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والوں کے برابر نہیں ہو سکتے، اللہ نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والے مجاہدین کو بیٹھنے والوں پر درجہ میں فضیلت بخشی ہے اگرچہ سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے البتہ مجاہدین کو بیٹھنے والوں پر اجر عظیم دے کر فضیلت بخشی ہے، درجات سارے تو اسی کی طرف سے ہیں اور بخشش اور بے پایاں رحمت ہے اور اللہ بخشش والا بے حد مہربان ہے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی باتیں

زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ آیت لکھو:

''لَا یَسۡتَوِی الۡقٰعِدُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ'' الایہ

آپ مجھے لکھا ہی رہے تھے کہ عبداللہ بن ام مکتوم نابینا صحابی رضی اللہ عنہ آ گئے۔ انہوں نے جب یہ الفاظ سنے تو عرض کرنے لگے: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اگر میں جہاد کر سکتا تو ضرور کرتا۔ اسی اثنا میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کیفیت وحی کی بن گئی۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ران میری ران پر تھی۔ وزن بڑھ جانے کی وجہ سے میں محسوس کرنے لگا کہ میری ران کہیں ٹوٹ ہی نہ جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انقطاع وحی کے بعد ارشاد فرمایا: ''اللہ نے ''غَیۡرُ اُولِی الضَّرَرِ'' بھی نازل فرمادی ہے یعنی ضرر والوں کی استثنا کر دی ہے'' (294)۔

مفردات

الۡمُجٰهِدِيۡنَ: مجاہدوں کو
عَلَى: پر
الۡقٰعِدِيۡنَ: بیٹھے رہنے والوں پر
اَجۡرًا: اجر
عَظِيۡمًا: عظیم
دَرَجٰتٍ مِّنۡهُ: اس کی طرف سے، بہت درجے
وَمَغۡفِرَةً: اور بخشش
وَّرَحۡمَةً: اور رحمت
وَكَانَ: اور ہے
اللّٰهُ: اللہ
غَفُوۡرًا: بہت بخشنے والا
رَّحِيۡمًا: رحمت والا

جہاد کی فضیلت

اس آیۂ کریمہ میں جہاد کی راہ میں سرشار رہنے والوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ایک وہ لوگ ہیں جن کا شعور تکاسل کا شکار رہتا ہے اور ایک وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے نظریاتی حسن اور تفوق کے اثر ونفوذ کے لیے تگ ودو کرتے رہتے ہیں۔ ہر ذی روح کا حق ہوتا ہے کہ وہ اپنی بقا کے لیے لڑے، دنیا میں وہ سرپھرے لوگ جو ایمان لانے کو برا جانیں، ان کا زور توڑنا اور ان کی مزاحمتوں کی راہ میں کھڑا ہو جانا جہاد ہوتا ہے۔ اُمت صالحہ کو مضبوط کرنا اور اُمت مسلمہ کو زندگی دینا جہاد ہے۔اس کی اہمیت اور ضرورت ہی کی وجہ سے مجاہدین کو بیٹھے رہنے والوں پر فضیلت دی گئی ہے۔آیت نے مجاہدین کی فضیلت کو تین مرتبہ مکرر بیان فرمایا ہے اور ہر مرتبہ اسلوب کی نیرنگی نے کام کی لذت میں اضافہ کر دیا ہے۔

درجہ اور درجات کی بحث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کر رکھے ہیں، وہاں ہر دو درجوں میں اتنی وسعت ہوگی جتنی آسمانوں اور زمینوں کے درمیان ہے''(295)۔

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں(296):

- آیت میں درجہ بطور جنس لایا گیا ہے۔اس لحاظ سے مختلف انواع جن پر اجر عظیم کا اطلاق ہو سکتا ہے وہ سب درجہ میں شامل ہیں جبکہ درجات سے مراد مغفرت اور رحمت ہیں۔
- دوسرا معنیٰ یہ ہو سکتا ہے کہ جہاد والوں کو بیٹھنے والوں پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے۔ وہ اس طرح کہ عذر والوں کو بھی جب حسن نیت کی بنا پر ایک درجہ ملے گا تو جہاد والوں کو تو دو درجے ملیں گے یوں مجاہدین کی فضیلت ایک درجہ بڑھ جائے گی۔

رازی نے یہ بھی لکھا کہ مجاہدین کو دنیا میں ایک درجہ حاصل ہوتا ہے لیکن آخرت میں سو درجات حاصل ہوں گے۔

ایک دلچسپ روایت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص نے اللہ کی راہ میں ایک تیر مارا، اسے ایک
درجے کا اجر ملے گا''
ایک شخص عرض کناں ہوا:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہ درجہ کس قدر ہوگا؟
آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:
''یہ تمہاری ماں کی چوکھٹ یا سیڑھی کی مقدار میں نہ ہوگا،
یادرکھو! دو درجوں کے درمیان سو سال کے سفر کا فاصلہ
ہوگا''(297)۔

آیت میں تحریص

آیت جہاد کے شوق فراواں کی معطی تو ہے ہی لیکن اس میں وہ لوگ جو تکاسل اور تغافل سے کام لینے والے ہوتے ہیں روئے سخن ان کی طرف بھی محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنی کمزوریوں کا ازالہ کریں۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَفّٰىهُمُ الۡمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَالُوۡا فِیۡمَ كُنۡتُمۡ ؕ قَالُوۡا
كُنَّا مُسۡتَضۡعَفِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ قَالُوۡۤا اَلَمۡ تَكُنۡ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً
فَتُهَاجِرُوۡا فِیۡهَا ؕ فَاُولٰٓىِٕكَ مَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِیۡرًا ۙ﴿۹۷﴾
اِلَّا الۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالۡوِلۡدَانِ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ
حِیۡلَةً وَّلَا یَهۡتَدُوۡنَ سَبِیۡلًا ﴿۹۸﴾
فَاُولٰٓىِٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ یَّعۡفُوَ عَنۡهُمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوۡرًا ﴿۹۹﴾

(97) بے شک وہ لوگ جو اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں فرشتے ان کی جان لیتے ہوئے کہتے ہیں سناؤ کس حال میں رہے وہ کہتے ہیں ہم زمین میں بڑے ہی کمزور تھے، فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے تو ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور لوٹ کر جانے کے اعتبار سے وہ بہت ہی بری جگہ ہے

(98) البتہ مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے وہ کمزور لوگ جنہیں کوئی تدبیر کرنے کی استطاعت نہ تھی اور نہ ہی نجات کی کوئی راہ انہیں سوجھتی تھی

(99) تو یقیناً ایسے لوگوں سے اللہ درگزر فرمائے گا اور اللہ بہت ہی درگزر فرمانے والا اور بخشنے والا ہے

مفردات

اِنَّ الَّذِيۡنَ تَوَفّٰٮهُمُ الۡمَلٰۤـئِكَةُ ظَالِمِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَالُوۡا فِيۡمَ كُنۡتُمۡ‌ؕ قَالُوۡا كُنَّا مُسۡتَضۡعَفِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ قَالُوۡۤا اَلَمۡ تَكُنۡ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوۡا فِيۡهَا‌ؕ فَاُولٰۤـئِكَ مَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ‌ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ۙ‏ ﴿۹۷﴾

''بے شک وہ لوگ جو اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں فرشتے ان کی جان لیتے ہوئے کہتے ہیں سناؤ کس حال میں رہے وہ کہتے ہیں ہم زمین میں بڑے ہی کمزور تھے، فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے تو ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور لوٹ کر جانے کے اعتبار سے وہ بہت ہی بری جگہ ہے''۔

شانِ نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں (297A):

''مسلمانوں میں سے کچھ لوگ جنگ میں مشرکین کا ساتھ دیتے۔ یہ لوگ مشرکین کی تعداد میں اضافہ کا سبب بنتے۔ آیت میں ان لوگوں کی کیفیتِ سکرات بیان کی گئی ہے۔ یہی روایت ایک دوسرے مقام پر وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی کہ مکہ میں کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تھے لیکن مشرکین کے دباؤ پر وہ بدر میں مسلمانوں کے خلاف نکل آئے۔ میدان جنگ میں ان میں سے جب چند مار دیے گئے تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اندیشہ ہوا کہ ہم نے اپنے ہی مسلمان بھائیوں کو قتل کر دیا ہے۔ یہ موقع تھا جب یہ آیت نازل ہوئی۔ البتہ ضحاک نے کہا کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ آگے وہ واقعہ نقل کیا جو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا''۔

قرآن حکیم کی تصویر کشی

یہ آیت ایک ایسے شخص کی تصویر قاریٔ قرآن کے سامنے لاتی ہے جس کی زندگی ظالموں، جبابرہ اور ستم رانوں کے ہاتھوں میں بے بسی اور ظلم سے لرز رہی تھی۔ فرشتے ان سے پوچھ رہے ہیں تم کس حال میں رہے، تم نے کیوں اپنی زندگی ضائع کی۔ اگرچہ وہ اپنی بے بسی اور ظالموں کے ظلم کا حوالہ دے کر

اِنَّ: بے شک
الَّذِيۡنَ: وہ جو
تَوَفّٰٮهُمُ: انہیں وفات دے رہے تھے
الۡمَلٰۤـئِكَةُ: فرشتے
ظَالِمِىۡۤ: ظلم کرنے والے
اَنۡفُسِهِمۡ: اپنے نفسوں پر
قَالُوۡا: کہتے
فِيۡمَ كُنۡتُمۡ: تم کس حال میں مبتلا تھے
قَالُوۡا: کہیں گے
كُنَّا: ہم تھے
مُسۡتَضۡعَفِيۡنَ: بے بس اور کمزور
فِى: بیچ
الۡاَرۡضِ: سرزمین
قَالُوۡۤا: فرشتے کہیں گے
اَلَمۡ: کیا نہ
تَكُنۡ: تھی
اَرۡضُ: زمین
اللّٰهِ: اللہ کی
وَاسِعَةً: کھلی
فَتُهَاجِرُوۡا: تو ہجرت کر لیتے
فِيۡهَا: اس میں
فَاُولٰۤـئِكَ: تو یہی لوگ ہیں
مَاۡوٰٮهُمۡ: ٹھکانہ ان کا
جَهَنَّمُ: دوزخ
وَسَآءَتۡ: اور بہت بری ہے
مَصِيۡرًا: لوٹنے کی وہ جگہ

مفردات

اِلَّا: مگر
الۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ: وہ جو کمزور تھے
مِنَ: سے
الرِّجَالِ: مرد حضرات
وَالنِّسَآءِ: اور عورتیں
وَالۡوِلۡدَانِ: اور بچے
لَا: نہیں
يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ: وہ طاقت رکھتے
حِيۡلَةً: کسی تدبیر کی
وَّلَا: اور نہیں
يَهۡتَدُوۡنَ: ہدایت پکڑتے، پا لیتے
سَبِيۡلًا: راہ
فَاُولٰٓئِكَ: تو یہ لوگ ہیں
عَسَى: قریب ہے
اللّٰهُ: اللہ
اَنۡ يَّعۡفُوَ: یہ کہ وہ معاف کرے
عَنۡهُمۡ: انہیں
وَكَانَ: اور ہے
اللّٰهُ: اللہ
عَفُوًّا: درگزر کرنے والا
غَفُوۡرًا: بخشش فرمانے والا

معذرت چاہیں گے لیکن فرشتے کہیں گے کہ کمزوریوں کا علاج معذرت نہیں ہوتی، نجات کی طرف تیزی سے قدم بڑھانا ہوتا ہے۔ ایک مسلمان کو زندگی کے آخری سانس میں بھی اپنی پناہ گاہ کی تلاش کرنی چاہیے جہاں اس کا ایمان اور اسلام محفوظ رہ سکے۔ قرآن مجید کا یہ مقام زندگی کے پاکیزہ اور عظیم نصب العین کی قیمت بتاتا ہے اور اسلامی روحوں میں عزّ و شرف کا معیار واضح کر دیتا ہے اور سکونت کے انتخاب کی راہ سے روشناس کرا دیتا ہے اور صاف صاف اعلان کر دیتا ہے کہ ایمان اگر سلامت نہ ہو تو مکہ ایسے فضیلت مآب شہر کی سکونت بے معنیٰ ہو کر رہ جاتی ہے اور اس دولت کی حفاظت کے لیے خارِ مغیلاں سے اٹی سرزمین ہو تو وہ فردوس امن بن جاتی ہے۔ اصل میں تو قرآن نفوس کا ضعف، اضمحلال، کمزوری، بخل، حرص اور سستی دور کرتا ہے اور ظلم کے خلاف نفرت پیدا کرتا ہے۔ مسلمانوں کی حالت بھی عجیب تر ہے، وہ نور علی نور حسین کو کہتے ہیں کہ انہوں نے صیہونی تہذیب کی بیعت نہ کی اور خود ظالم اور لعنتی یزید کو امیر المومنین مان لیتے ہیں، جب کوئی شخص ظلم کو عدل کہنے لگ جائے اُس وقت اُس کی روح سے بڑھ کر اہم اور روحانیت افروز کوئی سوال نہیں ہو سکتا:

فِيۡمَ كُنۡتُمۡ؟
تم کن حالات میں رہے؟
ظلم کے ساتھی یا حق کے پرچم بردار
دنیا میں سب سے بڑی آتشِ جہنم سرزمینِ ظلم ہوتی ہے۔

اِلَّا الۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالۡوِلۡدَانِ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ حِيۡلَةً وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ سَبِيۡلًا ۙ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّعۡفُوَ عَنۡهُمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوۡرًا ﴿۹۹﴾

''البتہ مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے وہ کمزور لوگ جنہیں کوئی تدبیر کرنے کی استطاعت نہ تھی اور نہ ہی نجات کی کوئی راہ انہیں سوجھتی تھی، تو یقیناً ایسے لوگوں سے اللہ درگزر فرمائے گا اور اللہ بہت ہی درگزر فرمانے والا اور بخشنے والا ہے''۔

قرآن مجید کی ان دو آیتوں میں ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا جا رہا ہے جو واقعتہً مجبور ہوں۔ عاجز اور مجبور لوگ دار الاسلام تک رسائی پانے سے محروم اپنے عذر کی بنا پر ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے آیت عمومی معافی کا اعلان کرتی ہے، اسلام دین فطرت ہے وہ معقولات کی منطق کو مسترد نہیں کرتا۔

ابو حیان اندلسی لکھتے ہیں (297B):

''یہ آیت کریمہ مکہ مکرمہ کے مسلمانوں کے لیے اتری

جندب بن ضمرہ نے اپنے بیٹوں سے کہا: مجھے اٹھا کر مدینہ
لے جاؤ میں مستضعفین میں شامل نہیں اس لیے کہ میں
مدینہ کی راہوں سے شناسا ہوں۔ اللہ کی قسم میں مکہ میں
ایک رات بھی بسر نہیں کروں گا۔ ان کے وفادار اور
خدمت گزار بیٹوں نے انہیں چارپائی پر لٹا کر کندھوں پر
اٹھا لیا اور مدینہ کی طرف چل پڑے لیکن مقام تنعیم پر
پہنچنے کے ساتھ ہی وہ رحلت فرما گئے۔ اب بھی ان کا مزار
مسجد عائشہ سے قریب ''مرجع خلائق'' ہے''۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ آیت میں ''عَسٰی'' کی نسبت اللہ کی طرف ہے اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ اس کلمہ کی نسبت وجوب اور یقین کا معنیٰ دیتی ہے۔ اس صورت میں شک کا معنیٰ نہیں پایا جاتا (298)۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ طباطبائی لکھتے ہیں (299):

''مستضعف'' وہ شخص بھی ہے جو ایسی سرزمین پر زندگی
بسر کرتا ہو جہاں کوئی ایک شخص بھی نہ ہو جو دینی امور میں
رہنمائی کر سکتا ہو یا کسی سرزمین میں امور دینیہ نبھانے
کے لیے ظالمین کے شدائد ناقابل تحمل ہو جائیں۔ اگر حق
کسی پر ظاہر نہ ہوا ہو تو اسے حق کی پہچان پانے کے لیے
ہجرت کرنا ضروری ہے''۔

تفسیر قرطبی میں یہ روایت لکھی گئی ہے:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (300):

''جو شخص اللہ کے دین کو بچانے کی غرض سے ایک زمین
سے دوسری زمین کی طرف نکلا اگرچہ وہ فاصلہ ایک بالشت
ہی کیوں نہ ہو تو وہ جنت کا مستحق ہو جائے گا اور جنت
بھی ایسی جہاں وہ ابراہیم علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رفیق ہوگا''۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

وَ مَنۡ یُّهَاجِرۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ یَجِدۡ فِی الۡاَرۡضِ مُرٰغَمًا کَثِیۡرًا
وَّسَعَةً ؕ وَ مَنۡ یَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَیۡتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَی اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ ثُمَّ
یُدۡرِکۡهُ الۡمَوۡتُ فَقَدۡ وَقَعَ اَجۡرُهٗ عَلَی اللّٰهِ ؕ وَ کَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا
رَّحِیۡمًا ﴿۱۰۰﴾

وَ اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِی الۡاَرۡضِ فَلَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ
الصَّلٰوۃِ ٭ۖ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَنۡ یَّفۡتِنَکُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ اِنَّ الۡکٰفِرِیۡنَ کَانُوۡا
لَکُمۡ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا ﴿۱۰۱﴾

(100) اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے تو وہ زمین میں بڑی ہی وسعت اور کشائش پائے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کے لیے مہاجر ہو کر اپنے گھر سے نکلے پھر اسے موت آئے تو اس کا اجر اللہ ضرور ہی عنایت فرماتا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

(101) اور جب تم زمین میں سفر کرو تو کوئی گناہ نہیں تم پر کہ نماز میں قصر کرو اگر تمہیں اندیشہ ہے کہ کافر لوگ تمہیں فتنہ میں مبتلا کر دیں گے تو واقعی کافر تو تمہارے کھلے دشمن ہیں

مفردات

وَمَنۡ: اور جو
يُّهَاجِرۡ: ہجرت کرے
فِيۡ: میں، بیچ
سَبِيۡلِ: راستہ، راہ
اللّٰهِ: اللہ
يَجِدۡ: وہ پائے گا
فِي الۡاَرۡضِ: زمین میں
مُرٰغَمًا: جگہ، مکان، خوشگوار نعمتیں، سکون بخش مکانات
كَثِيۡرًا: بہت زیادہ
وَّسَعَةً: اور وسیع
وَمَنۡ: اور جو
يَّخۡرُجۡ: نکلے
مِنۡۢ بَيۡتِهٖ: اپنے گھر سے
مُهَاجِرًا: ہجرت کرنے والا
اِلَى: کی طرف
اللّٰهِ: اللہ
وَرَسُوۡلِهٖ: اور اس کے رسول
ثُمَّ: پھر
يُدۡرِكۡهُ: اسے پالے
الۡمَوۡتُ: موت
فَقَدۡ: تو بے شک
وَقَعَ: ثابت ہو گیا
اَجۡرُهٗ: اس کا اجر
عَلَى اللّٰهِ: اللہ پر
وَكَانَ اللّٰهُ: اور ہے اللہ
غَفُوۡرًا: بہت بخشنے والا
رَّحِيۡمًا: مہربان

وَمَنۡ يُّهَاجِرۡ فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ يَجِدۡ فِي الۡاَرۡضِ مُرٰغَمًا كَثِيۡرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنۡ يَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَيۡتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ثُمَّ يُدۡرِكۡهُ الۡمَوۡتُ فَقَدۡ وَقَعَ اَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۱۰۰﴾

''اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے تو وہ زمین میں بڑی ہی وسعت اور کشائش پائے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کے لیے مہاجر ہو کر اپنے گھر سے نکلے پھر اسے موت آئے تو اس کا اجر اللہ ضرور ہی عنایت فرماتا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

ایک انداز فکر یہ ہے کہ کہا جائے کہ جو لوگ ہجرت کا فریضہ ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں ان کی بد بختی آیت میں عیاں کی جا رہی ہے اور دوسرا اور بہتر انداز فکر یہ ہے کہ کہا جائے آیت میں ہجرت کی برکات اور فضیلتیں بیان کی جا رہی ہیں۔

آیت میں لفظ ''مراغم'' استعمال ہوا ہے جس کا معنیٰ خاک اور مٹی ہوتا ہے۔ ''ارغام'' کسی کو خاک آلود کرنا ہوتا ہے۔ ''مراغم'' اسم مکان بھی ہے اور اسم مفعول بھی ہے یعنی ایسی جگہ جہاں حق کا اجرا کیا جا سکے (301)۔ اگر کوئی شخص عناد اور حسد کی وجہ سے حق کا انکار کرے تو اسے خاک آلود کر دیا جائے۔ زمین میں ''مراغم'' کہہ کر اسلام کی پناہ گاہوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایک عمیق معنیٰ آیت کے اندر موجود ہے کہ زمین کی وسعتیں اور روحانی قلعے مسلمانوں کے لیے ہر وقت موجود رہیں گے۔

قرآن نے ہجرت کو اسلام کے لیے دائمی اسلحہ بنا دیا جو ہر دور میں دین کی نشوونما کا ذریعہ بنتی رہے گی۔ اہل اللہ ہر زمانے میں اس راہ چل کر دین کی برکات ارزاں کرتے رہے۔ آیت نے اجر و ثواب کا جو جمالیاتی اسلوب اختیار کیا وہ بھی بے مثال ہے۔

آیت کا جمالیاتی معنیٰ

شیخ آفندی لکھتے ہیں (302):

''ایسا شخص جو کمال کی راہوں میں نکلے اور فوت ہو جائے،
اللہ تعالیٰ اسے وہ کمال عطا کر کے بروز قیامت اٹھائے گا
جیسے حج کرنے والا شخص حج کرنے سے پہلے فوت ہو
جائے تو اللہ اسے حاجی اٹھائے گا۔ فقیر ذبیح فرماتے ہیں:
میں نے اپنے شیخ عارف کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

مفردات

انسان جب بشریت کی زمین سے دل کے مقام کی طرف سفر کرتا ہے، اگر وہ منزل پانے سے پہلے فوت ہو جائے تو اللہ اسے وہی مقام عطا فرما دیتا ہے جو دل والوں کے لیے مختص ہے۔ اللہ تعالیٰ برزخ میں بھی روحوں کو ترقی عطا فرماتا رہتا ہے''۔

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (303):

''مومن جب فوت ہو جائے اور اس نے قرآن یاد نہ کیا ہو تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ اسے قبر میں قرآن یاد کرواؤ، اس طرح اللہ تعالیٰ اس بندے کو اپنے خاص لوگوں اور اہل میں سے اٹھائے گا''۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۱۰۱﴾

''اور جب تم زمین میں سفر کرو تو کوئی گناہ نہیں تم پر کہ نماز میں قصر کرو اگر تمہیں اندیشہ ہے کہ کافر لوگ تمہیں فتنہ میں مبتلا کر دیں گے تو واقعی کافر تو تمہارے کھلے دشمن ہیں''۔

نماز قصر اور احادیث

قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری اور قرطبی الجامع لاحکام القرآن میں نقل فرماتے ہیں۔ بعض احادیث روح البیان سے لی گئیں (304):

یعلیٰ بن اُمیہ کہتے ہیں میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نماز میں قصر برتنے کی وجہ کیا ہے؟ لوگ تو اب امن کی حالت میں ہیں۔ آپ فرمانے لگے: میں نے نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہی عرض رکھی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا:

'' قصر نماز اللہ کی طرف سے صدقہ ہے، یہ اللہ کی تمہارے لیے عطا ہے اس لیے تم اللہ کے صدقہ کو قبول کرو'' (مسلم)۔

وَاِذَا: اور جب
ضَرَبْتُمْ: چلو تم، نکلو تم، سفر پر چلو
فِی: بیچ
الْاَرْضِ: زمین
فَلَیْسَ: تو نہیں
عَلَیْكُمْ: تم پر
جُنَاحٌ: کوئی گناہ
اَنْ: یہ کہ
تَقْصُرُوْا: کم کرو تم، قصر ادا کرو تم
مِنَ: بعض، سے
الصَّلٰوةِ: نمازیں، ترجمہ الف لام کی وجہ سے جمع کے ساتھ کیا گیا ہے
اِنْ خِفْتُمْ: اگر تمہیں خوف ہو
اَنْ: یہ کہ
یَّفْتِنَكُمْ: تمہیں فتنہ میں مبتلا کر دیں گے
الَّذِیْنَ: وہ جو
كَفَرُوْا: کافر ہوئے ہیں
اِنَّ: بے شک
الْكٰفِرِیْنَ: کافر لوگ
كَانُوْا: ہیں
لَكُمْ: تمہارے لیے
عَدُوًّا: دشمن
مُّبِیْنًا: واضح، کھلے اور ظاہر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی ارشاد فرماتے ہیں:

''سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں، عید الاضحیٰ کی نماز دو رکعت ہے، عید الفطر کی نماز دو رکعت ہے، جمعہ کی نماز دو رکعت ہے، یہ سب نمازیں دو دو رکعتیں مکمل نماز ہے، فلہذا مسافرانہ نماز بھی مکمل نماز ہے''۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں:

''رسول رحمت کی صحبت میں رہا، آپ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نماز ادا نہیں فرماتے تھے۔ حضرت ابو بکر، عمر اور عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صحبت بھی مجھے میسر رہی وہ بھی نماز اسی طرح ادا فرماتے تھے''۔

فقہی اور روحانی مسائل

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدار مسافت جس پر نماز قصر ادا کی جاتی ہے ساڑھے ستاون میل لکھی ہے (305)۔قصر صرف ان نمازوں میں کی جاتی ہے جن کے فرض چار رکعتیں ہوتے ہیں جبکہ صبح ہوتی ہی دو رکعت والی ہے اور مغرب کی نماز میں قصر نہیں۔ اگر کسی جگہ پندرہ روز اقامت کی نیت ہو جائے تو پھر قصر نماز کی رخصت ختم ہو جائے گی اور مکمل نماز ادا کرنی پڑے گی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں مکمل نماز اس لیے ادا فرماتے تھے کہ وہاں شادی کر لی تھی۔ جہاں اہل ہوں وہاں نماز مکمل ادا کی جاتی ہے (306)۔

اہم بات

اصل بات یہ ہے کہ سفر کی مشکلات لرزا دینے والی ہوتی ہیں، امکان رہتا ہے کہ بندہ نماز ادا نہ کر سکے۔ قصر نماز کا حکم جہاں آسانی پیدا کرنے کے لیے ہے وہاں اس ضرورت کی تکمیل کی تحریص ہے کہ مسافر کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح اللہ کے قرب کی خوشبو سونگھے اور مشکلات میں آسانیوں کے لیے اللہ سے نماز کے ذریعے مدد مانگے۔ سفر میں طلب اور احساس دونوں عروج پر ہوتے ہیں یہ ایک روحانی مسئلہ ہے کہ مسلمان کے لیے مطلوب اہداف میں سب سے بڑا روحانی ہدف اللہ کا قرب اور ذکر ہوتا ہے اس لیے قصر نماز پر زور دیا گیا ہے۔ ہاں سفر چونکہ خطرات سے اٹے پڑے ہوتے ہیں اس لیے نماز میں اختصار کا حکم دے دیا گیا۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ
وَلْيَأْخُذُوٓا أَسْلِحَتَهُمْ ۚ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۖ
وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا
حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ
وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ
كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّنْ مَّطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى أَنْ تَضَعُوٓا أَسْلِحَتَكُمْ ۚ
وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ؕ إِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٠٢﴾

(102) اور جب آپ ان میں موجود ہوں پھر ان کے لیے آپ نماز قائم فرمائیں تو ایک گروہ کو ان میں سے آپ کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے اور انہیں اپنا اسلحہ گرفت میں رکھنا چاہیے پس جب وہ سجدہ کر چکیں تو تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ آ جائے جس نے نماز نہ پڑھی ہو پھر وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اور انہیں چوکنا رہتے ہوئے اسلحہ پکڑے رکھنا ہوگا اور کافر لوگ تو چاہتے ہیں کہ تم غفلت میں ہو اپنے اسلحہ اور ساز و سامان سے تو وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں البتہ تمہیں اگر بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا بیمار ہو تو کوئی حرج نہیں کہ اسلحہ اتار دو، ہاں تم ہوشیار رہنے میں کوتاہی نہ برتو بے شک اللہ نے کافروں کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے

مفردات

وَ اِذَا: اور جب
كُنْتَ: آپ ہوں
فِيْهِمْ: ان میں
فَاَقَمْتَ: تو قائم فرمائیں
لَهُمُ: ان کے لیے
الصَّلٰوةَ: نماز
فَلْتَقُمْ: تو قائم فرمایئے
طَآئِفَةٌ: ایک گروہ
مِّنْهُمْ: ان میں سے
مَّعَكَ: آپ کے ساتھ
وَلْيَاْخُذُوْٓا: تو لے لیں
اَسْلِحَتَهُمْ: اپنا اسلحہ
فَاِذَا: پھر جب
سَجَدُوْا: وہ سجدہ کر لیں
فَلْيَكُوْنُوْا: تو وہ ہو جائیں
مِنْ وَّرَآئِكُمْ: تمہارے پیچھے سے
وَلْتَاْتِ: اور آ جائے
طَآئِفَةٌ اُخْرٰى: دوسرا گروہ
لَمْ يُصَلُّوْا: جس نے نماز نہ پڑھی ہو
فَلْيُصَلُّوْا: تو چاہیے وہ نماز پڑھیں
مَعَكَ: آپ کی اقتدا میں
وَلْيَاْخُذُوْا: اور اختیار کریں وہ
حِذْرَهُمْ: چوکنا پن، ہوشیاری
وَاَسْلِحَتَهُمْ: اور اپنا اسلحہ
وَدَّ: دل چاہتا ہے
الَّذِيْنَ: وہ جو
كَفَرُوْا: کافر ہوئے
لَوْ: کاش

وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوا
أَسْلِحَتَهُمْ ۖ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ
لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ الَّذِينَ
كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً
وَاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰ أَن
تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٠٢﴾

"اور جب آپ ان میں موجود ہوں پھر ان کے لیے آپ نماز قائم فرمائیں تو ایک گروہ کو ان میں سے آپ کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے اور انہیں اپنا اسلحہ گرفت میں رکھنا چاہیے پس جب وہ سجدہ کر چکیں تو تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ آ جائے جس نے نماز نہ پڑھی ہو پھر وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اور انہیں چوکنا رہتے ہوئے اسلحہ پکڑے رکھنا ہوگا اور کافر لوگ تو چاہتے ہیں کہ تم غفلت میں ہو اپنے اسلحہ اور ساز و سامان سے تو وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں البتہ تمہیں اگر بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا بیمار ہو تو کوئی حرج نہیں کہ اسلحہ اتار دو، ہاں تم ہوشیار رہنے میں کوتاہی نہ برتو بے شک اللہ نے کافروں کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

آیت کا نزولی پس منظر

حضرت محمد ﷺ اپنے وفا کیش غلاموں کے ساتھ زیارت مکہ کی نیت سے عازم سفر ہوئے۔ قافلہ جب حدیبیہ پہنچا تو کھوجیوں نے اطلاع دی کہ خالد بن ولید دو سو جنگجوؤں کی معیت میں مکہ اور حدیبیہ کے درمیان پہاڑی چٹانوں کی اوٹ میں مورچہ زن ہو چکے ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز کے لیے اذان دی، رسول انور ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کی گئی۔ خالد بن ولید نے منصوبہ بندی کی کہ مسلمانوں کو نماز عصر کے اندر بجلی کی تیزی کے ساتھ آڑے ہاتھوں لے لیا جائے۔ نماز میں مسلمانوں کو مسخر کرنا آسان ہوتا ہے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو نماز خوف ادا کرنے کی تعلیم دی گئی۔

جمالیاتی چشمہ سے فیض یابی

صلوٰۃ خوف پڑھنے کا طریقہ تو خود قرآن حکیم نے بیان کیا کہ جب آپ مسلمانوں کے ساتھ حالت جنگ میں امامتِ نماز فرما رہے ہوں تو مسلمان دو حصوں میں بٹ جائیں۔ ایک حصہ مسلح ہو کر آپ

مفردات

تَغْفُلُوْنَ: تم غافل ہو
عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ: اپنے اسلحہ سے
وَاَمْتِعَتِكُمْ: اور اپنے سامان سے
فَيَمِيْلُوْنَ: تو وہ ٹوٹ پڑیں
عَلَيْكُمْ: تم پر
مَّيْلَةً: ٹوٹ پڑی
وَّاحِدَةً: یکبارگی
وَلَا جُنَاحَ: اور نہیں کوئی گناہ
عَلَيْكُمْ: تم پر
اِنْ كَانَ: اگر ہو
بِكُمْ: تمہارے ساتھ
اَذًى: تکلیف
مِّنْ: سے
مَّطَرٍ: بارش
اَوْكُنْتُمْ مَّرْضٰى: یا ہو تم بیمار
اَنْ تَضَعُوْٓا: یہ کہ تم اتارلو
اَسْلِحَتَكُمْ: اپنا اسلحہ
وَخُذُوْا: اور پکڑو
حِذْرَكُمْ: ہوشیاری
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
اَعَدَّ: اس نے تیار کیا
لِلْكٰفِرِيْنَ: کافروں کے لیے
عَذَابًا مُّهِيْنًا: رسوا کن عذاب

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز کے لیے کھڑا ہو جائے اور دوسرا دشمن سے روپیکار رہے، پہلے والے ایک رکعت ادا کر کے دشمن کے خلاف مورچہ زن ہو جائیں اور دوسرے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں ایک رکعت پڑھیں بعد ازاں سارے اپنی اپنی نماز مکمل کر لیں۔ نماز خوف اگر چہ ہر زمانے میں میدان جنگ میں پڑھی جاسکتی ہے۔ اور الگ الگ بھی اپنے اپنے امام کے ساتھ نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ مشکل تو اس وقت ہوتی ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا امام ہو تو پھر سجدوں کی لذت اور قیام کی حضوری حاصل کرنے کے لیے کون نہ تڑپے۔ قرآن حکیم نے احساسات کی بیداری کے لیے مورچہ زن ہونے کی اہمیت بھی بیان کی اور چشمۂ نسبت سے فیض یاب ہونے کا طریقہ بھی بتا دیا۔ مسلمانوں کی کامیابی اپنے امیر کے ساتھ ایسا عشق کرنے ہی میں مضمر تھی۔ وائے ناکامی جمالیاتی قدروں سے محبت کا شعور مسلمانوں سے چھین لیا گیا۔ ہمارا انداز سیاست اور اسلوب ریاست ڈھولکی والوں کی طرح ہوگا۔ شہری صرف بارا تیں سجائیں گے، ''اطاعت ووفا'' کے تخم سازشی ہاتھیوں کے پاؤں تلے روند دیے جائیں گے۔

دشمن کے بارے میں احتیاط

مسلمانوں کے دشمن جو''سیاہ روئی'' کی خوفناک تاریخ رکھتے ہیں وہ قرآن مجید بیان کرتا ہے کہ ماہ و سال کی صدیاں بیت جانے کے باوجود کافر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑنا سپنوں میں سجائے ہیں۔ مسلمانوں کو احتیاط کرنی چاہیے کہ صفوں میں غفلت اور غداری نہ آنے پائے۔ وہ ہر وقت چوکس اور چوکنے رہیں۔ کافروں کی نفسیاتی تیاریاں مسلمانوں کے پیش نظر رہنی چاہییں۔

آیت کی جان

آیت کا عمود ''خُذُوْا حِذْرَكُمْ'' تم چوکس ہونے کو' اپنے اوپر واجب کرلو قابل ملاحظہ ہے۔ مسلمانوں کی بیداری اور عدم غفلت کافروں کے لیے اللہ کا عذاب بن سکتا ہے۔ مسلمان اللہ کی قدرت کا عملی نشان بن سکتے ہیں اور ہمہ دم نماز سے مدد حاصل کرنا ان کی کامیابی کا وسیلہ بن سکتا ہے۔

واللہ اعلم

❀❀❀❀❀

فَاِذَا قَضَيۡتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰى جُنُوۡبِكُمۡ‌ۚ فَاِذَا اطۡمَاۡنَنۡتُمۡ
فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ‌ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتۡ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ كِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ﴿۱۰۳﴾
وَلَا تَهِنُوۡا فِى ابۡتِغَآءِ الۡقَوۡمِ‌ؕ اِنۡ تَكُوۡنُوۡا تَاۡلَمُوۡنَ فَاِنَّهُمۡ يَاۡلَمُوۡنَ كَمَا
تَاۡلَمُوۡنَ‌ۚ وَتَرۡجُوۡنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرۡجُوۡنَ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۱۰۴﴾
اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰٮكَ
اللّٰهُ‌ؕ وَلَا تَكُنۡ لِّـلۡخَآٮِٕنِيۡنَ خَصِيۡمًا ﴿۱۰۵﴾
وَّاسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا‌ۚ ﴿۱۰۶﴾

(103) جب تم نماز ادا کر چکو تو خوب یاد کرو اللہ کو قیام میں اور بیٹھتے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر پھر جب خوب تسلّی ہو جائے تو پھر نماز قائم کرو بے شک نماز مومنوں پر خاص خاص وقتوں ہی میں فرض کی گئی ہے

(104) اور سستی نہ دکھاؤ کسی قوم کے تلاش کرنے میں اگر تم تکلیف محسوس کرتے ہو، وہ بھی تکلیف پاتے ہیں جیسے کہ تمہیں تکلیف پہنچتی ہے البتہ اللہ سے جو تمہیں اُمید ہے وہ لوگ تو اس ثواب کی اُمید نہیں رکھتے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے

(105) بے شک ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کی تا کہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے ساتھ فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھائی اور آپ خیانت والوں کے حامی نہ بنیں

(106) اور اللہ سے بخشش مانگیں بے شک اللہ بخشنے والا انتہائی مہربان ہے

مفردات

فَاِذَا: پھر جب
قَضَیۡتُمُ: تم ادا کر چکو
الصَّلٰوۃَ: نماز
فَاذۡکُرُوا: تو ذکر کرو
اللّٰہَ: اللہ
قِیٰمًا: کھڑا ہونے کی حالت میں
وَّقُعُوۡدًا: اور بیٹھتے ہوئے
وَّعَلٰی: اور پر
جُنُوۡبِکُمۡ: تم اپنے پہلوؤں پر
فَاِذَا: تو جب
اطۡمَاۡنَنۡتُمۡ: مطمئن ہو جاؤ
فَاَقِیۡمُوا: تو قائم کرو
الصَّلٰوۃَ: نماز
اِنَّ: بے شک
الصَّلٰوۃَ: نماز
کَانَتۡ: ہے
عَلَی: پر
الۡمُؤۡمِنِیۡنَ: مومنوں
کِتٰبًا: فرض
مَّوۡقُوۡتًا: وقت کے حساب سے

فَاِذَا قَضَیۡتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِکُمۡ ۚ فَاِذَا اطۡمَاۡنَنۡتُمۡ فَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ﴿۱۰۳﴾

''جب تم نماز ادا کر چکو تو خوب یاد کرو اللہ کو قیام میں اور بیٹھتے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر پھر جب خوب تسلّی ہو جائے تو پھر نماز قائم کرو، بے شک نماز مومنوں پر خاص خاص وقتوں ہی میں فرض کی گئی ہے''۔

اللہ کا ذکر مسلمانوں کی اصل طاقت ہے اسی توانائی سے مسلح رہنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ذکر کی دو صورتیں ارشاد فرمائیں:

- ایک تو نماز کی صورت میں اللہ کا ذکر ہے اس میں بھی اللہ کی یاد سے مومنوں کو تربیتی طاقت میسر آتی ہے، اس لیے آیت نے یہ سبق دیا کہ جب تمہیں خوف سے نجات مل جائے اور امن واطمینان کا ماحول میسر ہو جائے تو نماز پوری کی پوری بمع جملہ ارکان شوق اور والہانہ مستی میں ادا کرو اور خوف کے خصوصی احکام اسی ماحول کے ساتھ مختص رکھو۔ نماز کی اصل اوقات کے برتن اللہ کی یاد سے بھر رکھنا ہے اس لیے وقت کا معین ظرف خالی نہ رکھو بلکہ پابندیٔ وقت کے ساتھ فریضہ ادا کرو۔
- آیت میں دوسرا حکم ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرنا ہے۔ سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر فرض کی ایک حد متعین کی ہے لیکن اس نے اپنے ذکر کے لیے کوئی حد نہیں رکھی بلکہ مطلقاً ارشاد فرمایا: ''اللہ کا ذکر کرو تم جس حالت میں بھی ہو، قیام، قعود اور پہلوؤں پر، بیماری، تندرستی، غنا اور فقر ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرو'' (307)۔

یہ بھی ممکن ہے قیام قعود جنگی حالتوں کی طرف اشارہ ہو کہ استراحت کے وقفے ہوں یا گرمیٔ جنگ، اللہ اللہ کرنا اور اس نام کو وردِ قلب ولسان بنانا مقصود دین ہے اس لیے اس فریضہ سے محرومی بہت بڑا نقصان ثابت ہو سکتا ہے۔

آیت میں ''قِیٰمًا'' مصدری معنوں میں استعمال ہوا ہے اور ''قُعُوۡدًا'' مصدر اور جمع دونوں معنوں میں لیا جا سکتا ہے (308)۔

مفردات

وَلَا: اور نہ
تَهِنُوْا: تم سستی کرو
فِي: میں، بیچ
ابْتِغَآءِ: تلاش کرنے
الْقَوْمِ: قوم
اِنْ: اگر
تَكُوْنُوْا: ہوتم
تَاْلَمُوْنَ: تم الم اٹھاتے ہو
فَاِنَّهُمْ: تو وہ بھی یقینا
يَاْلَمُوْنَ: تکلیف اٹھاتے ہیں
كَمَا: جیسا کہ
تَاْلَمُوْنَ: تم تکلیف دیکھتے ہو
وَتَرْجُوْنَ: اور تم امید رکھتے ہو
مِنَ اللّٰهِ: اللہ کی طرف سے
مَالَا: جو نہیں
يَرْجُوْنَ: وہ اُمید رکھتے
وَكَانَ اللّٰهُ: اور اللہ ہے
عَلِيْمًا: بہت زیادہ علم والا
حَكِيْمًا: حکم وقدرت والا

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّھُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾

''اور سستی نہ دکھاؤ کسی قوم کے تلاش کرنے میں اگر تم تکلیف محسوس کرتے ہو، وہ بھی تکلیف پاتے ہیں جیسے کہ تمہیں تکلیف پہنچتی ہے البتہ اللہ سے جو تمہیں اُمید ہے وہ لوگ تو اس ثواب کی اُمید نہیں رکھتے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے''۔

آیت کی ادبیت

آیت اپنے اسلوب میں منفرد اور روح پرور ہے۔ایسے لگتا ہے جیسے سرسبز انار کے درخت پر آتشیں شباب کے لبادے میں ''گلہائے لال رنگ'' بھڑک رہے ہوں ''تَاْلَمُوْنَ يَاْلَمُوْنَ'' اور ''تَرْجُوْنَ اور يَرْجُوْنَ'' کا سجع ''عَلِيْمًا حَكِيْمًا'' کا نظر افروز اور شوق آفرین منظر پیش کرتا ہے۔یوں لگتا ہے بجلی اور جلووں کا ایک تیز جھٹکا ہے جو دلوں کے آر پار ہو گیا ہے۔آیت میں احساس کی تیزی جیسے برق روتا با آسماں لپک گئی ہو۔ضمیر شوق کی روشنی میں ڈوبے دکھائی دیتے ہیں اور دلوں کی دھک دھک میں جہاد کا طبل گونج پیدا کرتا ہے۔نسیم محبت کی حدی خوانی لگتا ہے جیسے فردوس سے حوریں رجز گا رہی ہوں، شوق شہادت کے بربط اپنے صوتی ترانوں سے کچھ کر گزرنے کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔قرآن حکیم کے ان الفاظ میں ہمت کی کڑک پسلیوں کی ہڈیوں تک کو شمشیر و کمان کی صنعت دیتے ہیں جب قرآن کے لفظ گونجتے ہیں ''مسلمانو! دشمن قوم کی تلاش میں ست اور کم ہمت نہ ہو''، سبحان اللہ مسلمان کے وجود میں تھکاوٹ اور مشقت کا ہر احساس ختم ہو جاتا ہے۔زخم ابلتے ہیں لیکن مقصد زندگی کا مجنوں تکلیفوں اور درد کی ٹیسوں کے باوجود صحرا نوردی کا حوصلہ پاتا ہے۔سینوں کے اندر سے آواز آتی ہے'' تیز ترک گامزن منزل ما دور نیست'' لو جذبوں کی برسات میں آیت کا شان نزول ملاحظہ ہو۔

شان نزول کے اشارات

استاذ وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں کہ آیت کا شان نزول غزوہ اُحد کے بعد کے حالات سے بنتا ہے(309):

> ''حضور ﷺ میدان احد میں دردناک حوادث دیکھنے کے بعد جبل اُحد کے ایک اونچے مقام پر تشریف لے گئے۔ابوسفیان بھی تعاقب میں پیچھے پیچھے پہاڑ پر چڑھ گیا اور فاتحانہ انداز میں بولا۔ایک دن تمہارا ہارا اور آج کا دن ہمارا۔حضور ﷺ کے کہنے پر مسلمانوں نے جواب دیا۔

تمہاری ہم سے کوئی مشابہت نہیں۔ ہمارے شہید جنت میں ہوں گے اور تمہارے مقتول آتش جہنم میں تڑپیں گے۔

ابوسفیان نے فخریہ اسلوب میں بڑ بولی ہانکی:

لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم

''بڑا بت ''عزیٰ'' ہمارا پشت پناہ جبکہ تمہارا کوئی عزیٰ نہیں''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم مسلمان یوں کہو:

ولنا مولانا ولا مولیٰ لکم

''اور ہمارا مولا اللہ ہے جبکہ تمہارا کوئی مولیٰ نہیں''۔

ابوسفیان نے رخ بدلا اور نعرہ مارا:

اعل ھبل

ہبل سر بلند ہوا

مسلمان نعرہ زن ہوئے:

اللہ اعلیٰ واجل

''اللہ برتر اور بزرگ تر ہے''۔

ابوسفیان نے کہا:

اچھا تمہاری اور ہماری وعدہ گاہ ''بدرِ حضریٰ'' ہے۔

مسلمان لشکر زخمی تھا۔ دکھوں نے ان کو حیات کی نئی راہ پر چلنا سکھا دیا۔ یہ آیت اتری اور مسلمانوں کو کافروں کا تعاقب کرنے کا حکم ملا اور کہا گیا کہ کوتاہی نہ کیجیو البتہ تعاقب میں صرف وہی نکلے جو احد میں بہادری کے ساتھ شریک ہوا چنانچہ مسلمانوں نے آیت کے حکم پر عمل کیا نتیجۃً کفار بھاگ کر مکہ جا پہنچے(310)۔

دشمن تلاش کرنے میں سستی مت دکھاؤ

یہ اسی صورت میں ممکن ہو گا جب مسلمان سنجیدگی کے ساتھ اپنے دوستوں اور دشمنوں کی پہچان پیدا

کریں گے۔ دشمنوں کی تلاش اوران کا تعاقب عرفان اور پہچان کے بغیر کیسے ممکن ہوگا۔ مسلمانوں پر اللہ رحم کرے ان کی کمانوں کے تیر تو ایک دوسرے ہی کو زخمی کرتے رہتے ہیں۔ دشمنوں کی زمین پر بارشیں لالہ وگل اگاتی ہیں لیکن دوراندیشی سے محروم قوم کی بارش میں بھی گلاب نذرآتش ہوتے رہتے ہیں۔ جب حقائق سے نفرت ہواور سرابوں سے محبت ہوتو صحراؤں کی چھاتی سے آب حیات کے چشمے کیسے ابل سکتے ہیں، قوموں کی ترقی ان کے اعلیٰ رویوں کے شکم سے پیدا ہوتی ہے۔ یادرکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ کہنہ اور مشاق مجاہد قرآن حکیم کی اس بصیرت افروز نصیحت سے دورنہیں رہ سکتے، دشمنوں کا تعاقب جاری رکھو۔ کفر کے بارے میں مداہنت زہر ہے جوتمہارے وجود کو مسموم کردے گی۔

یقین سازی کا انوکھا درس

قرآن مجید کی تعلیم مسلمانوں کی نفسیاتی عقل کو بیدار کرتی ہے۔ ذہن وبدن میں سکون کی روشنی نظریاتی تنویر کا ساماں فراہم کرتی ہے۔ زخمی، دکھی اور مشقت کی صعوبت رکھنے والی روحوں میں تازگی کی لہر قرآنی لفظوں کے تعمق سے پیدا کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہےاور کہا جاتا ہے:

مسلمانو!

کافر کفر کے لیے زخمی ہورہا ہے

کافر کفر کے لیے مال لٹا رہا ہے

کافر کفر کے لیے صعوبتوں کے صحرا عبور کررہا ہے

اور کافر بتوں کی جے پکار کر اپنی وفاؤں کا یقین قاف کفر تک اونچا کررہا ہے

کیا تمہارا اسلام تمہیں یہ حوصلہ نہیں دیتا کہ تم اللہ کے لیے، اسلام کے لیے

خیر عاقبت کے لیے اور انسانیت کو دوزخ کی آگ سے نجات دینے کی خاطر میدان حق میں کود پڑو!

خواہشات کا بے اماں سمندر تمہیں خیر عاقبت سے نہیں نواز سکتا۔

مسلمانو!

تم کفر کا شوروہنگامہ دیکھ کر کمزوردل نہ ہو!

ضعیف اور مضمحل نہ ہو!

روحانی پرواز میں کوتاہی نہ برتو!

موجۂ آب جو محبوب کی زلف کا دھوون ہو

اپنے اوپر انڈیل لو!!!!!

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

کسی سپر پاور کے سامنے پر پرواز مت کاٹو!
نگاہیں شل نہ کرو
عزیمت!
اور
جہاد کا راستہ ہی وہ راستہ ہوتا ہے
جس کے دو "رویہ" گلابوں کے تختے بچھے ہوتے ہیں
قرآن مجید کے لفظوں اور حرفوں سے روشنی پانے والو!
آؤ! تمہارے ہاتھ چوم لوں اور تمہاری نظروں کے روحانی بوسے لے لوں!!!
کفر کا کبھی اعتبار نہ کرنا!! اعتبار نہ کرنا!!
گردنیں جھکا کر سایۂ قرآن میں آؤ
اطمینان اور یقین کے جھرنے اسی مقام سے پھوٹتے ہیں۔
واللہ اعلم ورسولہ اعلم

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىکَ اللّٰہُ ؕ وَ لَا
تَکُنۡ لِّلۡخَآئِنِیۡنَ خَصِیۡمًا ﴿۱۰۵﴾ وَّ اسۡتَغۡفِرِ اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۱۰۶﴾

"بے شک ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کی تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے ساتھ فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھائی اور آپ خیانت والوں کے حامی نہ بنیں، اور اللہ سے بخشش مانگیں بے شک اللہ بخشنے والا انتہائی مہربان ہے"۔

آیت کا نزولی پس منظر

علامہ واحدی نے اسباب نزول میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جسے ابن جریر طبری، ترمذی، حاکم اور قرطبی نے تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے(311):

> "انصار کے ایک قبیلہ بنی ظفر کے ایک شخص طِعمہ بن ابیرق نے اپنے پڑوسی قتادہ بن نعمان کے مکان میں نقب لگا کر کچھ زرہیں اور آٹا کی بوری چرالی اور ایک یہودی زید بن سمین کے ہاں جا کر رکھ دی۔ صبح ہوئی تو قتادہ رضی اللہ عنہ نے اپنے پڑوسی طِعمہ سے پوچھا تو اس نے

اِنَّاۤ: بے شک ہم نے
اَنۡزَلۡنَاۤ: اتاری ہم نے
اِلَیۡکَ: آپ کی طرف
الۡکِتٰبَ: کتاب
بِالۡحَقِّ: حق کے ساتھ
لِتَحۡکُمَ: تاکہ آپ فیصلہ فرمائیں
بَیۡنَ: درمیان
النَّاسِ: لوگوں کے
بِمَاۤ: ساتھ اُس کے
اَرٰىکَ: دکھایا ہے تجھے
اللّٰہُ: اللہ نے
وَلَا: اور نہ
تَکُنۡ: ہوں آپ
لِّلۡخَآئِنِیۡنَ: خیانت کرنے والوں کے لیے
خَصِیۡمًا: حامی اور حمایتی
وَّاسۡتَغۡفِرِ: اور بخشش طلب کریں
اللّٰہَ: اللہ سے
اِنَّ اللّٰہَ: بے شک اللہ
کَانَ: ہے
غَفُوۡرًا: بخشنے والا
رَّحِیۡمًا: مہربان

انکار کر دیا اور قسم کھالی کہ مجھے کچھ علم نہیں۔ دلچسپ بات یہ کہ آٹے کی بوری میں سوراخ تھا جس سے آٹا راستے میں گرتا گیا۔ تعاقب ہوا تو مال مسروقہ یہودی کے گھر سے برآمد ہو گیا۔ یہودی نے کہا: میرے گھر یہ مال طِعمہ رکھ گیا ہے، سارے یہودیوں نے تائید کر دی۔ طِعمہ کے قبیلے والے رحمت عالم ﷺ کے حضور حاضر ہوئے اور طِعمہ کو بری ثابت کرنے لگ گئے۔ حضور ﷺ نے ظاہر حالات کو دیکھا اور گہری توجہ نہ فرما سکے اور مسلمانوں کو ہی سچا جانا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور رہنمائی کی گئی کہ مراجعت وحی ہی کی طرف رہنی چاہیے اور فیصلہ وحی کے مطابق ہونا چاہیے۔ وھبہ لکھتے ہیں کہ طِعمہ مرتد ہو کر مکہ کی طرف نکل گیا تھا اور ایک چوری کی واردات میں دیوار کے نیچے دب کر آنجہانی ہو گیا تھا'' (312)۔

آیت میں خطاب حضور ﷺ کو ہے

قرآن مجید میں اس نوعیت کی تمام آیات میں خطاب حضور ﷺ سے ہوتا ہے لیکن مراد دوسرے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ بات محکم ہے کہ جہاں منافقین اور ضعیف الایمان لوگ آیت کے معنوی مدار میں آتے ہوں وہاں ان سے عدول خطابی انہیں نظر انداز کرنے کا عندیہ رکھتا ہے یعنی یہ لوگ اس قابل ہی نہیں کہ روئے سخن ان کی طرف پھیرا جائے۔ آپ ﷺ کی قانونی حیثیات پانچ تھیں:

(1) آپ اللہ کے نبی اور رسول تھے اس حیثیت میں پیغامات الٰہیہ کا ابلاغ آپ کا فرض تھا اس میں آپ ''مو برابر'' بھی کمی بیشی نہ فرماتے۔

(2) آپ کی دوسری حیثیت سربراہ مملکت کی تھی آپ نے اپنے اسوۂ سے ایک نظام کی تنفیذ عملی ممکنات میں فلاح و بہبود سے مربوط کرنی تھی اور بلاشبہ آپ نے ایسا کر کے دکھایا۔

(3) آپ قانونی حیثیت میں اسلامی عدلیہ کے بھی سربراہ تھے۔ آپ نے عدلیہ کے تقاضوں کے مطابق فیصلوں کو پھیرنا ہوتا۔ قرآن مجید نے ایک نبی اور رسول کے اسوۂ میں عدالت کا کوئی ایسا پہلو نہ ابھارنا تھا جس میں گواہی اور ثبوت سے ہٹ کر صرف روحانی فیصلے ذاتی

علم کی بنیاد پر نافذ العمل کر دیے جاتے۔ ایک رسول اُمت کا معلم ہوتا ہے وہ روحانی مبادیات پر عدل کا نظام استوار نہیں کرتا اس لیے کہ اکثر روحانی مبادیات ہی وقت گزرنے کے ساتھ نفسانی اقدامات کی صورت میں ڈھل جاتے ہیں۔ احکام عدالت میں نبی اور رسول دھرنوں، اثر و رسوخ اور فکری اندیشوں اور مغالطوں کے دباؤ میں نہیں آتا۔ اس نے مرحلہ در مرحلہ نظام عدل کی خوبیوں کو تعلیم اُمت کا حصہ بنانا ہوتا ہے۔ آیت کو انہی باتوں کی روح لے کر سمجھنا چاہیے۔

(4) رسول کی چوتھی حیثیت مقنّنہ کے سربراہ کی ہوتی ہے۔ یہاں رسول نے اپنے اسوۂ اور سیرت سے قانون سازی اور تشریحاتی ضابطوں کا عرفان عام کرنا ہوتا ہے۔ بات اُمت کا مزاج قانون سے ہم آہنگ کرنے کی منزل ہوتا ہے۔ اس تناظر میں مجھے مفسرین کے اس قسم کے جملوں سے تکلیف ہوئی ہے کہ آیت میں نبی کی سرزنش کی گئی ہے۔ میرے نزدیک نبویانہ مقام میں ہبوط و زوال کی سوچ مریضانہ ہے۔ ایک معلم شاگرد کو سمجھانے کے لیے فرش پر بیٹھ جائے تو اس کی عرشی عادات مجروح نہیں ہوتیں یہ اس کے شفیق اور کامل ہونے کی علامتیں ہوتی ہیں۔

(5) رسول کا پانچواں قانونی مقام اور حیثیت اسلامی لشکروں کی سربراہی کا ہوتا ہے بصورت دیگر دعوتی اور تبلیغی مساعی کی تنظیم نبی اور رسول کے دائرہ کار میں آتی ہے۔ اس میں عسکری اور تعلیم و تربیت سے تعلق رکھنے والے سارے ادارے اور افراد آتے ہیں۔

ان پانچوں شعبوں میں درجۂ احسان پر نظم بندی کرنا رسول کے اسوۂ سے تعلق رکھنا ہے۔ ان پانچوں تقاضوں کو سامنے رکھ کر سوچ لیا جائے تو صاف سمجھ آتی ہے کہ آیت کے مضامین تعلیم اُمت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔

آیت کی تلقینات

1۔ کتاب کے نزول کی طرف اشارہ ہے کہ تعلیم و تربیت کا مصدر کتاب ہے۔

2۔ درست فیصلوں اور ضوابط قرآنیہ میں تنفیذی تطبیق حق ہے اور مسلمانوں کو ہمہ دم حق ہی کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

3۔ لوگوں کے درمیان فیصلے حق اسی وقت ہوں گے جب وہ منزل وحی کے مطابق ہوں گے۔

4۔ علامہ رشید رضا تفسیر المنار میں لکھتے ہیں۔ احکام کے متعلق جو علم اللہ نے اپنے نبی کو عطا

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

فرمایا اس کی تعبیر ''ارأت'' سے کی تا کہ پتہ چل جائے کہ اس علم میں گمان اور ظن کا کوئی دخل نہیں ۔ یہ علم ایسا قطعی اور یقینی ہے جیسے کوئی علم آنکھوں سے دیکھ کر حاصل ہوتا ہے (313)۔''بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ'' کا مفہوم یہی ہے۔

5۔ خائن لوگوں کی حمایت، نصرت اور تائید کسی صورت میں بھی نہیں ہونی چاہیے۔

6۔ ہمہ دم اللہ سے بخشش کا سوال کرتے رہنا تثبیت روحانی کے لیے ضروری ہے۔

7۔ اللہ بخشش فرمانے والا ہے فلہذا اسی کے سامنے دامن التجا پھیلانا چاہیے۔

8۔ مجرمین کی جرائم میں حوصلہ شکنی نہ کرنا معاشرتی جرائم میں سے ہے۔

9۔ گزشتہ آیت کے اسباق سامنے رکھیں تو وھن اور کمزوری جو کسی قوم میں سرطان کی طرح ہوتی ہے وہ خیانت کار معاشرے کی مدد سے پیدا ہوتی ہے۔

10۔ وکالت ہر آدمی کی نہیں کرنا چاہیے، نیکیوں کے ساتھ آگے بڑھنے کی کوشش صحیح ہوتی ہے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۙ﴿۱۰۷﴾
يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ
مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾
هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ
عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾

(107) اور آپ ان لوگوں کا دفاع نہ فرمائیں جنہوں نے اپنے آپ سے خیانت کی بے شک اللہ خیانت کرنے والوں معصیت کاروں کو پسند نہیں فرماتا

(108) وہ چاہتے ہیں کہ ان کے بُرے کام لوگوں سے مخفی رہیں جبکہ وہ اللہ سے شرماتے نہیں جبکہ وہ ان کے ساتھ ہی ہوتا ہے جب وہ مجالس شب میں اللہ کی ناپسندیدہ باتیں کرتے ہیں اور اللہ ان کے سب کاموں کو گھیرے ہوئے ہے

(109) ہاں تم ہی ہو وہ لوگ جو اس دنیا کی زندگی میں ان کا دفاع کرتے ہو سو بتاؤ بروز محشر اللہ کے سامنے ان کا کون دفاع کرے گا یا کون ان کا وکیل ہو سکے گا

مفردات

وَلَا: اور نہ
تُجَادِلۡ: تُو جھگڑ، یا دفاع کر
عَنِ: کی طرف سے
الَّذِيۡنَ: وہ جو
يَخۡتَانُوۡنَ: خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں
اَنۡفُسَهُمۡ: اپنے آپ سے
اِنَّ اللّٰهَ: بے شک اللہ
لَا يُحِبُّ: پسند نہیں کرتا
مَنۡ: اسے
كَانَ: جو ہو
خَوَّانًا: بہت زیادہ خیانت کرنے والا
اَثِيۡمًا: گناہ گار

يَّسۡتَخۡفُوۡنَ: وہ چھپاتے ہیں
مِنَ النَّاسِ: لوگوں سے
وَلَا: اور نہیں
يَسۡتَخۡفُوۡنَ: چھپاتے
مِنَ اللّٰهِ: اللہ سے
وَ: اور، یہاں ''واؤ'' حالیہ ہے معنیٰ یہ ہوگا کہ حال یہ ہے کہ
هُوَ مَعَهُمۡ: وہ ان کے ساتھ
اِذۡ يُبَيِّتُوۡنَ: جب رات کی مجالس میں وہ سازشیں بناتے ہیں
مَا لَا: جن پر نہیں
يَرۡضٰى: وہ راضی ہوتا ہے
مِنَ: سے
الۡقَوۡلِ: باتیں، یہاں الف لام کی وجہ سے معنیٰ استغراقی یا جنسی لیا جائے گا

وَلَا تُجَادِلۡ عَنِ الَّذِيۡنَ يَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ خَوَّانًا اَثِيۡمًا ۙ﴿۱۰۷﴾

''اور آپ ان لوگوں کا دفاع نہ فرمائیں جنہوں نے اپنے آپ سے خیانت کی، بے شک اللہ خیانت کرنے والوں معصیت کاروں کو پسند نہیں فرماتا''۔

آیت مسلمانوں کے وجود میں میزان عدل قائم کرتی ہے۔ انہیں اعمال حسنہ اور افعال صالحہ کا ایک معیار دیتی ہے کہ وہ نیک لوگوں اور صالح افراد کے ساتھ کھڑے ہوں۔ ان کے پشت پناہ بنیں۔ ان کے لیے آسانیاں پیدا کرنے میں ان کی مدد کریں۔ وہ لوگ جو خوگرِ خیانت ہوں اور ان کا نفس نفس نافرمانی اور خیانت کی ظلمت میں آلودہ ہو ان کی طرف سے دفاع کرنا ایک قومی جرم ہے۔

آیت کا اہم مضمون یہ ہے کہ وہ لوگ جو اپنے آپ سے خیانت کرتے ہیں وہ کسی حمایت کے مستحق نہیں۔ اس میں لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ کوئی بھی شخص جو دوسرے سے دھوکہ کرے تو اس فعلِ بد کے بُرے اثرات خود اس پر مرتب ہوتے ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ مسلم معاشرے کے تمام افراد ایک جسم کے مختلف اعضاء کی طرح ہوتے ہیں۔ اگر ایک عضو دوسرے عضو کو نقصان پہنچائے تو معنوی طور پر ایسا ہی ہے جیسے خود انسان اپنے منہ پر تھپڑ رسید کرے۔ آیت میں ''خَوَّانًا'' مبالغے کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور ''يَخۡتَانُوۡنَ'' فعل مضارع ہے۔ اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ مذمت ان لوگوں کی ہے جو خیانت کے مرتکب ہونے میں عادی مجرم بن جاتے ہیں اور خیانت پر خیانت جوڑتے رہتے ہیں۔ گناہ اگر ایک آدھ مرتبہ ہو تو اللہ بھی معاف فرما دیتا ہے۔

يَّسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمۡ اِذۡ يُبَيِّتُوۡنَ مَا لَا يَرۡضٰى مِنَ الۡقَوۡلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطًا ﴿۱۰۸﴾

''وہ چاہتے ہیں کہ ان کے بُرے کام لوگوں سے مخفی رہیں جبکہ وہ اللہ سے شرماتے نہیں جبکہ وہ ان کے ساتھ ہی ہوتا ہے جب وہ مجالس شب میں اللہ کی ناپسندیدہ باتیں کرتے ہیں اور اللہ ان کے سب کاموں کو گھیرے ہوئے ہے''۔

آیت میں منافقین اور دین دشمن عناصر کی سازشوں کو بے نقاب کیا جا رہا ہے اس طرح کہ وہ لوگ جن کی خیانت کاریاں شرمناک ہو جاتی ہیں وہ اللہ سے تو شرم نہیں کھاتے، پاکباز بننے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں اور لوگوں کے سامنے اپنی تزویری عادات سے پردے ڈالنے کی کوششیں کرتے

مفردات

رہتے ہیں۔ایسے لوگوں کی رات کی مجالس بدباطنی پر محمول ہوتی ہیں۔یہ اپنی خبیثانہ منصوبہ بندیوں سے عدل کا رخ پھیر دینا چاہتے ہیں۔ان کی باتوں اور منصوبوں سے اللہ کی رضا کی طرف کوئی راستہ نہیں کھلتا بلکہ یہ زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر گرفت میں آجاتے ہیں۔ایسے لوگوں کا ہر عمل اللہ کے احاطے میں ہوتا ہے۔

علامہ حسن دامغانی ارشاد فرماتے ہیں (314):

''جو شخص چھپ کر خیانت نفسی یا معاشرتی بدی کا ارتکاب
کرتا ہے اللہ اعلانیہ اس کے رازوں اور عیبوں کو بے نقاب
کر کے اس کی تذلیل فرما دیتا ہے''۔

علامہ بقلی لکھتے ہیں کہ اہل اللہ خوف خدا اور تقویٰ کی برکت سے وہ عرفان پا لیتے ہیں کہ ان پر ایسے لوگوں کی دسیسہ کاریاں عیاں ہو جاتی ہیں (315)۔

آیت کا تفسیری عمود یہ ہے کہ ایسے گندے لوگوں کا دفاع ہرگز نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ فطرت کی تعزیریں ان کو مقید کرنے کے لیے رسیاں کھینچتی رہتی ہیں اور نتیجۃً یہ لوگ ذلیل ہو کر رہتے ہیں۔

هٰۤاَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَاۤءِ جٰدَلۡتُمۡ عَنۡهُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ۟ فَمَنۡ یُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنۡهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ اَمۡ مَّنۡ یَّكُوۡنُ عَلَیۡهِمۡ وَكِیۡلًا ﴿۱۰۹﴾

''ہاں تم ہی ہو وہ لوگ جو اس دنیا کی زندگی میں ان کا دفاع کرتے ہو سو بتاؤ بروز محشر اللہ کے سامنے ان کا کون دفاع کرے گا یا کون ان کا وکیل ہو سکے گا''۔

آیت میں تین اہم مضامین ہیں جن میں معاشرتی تربیت کے اہم پہلو قاریٔ قرآن کے سامنے لائے جا رہے ہیں۔اسلوب آیت کا ذہنی بیداری پیدا کر دینے والا ہے۔وہ لوگ جو ہمیشہ خائن لوگوں کی حمایت کرتے ہیں ان کا ووٹ بدکردار لوگوں کے حق میں ہوتا ہے۔انہیں کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ اللہ کی ناراضگی عمرانی زندگی کی رونقیں چھین لیتی ہے۔

- مومنوں کو تحذیر کا حکم ہے کہ وہ احتیاط کریں خائنین کی حمایت اور مدافعت نہ کریں، ان کے ساتھ تعاطف اور تلطف کا سلوک نہ برتیں، خیانت کی حوصلہ افزائی امانت کو جڑ سے اکھیڑ دیتی ہے اس لیے کہ مومن لوگ حسن معاشرت کے راز جانتے ہیں انہیں ہمیشہ امانتوں کا پشت پناہ ہونا چاہیے۔
- نفیس مسئلہ آخرت کے تناظر میں سمجھایا جا رہا ہے کہ آج تو لوگ جھوٹی قسموں کا سہارا لے

وَكَانَ اللّٰهُ: اور ہے اللہ
بِمَا: اس سے
یَعۡمَلُوۡنَ: وہ کرتے ہیں
مُحِیۡطًا: احاطہ کرنے والا

هٰۤاَنۡتُمۡ: خبردار تم
هٰۤؤُلَاۤءِ: اس قسم کے لوگ ہو
جٰدَلۡتُمۡ: جھگڑا کیا تم نے
عَنۡهُمۡ: ان کے بارے میں
فِی الۡحَیٰوةِ: بیچ زندگی
الدُّنۡیَا: دنیا
فَمَنۡ: تو کون
یُّجَادِلُ: جھگڑا کرے گا، جدال کا لفظ یہاں مدافعت کرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے
اللّٰهَ: اللہ سے
عَنۡهُمۡ: ان کے متعلق
یَوۡمَ: دن
الۡقِیٰمَةِ: قیامت
اَمۡ: یا
مَّنۡ: کون
یَّكُوۡنُ: ہوگا
عَلَیۡهِمۡ: ان پر
وَكِیۡلًا: وکیل

کر اپنی چرب زبانی سے غلط لوگوں کے حمایتی بن جاتے ہیں لیکن کل بروز قیامت خائنوں کو کون اللہ کے سامنے بچانے کے لیے زبان کھول سکے گا۔ مجرمین، آثمین اور خائینین تو وہاں لرز رہے ہوں گے وہاں کس کی چلے گی۔ مجرم دوست اور گناہ گار قرابت دار تو گھٹنوں تک پسینے میں ڈوبے ہوں گے وہاں ان کے لیے کس کا تقویٰ حمایتی بن سکے گا؟

❁ تیسری چیز یہ کہ آج دنیا میں وکیلوں کی منہ ماری سے عدالتوں کے دروازوں میں نقب ثقب لگا کرنا قب ثاقب بنا جا سکتا ہے لیکن قیامت کے دن کوئی محامی اور وکیل نہیں بن سکے گا، گویا یوم الحساب پر یقین کرنے والوں کو گناہ گاروں اور مجرموں کی مدد سے باز آجانا چاہیے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ یَظۡلِمۡ نَفۡسَہٗ ثُمَّ یَسۡتَغۡفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ
غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۱۱۰﴾
وَ مَنۡ یَّکۡسِبۡ اِثۡمًا فَاِنَّمَا یَکۡسِبُہٗ عَلٰی نَفۡسِہٖ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا
حَکِیۡمًا ﴿۱۱۱﴾
وَ مَنۡ یَّکۡسِبۡ خَطِیۡٓئَۃً اَوۡ اِثۡمًا ثُمَّ یَرۡمِ بِہٖ بَرِیۡٓـًٔا فَقَدِ احۡتَمَلَ
بُہۡتَانًا وَّ اِثۡمًا مُّبِیۡنًا ﴿۱۱۲﴾

(110) اور جو برُا عمل کرے یا اپنے نفس پر ظلم ڈھائے پھر اللہ سے طلب مغفرت کرے وہ اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا

(111) اور جو شخص گناہ کما تا ہے تو یہ پختہ بات ہے کہ اس کی کمائی کا وبال اس کے اپنے ہی نفس پر ہوتا ہے اور اللہ علم والا حکیم ہے

(112) اور جو شخص خطا یا گناہ کا مرتکب ہو پھر اپنی خطا کو کسی بے گناہ کے سر دھرے تو ایسے شخص نے بہتان اور گھمبیر گناہ کا بوجھ اپنے کندھوں پر لاد لیا

مفردات

وَ: اور
مَنۡ: جو شخص
یَّعۡمَلۡ: عمل کرے
سُوۡٓءًا: بُرا
اَوۡ: یا
یَظۡلِمۡ: ظلم کرے
نَفۡسَہٗ: اپنے آپ پر
ثُمَّ: پھر
یَسۡتَغۡفِرِ: مغفرت مانگے
اللّٰہَ: اللہ سے
یَجِدِ: پائے گا
اللّٰہَ: اللہ کو
غَفُوۡرًا: بڑا بخشنے والا
رَّحِیۡمًا: بہت رحم فرمانے والا

وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ یَظۡلِمۡ نَفۡسَہٗ ثُمَّ یَسۡتَغۡفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۱۱۰﴾

''اور جو بُرا عمل کرے یا اپنے نفس پر ظلم ڈھائے پھر اللہ سے طلبِ مغفرت کرے وہ اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا''۔

رحمت کا جھرنا

قرآن مجید کی یہ آیت رحمت اور کرم کا رواں دواں چشمہ ہے۔ اس میں ایک گناہ گار شخص کی توبہ خوشبوؤں اور روشن کرنوں کا رقص کرتی ہے اور وہ ضمیر بیدار شخص جس کا احساس ''ظلم'' کا آتشیں تنور انابت کے آنسوؤں سے ٹھنڈا کر دیتا ہے روحانی جنتیں نسیمِ فردوس سے ماحول کے حبس کو ختم کر کے خوشگوار سانسیں نصیب کر دیتی ہیں۔

تائب شخص اللہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ اس کے اندر غفور اور رحیم کی عطائیں رحمت و برکت پر یقین اور اعتماد کی سوغاتیں ودیعت کر دیتی ہیں۔

توبہ نہ کرنے والا شخص گلِ خزاں رسیدہ کی طرح پائمال ہوتا ہے اور استغفار سے دامنِ حیات کو نہ دھونے والا شخص اس پھول کی طرح ہو جاتا ہے جس میں سے کسی مکھی نے رس کشید لیا ہو۔

غلامانِ رسول!

گناہوں بھری فضاؤں میں روحوں کو آلودہ ہونے کا موقع نہ دیں!!!

محبتوں کے غنچہ ہائے نو دمیدہ کو وسواس اور توہمات سے نہ مسلیں

اپنے ہوئے کیے پر نادم ہوں!!!

گردن جھکا دیں

اور تائب ہونے کی سعادت حاصل کریں

مایوس نہ ہوں!!!

تمہارا مالک غفور بھی ہے، غفار بھی ہے

اور رحیم ہونا بھی اسی کی شان ہے!!!

روحانی آفتاب کی روشن کرنیں تمہاری توبہ پر تمہیں مبارک دے رہی ہیں

اللہ اکبر

مفردات

وَمَنۡ: اور جو
يَّكۡسِبۡ: کمائے
اِثۡمًا: گناہ
فَاِنَّمَا: تو نہیں ہے سوا اس کے
يَكۡسِبُهٗ: وہ کماتا ہے اسے
عَلٰى: پر
نَفۡسِهٖ: اپنے نفس کے لیے
وَكَانَ اللّٰهُ: اور ہے اللہ
عَلِيۡمًا: علم والا
حَكِيۡمًا: حکمت والا
وَمَنۡ: اور جو
يَّكۡسِبۡ: کمائے
خَطِيۡٓـئَةً: خطا
اَوۡ: یا
اِثۡمًا: گناہ
ثُمَّ: پھر
يَرۡمِ: تہمت لگائے، عیبوں کے تیر مارے
بِهٖ: ساتھ اس کے
بَرِيۡٓـئًا: کسی بے گناہ
فَقَدِ: تو بے شک
احۡتَمَلَ: اٹھالیا
بُهۡتَانًا: بہتان
وَّ: اور
اِثۡمًا: گناہ
مُّبِيۡنًا: کھلا

وَمَنۡ يَّكۡسِبۡ اِثۡمًا فَاِنَّمَا يَكۡسِبُهٗ عَلٰى نَفۡسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۱۱۱﴾
وَمَنۡ يَّكۡسِبۡ خَطِيۡٓـئَةً اَوۡ اِثۡمًا ثُمَّ يَرۡمِ بِهٖ بَرِيۡٓـئًا فَقَدِ احۡتَمَلَ بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا
مُّبِيۡنًا ﴿۱۱۲﴾

''اور جو شخص گناہ کماتا ہے تو یہ پختہ بات ہے کہ اس کی کمائی کا وبال اس کے اپنے ہی نفس پر ہوتا ہے اور اللہ علم والا حکیم ہے، اور جو شخص خطا یا گناہ کا مرتکب ہو پھر اپنی خطا کو کسی بے گناہ کے سر دھرے تو ایسے شخص نے بہتان اور گھمبیر گناہ کا بوجھ اپنے کندھوں پر لاد لیا''۔

قرآن مجید کی دو آیتیں معنوی تعبیر کے ساتھ یکجا لکھی جاتی ہیں:

گناہوں کے اثرات شخصیت کو تباہ کر دیتے ہیں۔ کوئی بھی گناہ ہو اس سے گناہ کرنے والا شخص اپنے آپ کو ضرور نقصان پہنچا لیتا ہے۔ دنیا میں مہلک اسلحے شخصیات کو اتنا تباہ نہیں کرتے جتنا گناہوں کی سفا کیاں انسان کو تباہ کر دیتی ہیں۔ گناہ وقتی لذت سے ضرور ہم کنار کرتا ہے لیکن یہ ایسی پرہول دنیا ہے جس میں کبھی صبح نہیں ہوتی، اس کی ظلمتیں بندے کو گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیتی ہیں۔ گناہ کے شکم سے ہمیشہ بے اصل اولاد جنم لیتی ہے، یہ ضرور ہے کہ گناہ گار لوگ اپنی آوارگیوں کی شوخی سے تالیاں ضرور پیٹتے ہیں لیکن بوقت مرگ اکثر ان کے گلوں سے چیخیں نکلتی ہیں، سکون کی گلابی شعاعیں اس دنیا کا مقدر نہیں ہوا ہے۔ قرآن حکیم مکمل ہمدردی کے ساتھ انسانی قافلوں کو آثام و خطیات سے بچاتا ہے اور دلوں اور روحوں میں نیکی کی طلب پیدا کرتا ہے۔

''خطأ'' اور ''اِثۡمًا'' میں معنوی فرق

''خطیئہ'' خطا سے ہے جو ان گناہوں کے لیے بولا جاتا ہے جو انسان سے قصد اور ارادہ کے بغیر سرزد ہوں البتہ ان میں سے بعض پر کفارہ اور تاوان ادا کرنا پڑتا ہے۔ مرورِ وقت کے ساتھ مذہبی ادب میں جوں جوں وسعت پیدا ہوئی ہے یہ لفظ ہر گناہ کے لیے استعمال ہونے لگ گیا ہے۔ ''اثم'' لفظ عام طور پر ان گناہوں پر بولا جاتا ہے جن کا ارتکاب قصداً اور عمداً ہو۔ لفظ کا لغوی معنیٰ روکنا اور رکنا ہوتا ہے۔ گناہ چونکہ انسانوں کو نیکیوں سے روکتے ہیں اس لیے گناہ کو ''اثم'' کہہ دیتے ہیں (316)۔

ابن جریر طبری نے یہی لکھا کہ قصداً جو گناہ کیا جاتا ہے وہ ''اثم'' ہوتا ہے اور جو بغیر ارادے کے ہو وہ ''خطیئہ'' ہوتا ہے (317)۔

بعض مفسرین نے یہ لکھا کہ اللہ کی نافرمانی ''خطیئہ'' ہوتی ہے اور بندوں پر ظلم اور زیادتی ''اثم'' ہوتا ہے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ جس کی تباہیاں ذات تک محدود ہوں وہ ''خطیئہ'' ہے اور جو تباہی کی ظلمت کو دوسروں کی طرف متعدّی کر دے وہ ''اثم'' ہے۔

ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے صغیرہ گناہ ''**خطیئہ**'' اور کبیرہ گناہ ''**اثم**'' لکھا ہے (318)۔

زیر تفسیر حصے میں تہمت اور بہتان کی مذمت کی گئی ہے۔ بے گناہ افراد پر تہمت لگانے کے لیے اور دوسروں پر بہتان باندھنے کے لیے تیر پھینکنے کی تعبیر اختیار کی گئی ہے اس سے گناہ کی شدت بیان کرنا مقصود ہے۔ کتنا بے مراد ہے وہ شخص جو اپنے گند کی ٹوکریاں دوسروں کے سر تھونپ دیتا ہے۔

حکیم و عظیم امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے (319):

> ''جو شخص اپنے مومن بھائی پر تہمت لگاتا ہے تو ایمان اس کے دل سے اس طرح ختم ہو جاتا ہے جس طرح نمک پانی میں گھل کر ختم ہو جاتا ہے''۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ
يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ
وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ
كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾
لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ
اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ
فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

(113) اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ ضرور قصد کر لیتا کہ آپ کو راہ حق سے دور ہٹا دے جبکہ ان لوگوں کے بہکاووں کا شکار وہ خود ہی ہو رہے ہیں اور وہ آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت اتاری اور آپ کو تعلیم دی جو بھی آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے

(114) اور ان کی بہت سی سرگوشیوں میں بھلائی نہیں مگر جو حکم دے صدقہ کا یا نیکی کا یا پھر لوگوں کے درمیان اصلاح کا اور جو شخص اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ایسا کرے تو عنقریب ہم اُسے اجر عظیم سے نوازیں گے

مفردات

وَلَوۡ: اور اگر
لَا: نہ
فَضۡلُ: فضل
اللّٰهِ: اللہ
عَلَيۡكَ: آپ پر
وَرَحۡمَتُهٗ: اور اس کی رحمت
لَهَمَّتۡ: تو ارادہ کر لیتا
طَّآئِفَةٌ: ایک گروہ
مِّنۡهُمۡ: ان میں سے
اَنۡ: اس پر کہ
يُّضِلُّوۡكَ: دھوکہ دے آپ کو
وَمَا: اور نہیں
يُضِلُّوۡنَ: دھوکہ دیتے وہ
اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ: مگر اپنے آپ کو
وَمَا: اور نہ
يَضُرُّوۡنَكَ: ضرر پہنچا سکتا تمہیں
مِنۡ شَىۡءٍ: ذرہ بھر، کچھ بھی
وَاَنۡزَلَ اللّٰهُ: اور اتاری اللہ
عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ: آپ پر کتاب
وَالۡحِكۡمَةَ: اور حکمت
وَعَلَّمَكَ: اور سکھایا آپ کو
مَا لَمۡ: جو نہ
تَكُنۡ: تھے آپ
تَعۡلَمُ: جانتے
وَكَانَ فَضۡلُ: اور ہے فضل
اللّٰهِ: اللہ
عَلَيۡكَ: آپ پر
عَظِيۡمًا: بہت بڑا

وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ وَرَحۡمَتُهٗ لَهَمَّتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ اَنۡ يُّضِلُّوۡكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَضُرُّوۡنَكَ مِنۡ شَىۡءٍ ؕ وَاَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ ؕ وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا ﴿۱۱۳﴾

''اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ ضرور قصد کر لیتا کہ آپ کو راہ حق سے دور ہٹا دے جبکہ ان لوگوں کے بہکاووں کا شکار وہ خود ہی ہو رہے ہیں اور وہ آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت اتاری اور آپ کو تعلیم دی جو بھی آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے''۔

آیت کے نورانی جلووں میں سیرت کے نازک لیکن ضروری پہلو اُجاگر کیے گئے ہیں۔ اسلوب آیت نے کھل کر عصمت نبوت کا سرچشمہ بتا دیا ہے کہ انبیاء کے ساتھ عموماً اور محمد مصطفی ﷺ کے ساتھ خصوصاً اللہ کا فضل اور رحمت قلعہ بنا کر استحکام بخشی کی گئی ہے۔ منافقین اور مجرمین اس کوشش میں ضرور رہتے ہیں کہ تہمتوں اور الزامات کی سنگ باری سے مقام نبوت کو اجتماعی اور عمرانی نقصان پہنچائیں اور قرآن مجید نے ایک خاص گروہ کی سفلی کوششوں کا حوالہ بھی دیا ہے لیکن ساتھ ہی مضبوط اسلوب میں اعلان کیا ہے کہ مجال ہے کسی کی کہ وہ اللہ کی نصرت اور مدد کے حصار کو توڑ سکے، ہاں غور و فکر والی بات یہ ہے کہ قرآن حکیم نے صاف طور پر اعلان کر دیا کہ خشت زنی کے اس گھناؤنے کھیل کی طرف جو بڑھے گا اس کی اپنی ہی ذات نحوستِ اعمال کے جال میں پھنس جائے گی۔

گناہوں سے معصومیت کی بڑی وجہ

قرآن مجید نے چار چیزیں بیان کیں جن کی وجہ سے اللہ نے اپنے محبوب کے لیے عصمت کا قلعہ مضبوط کیا:

1۔ اللہ نے آپ پر کتاب اتاری، اچھائیوں اور برائیوں میں فرق کا معیار قرآن ہے، یہ نعمت عظمیٰ اللہ نے آپ کو دے دی۔

2۔ دوسرا وسیلہ تعلیم حکمت کی نعمت ہے، علم و دانش کی یہ عظیم راہ ہے جس پر اللہ نے جسے چلایا اسے بُرے فیصلوں اور وہمی معمولات سے محفوظ رکھا۔

3۔ تیسری وجہ علم کی لامحدودیت ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو ''علم ما کان اور ما یکون'' دینے کا اعلان فرمایا۔ سمندر اور دریاؤں میں رہنے والے کو کنویں میں

ٹکریں مارنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ کتنی شہامت اور وسعت ہے قرآن حکیم کے ان الفاظ میں کہ آپ جو بھی نہ جانتے تھے اللہ نے اسی کا علم آپ کو عطا فرما دیا۔ وحی کی روشنیوں میں رہنے والا کس طرح شک وشبہ میں رہ سکتا ہے۔

4۔ قرآن مجید نے چوتھی وجہ یہ بیان کی کہ محمد ﷺ پر ہمہ دم اللہ کا فضل جاری اور طاری رہتا ہے۔ یہ ایسا قلعہ ہے جو ہر طرح سے محفوظ اور مصئون ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ نعمتیں حضور ﷺ کے ساتھ کیوں خاص رکھی گئی ہیں، جواب اس کا یہ ہے کہ رہبری اور رہنمائی کی ذمہ داری اتنی ثقیل اور بھاری رکھی کہ خصائص، خصائل اور وسائل بھی وسعت مآب دینا رہبری کی ضرورت ٹھہری۔ یہی اللہ کی مدد ہے جس کے سہارے مسلمان دنیا میں وقار کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں۔

لَا خَیۡرَ فِیۡ کَثِیۡرٍ مِّنۡ نَّجۡوٰىہُمۡ اِلَّا مَنۡ اَمَرَ بِصَدَقَۃٍ اَوۡ مَعۡرُوۡفٍ اَوۡ اِصۡلَاحٍۭ بَیۡنَ النَّاسِ ؕ وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰہِ فَسَوۡفَ نُؤۡتِیۡہِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۱۱۴﴾

"اور ان کی بہت سی سرگوشیوں میں بھلائی نہیں مگر جو حکم دے صدقہ کا یا نیکی کا یا پھر لوگوں کے درمیان اصلاح کا اور جو شخص اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ایسا کرے تو عنقریب ہم اُسے اجر عظیم سے نوازیں گے"۔

"نجویٰ" کے معنوی اطلاقات

فخر الدین رازی نے لکھا کہ دو آدمیوں کے درمیان راز "نجویٰ" کہلاتا ہے (320)۔
زبیدی حنفی نے لکھا کہ محفل میں سرگوشی کرنا "نجویٰ" ہے۔
ابن منظور فرماتے ہیں کہ سرگوشیاں کرنے والی قوم بھی "النجویٰ" ہوتی ہے (321)۔
علامہ شرتونی لکھتے ہیں (322):

> "اونچی زمین "نجوہ" ہوتی ہے۔ اونچی زمین چونکہ
> اطراف سے بلند ہونے کی بنا پر الگ سے ہوتی ہے اس
> لیے خفیہ میٹنگ بھی چونکہ الگ تھلگ ہوتی ہے اس لیے
> اسے "نجویٰ" سے تعبیر کر دیتے ہیں"۔

بعض ائمہ لغت نے اس لفظ کی اصل نجات لکھی ہے چونکہ اس کا معنیٰ رہائی ہوتا ہے اور سرگوشی بھی راز بن کر لوگوں کی رسائی سے باہر ہو جاتی ہے اس لیے اسے "نجویٰ" سے تعبیر کر دیتے ہیں (323)۔

مفردات

لَا: نہیں
خَیۡرَ: بھلائی
فِیۡ: بیچ
کَثِیۡرٍ: زیادہ تر
مِّنۡ: سے
نَّجۡوٰىہُمۡ: ان کی سرگوشیوں
اِلَّا: مگر
مَنۡ: جو
اَمَرَ: حکم دیا اس نے
بِصَدَقَۃٍ: صدقہ کا
اَوۡ: یا
مَعۡرُوۡفٍ: نیک کام
اَوۡ: یا
اِصۡلَاحٍ: اصلاح، صلح کروانا
بَیۡنَ: درمیان
النَّاسِ: لوگوں کے
وَمَنۡ: اور جو شخص
یَّفۡعَلۡ: کرے
ذٰلِکَ: یہ کچھ
ابۡتِغَآءَ: تلاش کرنے
مَرۡضَاتِ: رضا اور مرضی
اللّٰہِ: اللہ کی
فَسَوۡفَ: تو عنقریب
نُؤۡتِیۡہِ: ہم دیں گے اُسے
اَجۡرًا: اجر
عَظِیۡمًا: بہت بڑا

آیت کا تفسیری محمول

دین دشمن لوگوں اور منافقین کی خفیہ سازشیں، مخفی اجلاس اور دھوکہ دہی پر مبنی سرگوشیاں کوئی خیر کا پہلو نہیں رکھتیں۔ مسلمانوں کو ان شیطانی کوششوں سے غفلت نہیں برتنی چاہیے۔ اس قسم کا انداز گفتگو غلط فہمیاں اور سوء ظنیاں پیدا کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ ضرورت کے بغیر یہ طریقہ ہرگز ہرگز اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

سورۂ مجادلہ میں صاف طور پر کہہ دیا گیا ہے:

''اے ایمان والو!
جب تم سرگوشی اور اخفا پر مبنی گفتگو کرو تو گناہ، ظلم اور پیغمبر کی نافرمانی کے لیے نہ کرو، نیکیوں اور تقویٰ کے لیے نجویٰ کرو''۔

یہاں زیر تفسیر آیت میں بھی تین کاموں کا استثنا کیا گیا:

- پہلی صورت یہ ہے کہ صدقہ کا حکم کیا جائے تو اسے مخفی رکھنا اور لوگوں سے پردۂ اخفا میں رکھنے کے لیے دھیرے دھیرے اس کا ذکر کر دینا۔
- دوسری صورت نیکی کا حکم دینا ہے۔ ایسا کرنا اگر شرمندگی کا باعث ہو سکتا ہے تو اسے چھپا کر دینا درست ہے۔
- اور تیسری صورت لوگوں کے درمیان صلح اور مصالحت ہے۔

احادیث کا تربیتی جلوہ

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں (324):

''ابن آدم کی باتیں نقصان کا باعث ہی ہوتی ہیں سوائے اس کے کہ وہ اللہ کا ذکر کرے اور نیکی کا حکم دے یا پھر برائی سے منع کرے''۔

علامہ بغوی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کیا (325):

''اس شخص کو جھوٹا نہیں کہا جا سکتا جو لوگوں کے درمیان صلح کروائے یا بھلائی اور نیکی کو پروان چڑھائے اور مبنی بر خیر باتیں کرے''۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

حضرت ابوالدرداؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں (326):

''میں تمہیں ایک ایسی بات نہ بتادوں جو درجہ کے اعتبار سے روزوں، نمازوں اور صدقات سے بھی افضل ہے''۔

صحابہ نے شوق سے عرض کیا:

ہاں یارسول اللہ ﷺ ارشاد فرمائیں:

آپ ﷺ نے فرمایا:

''لوگوں میں صلح کرانا، اس لیے کہ لوگوں کے درمیان انتشار فساد ہے اور فساد مونڈ دینے والا فتنہ ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''تین خصلتیں نیکی اور بھلائی کو مکمل کر دیتی ہیں یہ کہ اسے جلدی نبھا دیا جائے دوسرا یہ کہ نیکی کو ہمیشہ چھوٹا جانا جائے اور تیسرا یہ کہ نیکی کو چھپا کر کیا جائے۔ عجلت میں نیکی کرنا توفیق ہوتی ہے اسے چھوٹا جاننے سے نیکی بڑی اور فضیلت مآب ہوجاتی ہے اور نیکی چھپا کر کرنے سے مکمل ہوجاتی ہے'' (327)۔

وَ مَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الۡہُدٰی وَ یَتَّبِعۡ غَیۡرَ
سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصۡلِہٖ جَہَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا ﴿۱۱۵﴾ ع
اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ
وَ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ﴿۱۱۶﴾
اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَیۡطٰنًا
مَّرِیۡدًا ﴿۱۱۷﴾ ۙ

(115) اور جو شخص ہدایت کے خوب واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کی راہ کے علاوہ کسی اور کی اتباع کرے تو ہم اسے ادھر ہی پھرا دیتے ہیں جدھر وہ پھرا ہوتا ہے اور ایسے شخص کو ہم جہنم میں ڈالیں گے اور وہ لوٹ کر جانے کے لیے بہت بُری جگہ ہے

(116) بے شک اللہ بخشش نہیں فرماتا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے کم کم جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے سو وہ گمراہی میں دور کا جا بھٹکتا ہے

(117) یہ لوگ عبادت نہیں کرتے اس کے سوا مگر چند دیویوں کی اور نہیں عبادت کرتے مگر سرکش شیطان کی

مفردات

وَ: اور
مَنۡ: جو شخص
یُّشَاقِقِ: مخالفت کرے
الرَّسُوۡلَ: رسول معظم کی
مِنۡۢ: سے
بَعۡدِ: بعد
مَا: جو
تَبَیَّنَ: روشن کی
لَہُ: اس کے لیے
الۡہُدٰی: ہدایت
وَ یَتَّبِعۡ: اور پیروی کی
غَیۡرَ: دوسری، غیر
سَبِیۡلِ: راہ
الۡمُؤۡمِنِیۡنَ: مومنوں کی
نُوَلِّہٖ: ہم پھیر دیں گے اسے
مَا: جدھر، ادھر
تَوَلّٰی: وہ خود پھرا
وَ نُصۡلِہٖ: اور ملا دیں گے اسے
جَہَنَّمَ: دوزخ
وَ سَآءَتۡ: اور بری رہی
مَصِیۡرًا: پلٹنے کی جگہ

وَ مَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الۡہُدٰی وَ یَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصۡلِہٖ جَہَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا ﴿۱۱۵﴾

''اور جو شخص ہدایت کے خوب واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کی راہ کے علاوہ کسی اور کی اتباع کرے تو ہم اسے ادھر ہی پھرا دیتے ہیں جدھر وہ پھرا ہوتا ہے اور ایسے شخص کو ہم جہنم میں ڈالیں گے اور وہ لوٹ کر جانے کے لیے بہت بُری جگہ ہے''۔

اس آیت کی تشریح میں علامہ قرطبی نے ''مشاقت'' کا معنیٰ عداوت اور مخالفت لکھا ہے(328)۔ وہ شخص جو عناد، ہٹ دھرمی، حسد اور مخالفت برائے مخالفت کو زندگی گزارنے کی منزل بنالے وہ بھی نحوستوں کے گرداب میں پھنس جاتا ہے۔ خصوصاً ایک ایسا بدقسمت انسان جو رسول معظم ﷺ کا دشمن بن جائے اور اپنے محسن عظیم ہی کی مخالفت کا زہر چاٹنے لگ جائے وہ تباہی سے کیسے بچ سکتا ہے؟ آیت میں کھل کر اشارہ کر دیا گیا ہے کہ رسول معظم ﷺ ہی کا راستہ صحیح راستہ ہے۔ وہ اندھا شخص جو خود کو اس صراطِ حق سے جدا کر لے وہ صرف مخالفت کے گڑھے ہی میں نہیں چھلانگ لگاتا بلکہ آتشِ جہنم میں اسے جھونک دیا جاتا ہے۔ آیت نے ضمناً یہ بھی سمجھا دیا کہ مومنوں کا راستہ ہی فلاح کا راستہ ہے اس لیے کاروانِ انسانیت کو اپنی کامیابی اس راہ پر چل کر حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

علامہ بیضاوی گمراہوں کی نحوست کو اپنے انداز میں بیان فرماتے ہیں(329):

''وہ شخص جو کفر اور گمراہی کی طرف دانستہ پھر جاتا ہے اللہ
اسے ادھر ہی برگشتہ کر دیتا ہے ایسے کہ اس کے لیے
ہدایت کی طرف لوٹ کر آنا مشکل ہو جاتا ہے''۔

عصر جدید میں جس طرح حکومتیں، سوشل میڈیا اور پرنٹ میڈیا اور ابلیسی قوتیں سبیل المجرمین کو طاقت دے رہی ہیں وہ کسی آنکھ سے مخفی نہیں۔ یہ آیت مسلمانوں کو صدق وحق کی طرف رغبت دلاتی ہے کہ وہ سبیل المومنین کو عشقِ رسالت اور اطاعتِ رسالت کی خُو سے منور رکھیں اور دین میں دلکشی اور جاذبیت پیدا کرنے کی حکیمانہ دعوت عام کریں اور قافلۂ حق کو نحوست کی اس گلی میں نہ آنے دیں جہاں سے واپسی دشوار بلکہ ناممکن ہو جاتی ہے۔ اللہ مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔

مفردات

اِنَّ: بے شک
اللّٰهَ: اللہ
لَا: نہیں
يَغْفِرُ: بخشتا
اَنْ: یہ کہ
يُّشْرَكَ: شریک ٹھہرایا جائے
بِهٖ: اس کے ساتھ
وَيَغْفِرُ: اور بخش دیتا ہے
مَا: وہ جو
دُوْنَ: علاوہ
ذٰلِكَ: اس کے
لِمَنْ: اس کے لیے، جس کے لیے
يَّشَآءُ: وہ چاہے
وَمَنْ: اور جو
يُّشْرِكْ: شرک کرتا ہے
بِاللّٰهِ: اللہ کے ساتھ
فَقَدْ: تو بے شک
ضَلَّ: جو گمراہ ہوا
ضَلٰلًا: گمراہ ہونا
بَعِيْدًا: بہت دور کا، یعنی بہت زیادہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾

”بے شک اللہ بخشش نہیں فرماتا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے کم جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے سو وہ گمراہی میں دور کا جا بھٹکتا ہے“۔

شان نزول

ضحاک نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی اور فرمایا کہ یہ آیت اعراب میں سے ایک شیخ کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ خدمت رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی:

یا رسول اللہ! میں ایک بوڑھا شخص ہوں، گناہوں میں ڈوبا ہوا ہوں ہاں یہ ضرور ہے کہ میں نے کبھی شرک کا ارتکاب نہیں کیا۔ جب سے عرفان نصیب ہوا اور میں نے اقرار کیا کہ میں اللہ پر ایمان لے آیا اور میں نے اللہ کے سوا کسی کو کارساز نہ جانا اور کسی معصیت کا ارتکاب کرنے کی جسارت نہ کی اور آنکھ جھپکنے کی دیر اتنا بھی وہم نہ کیا کہ میں اللہ سے بھاگ کر جان بچا لوں گا اور وہ مجھے پکڑ نہ سکے گا۔ یہ یقینی امر ہے کہ میں گناہوں پر پشیمان ہوتا ہوں، اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں

یا رسول اللہ!!!

اب آپ ارشاد فرمائیں میرا حال کیسا ہے؟

اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی (330)۔

مولا علی رضی اللہ عنہ کی محبوب آیت

جامع ترمذی میں حضرت والا شان کا یہ قول نقل کیا گیا، آپ فرماتے ہیں کہ پورے قرآن میں مجھے اس آیت سے بڑھ کر کوئی آیت محبوب نہیں اس لیے کہ اس میں:

1۔ اللہ کی توحید بیان کرنے کا انداز عشق ابھار دینے والا ہے۔

2۔ اس لیے کہ شرک کی مذمت ہے۔

3۔ اور اس لیے کہ شرک کے علاوہ تمام گناہوں کی بخشش کی اُمید ہے (331)۔

آیت میں ”دُوْنَ“ کی تشریح

راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

”کسی شئی تک رسائی سے محروم اور قاصر شخص کے لیے

مفردات

''دُوْنَ'' کی اصطلاح استعمال ہوجاتی ہے''۔

بعض اہل لغت نے ''دُوْنَ'' کو ''دنو'' سے مقلوب جانا ہے۔اس طرح ''دنو'' کے دو معانی معروف ہیں: ایک قریب ہونا اور دوسرا گھٹیا ہونا (332)۔

چشمۂ فیض کا ایک اور رنگ

آیت میں یہ بھی کہا گیا کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہراتا ہے وہ گمراہی اور ضلالت میں بہت دور جا نکلتا ہے۔

سید قطب نے خوب لکھا (333):

''شرک کرنے والے شخص کی فطرت کے تار و پود میں سے کوئی ایک دھاگہ بھی سلامت ہو تو وہ نظریہ توحید سے بندھا رہتا ہے لیکن رشتوں کی یہ تار جب ٹوٹ جاتی ہے تو پھر کچھ سلامت نہیں بچتا، بربادیوں کی ظلمتیں انسان کو گھیر لیتی ہیں''۔

اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَیۡطٰنًا مَّرِیۡدًا ۱۱۷

''یہ لوگ عبادت نہیں کرتے اس کے سوا مگر چند دیویوں کی اور نہیں عبادت کرتے مگر سرکش شیطان کی''۔

شیطانی منشور کی ظلمتیں

اس مختصر آیت کی تشریح اور تعبیر میں تین چیزیں قابل ملاحظہ ہیں:

تفسیر جلالین میں اس امر کی صراحت کردی گئی ہے کہ آیت میں ''یَدْعُوْنَ'' کا معنیٰ ''یعبدون'' سے کیا جائے گا۔ امام مفسر کے نزدیک پکارنے سے معنیٰ کرنا درست نہیں۔ دوسری چیز یہ ہے کہ ''وان'' سے مراد دونوں جگہ ''نافیہ'' ہوگی ما موصولہ نہیں ہوسکتی، اگر ''اِنْ'' شرطیہ جازمہ ہوتا تو ''یَدْعُوْنَ'' کا نون اعرابی حذف ہوجاتا (334)۔

فاضل مفسر کی یہ بات معقول ہے اس لیے کہ پکارنے میں شرک کی اقسام تحدید کا شکار ہوجاتی ہیں اور ''یعبدون'' کا ترجمہ کرنے سے شرک کی معنویت اس میں سموئی جاسکتی ہے اور قابل لحاظ یہ امر بھی ہے کہ جو لوگ اپنی ناسمجھی سے بتوں کی آیتیں علماء اور اولیاء کرام پر چسپاں کرتے پھرتے ہیں ان کے فکری مغالطوں کا دھواں بھی ختم ہوسکتا ہے۔

اِنۡ: نہیں
یَدۡعُوۡنَ: وہ پکارتے، وہ عبادت کرتے
مِنۡ: سے
دُوۡنِہٖۤ: اسے چھوڑ کر
اِلَّاۤ: مگر
اِنٰثًا: مورتیوں کی، عورت نما بتوں کی اور زنانی روحیں رکھنے والے معبودوں کی
وَ اِنۡ: اور نہیں
یَدۡعُوۡنَ: وہ پکارتے اور عبادت کرتے
اِلَّا: مگر
شَیۡطٰنًا: شیطان کی
مَّرِیۡدًا: سرکش اور تباہ کار

تفسیر کا دوسرا نکتہ ''اِنٰثًا'' کا مفہوم سمجھنا ہے۔ یہ لفظ جمع ہے ''انثیٰ'' کی جو ''انث'' کے مادہ سے متخرج ہے۔ لوہا جب آگ میں گرم ہو کر نرم ہو جائے عرب کہتے ہیں ''انث الحدید'' لوہا نرم ہو گیا ہے۔ عورتوں کو بھی ''مؤنث'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ مردوں کی نسبت نرم ہوتی ہیں۔ بتوں کو ''انثا'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ حیثیت میں کمزور مخلوق ہوتے ہیں۔ انسان ہی ان کو اٹھا کر ادھر ادھر منتقل کرتا ہے، بے جان مورتیاں ہوتی ہیں جنہیں پوجا جاتا ہے اور ممکن ہے لات، عزّیٰ اور منات وغیرہ بتوں کو اللہ کی بیٹیاں تصور کرتے ہوئے مؤنث سے تعبیر کر دیا جاتا (335)۔

تفسیر و تعبیر کا تیسرا پہلو ''شَيۡطٰنًا مَّرِيۡدًا'' کی معنویت تک رسائی ہے۔

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں (336):

> شیطان وہی سرکش قوت ہے جس نے انسانی قافلوں کی بربادی کی سازشیں کرنی ہوتی ہیں اور ''مَّرِيۡدًا'' کا معنیٰ طاعت سے نکل جانا ہوتا ہے۔ ''مارد، تمرّد اور متمرد'' سب نافرمانی ہی کا معنیٰ دیتے ہیں کہ وہ دیوار جو چوروں کو روکنے سے عاری ہو جائے وہ ''حائط ممرد'' ہے، ''شجرہ مرداء'' اس درخت کو کہتے ہیں جس کے پتے گر رہے ہوں۔ یوں ہی ''امرد'' اس مرد کو کہتے ہیں کہ جس کی داڑھی سرے سے اُگی ہی نہ ہو۔ طاعت کی ہر قسم سے محرومی انسان میں '' تمرّد'' پیدا کر دیتی ہے۔

قرآنی بلاغت اور لسانی فصاحت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ مَرید کے اندر جس وقت اطاعت نہ رہے تو وہ اس شیطان کی طرح ہو جاتا ہے جس کے شجرِ وجود سے تمام صفاتِ فضیلت گر چکی ہوں۔

مفسر محقق کی یہ بات قابل توجہ ہے کہ بتوں اور شیطانوں کا ایک گروپ وہ ہے جن کی شرارت آمیز روش آہستہ آہستہ اثر چھوڑتی ہے اور دوسرا وہ ہے جو اپنی سرکشی اور طغیانی سے بربادی کی فوراً آگ لگا دیتا ہے (337)۔

❁❁❁❁❁

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾
وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَ
لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ؕ﴿۱۱۹﴾
يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾
اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾

(118) ایسے پر اللہ کی لعنت ہوئی اور کہا اس نے کہ میں تیرے بندوں میں سے مقرر حصہ ضرور لوں گا

(119) اور میں ضرور انہیں راہ حق سے بھٹکاؤں گا اور ضرور انہیں آرزوؤں میں الجھاؤں گا اور ضرور انہیں حکم دوں گا تو یقیناً وہ جانوروں کے کان چیریں گے اور میں ضرور انہیں امر کروں گا تو وہ ضرور بدل ڈالیں گے اللہ کی مخلوق کو اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بناتا ہے تو وہ کھلے نقصان میں پڑ جاتا ہے

(120) اور شیطان ان سے وعدے کرتا ہے اور جھوٹی آرزوؤں میں الجھائے رکھتا ہے اور وہ انہیں مکروفریب کے سوا کوئی وعدہ نہیں دیتا

(121) وہ ہیں کہ دوزخ کی آگ ہی ان کی آماجگاہ ہے اور وہ اس سے نکلنے کی جگہ نہ پائیں گے

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِكَ نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ۙ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمۡ وَ
لَاُمَنِّيَنَّهُمۡ وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الۡاَنۡعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلۡقَ اللّٰهِ ؕ
وَمَنۡ يَّتَّخِذِ الشَّيۡطٰنَ وَلِيًّا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَقَدۡ خَسِرَ خُسۡرَانًا مُّبِيۡنًا ؕ﴿۱۱۹﴾
يَعِدُهُمۡ وَيُمَنِّيۡهِمۡ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيۡطٰنُ اِلَّا غُرُوۡرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاۡوٰٮهُمۡ
جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوۡنَ عَنۡهَا مَحِيۡصًا ﴿۱۲۱﴾

''ایسے پر اللہ کی لعنت ہوئی اور کہا اس نے کہ میں تیرے بندوں میں سے مقرر حصہ ضرور لوں گا' اور میں ضرور انہیں راہ حق سے بھٹکاؤں گا اور ضرور انہیں آرزوؤں میں الجھاؤں گا اور ضرور انہیں حکم دوں گا تو یقیناً وہ جانوروں کے کان چیریں گے اور میں ضرور انہیں امر کروں گا تو وہ ضرور بدل ڈالیں گے اللہ کی مخلوق کو اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بناتا ہے تو وہ کھلے نقصان میں پڑ جاتا ہے اور شیطان ان سے وعدے کرتا ہے اور جھوٹی آرزوؤں میں الجھائے رکھتا ہے اور وہ انہیں مکر وفریب کے سوا کوئی وعدہ نہیں دیتا' وہ ہیں کہ دوزخ کی آگ ہی ان کی آماجگاہ ہے اور وہ اس سے نکلنے کی جگہ نہ پائیں گے''۔

مکائد شیطانی کی تصویر

قرآن مجید کی زیر تفسیر چار آیتوں میں شیطان لعین کی کریہہ تصویر بتائی گئی ہے۔ اس کے مکائد سے کاروان اُمت کو آگاہ کیا گیا ہے۔ شیطانی اہداف ومقاصد کو بوتل بند کر دیا گیا ہے۔

شیطان لعنتی ہے

شیطان کی زندگی لعنت کے حصار میں رہتی ہے۔ رحمت سے دور ہونے کو لعنت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ شیطان اور حزب الشیطان کی تباہ کاریوں اور بربادیوں کی بنیاد یہی ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے دور کر دیا گیا اور یہ لعنت کی پھٹکار اس کے غرور، تکبر اور بڑائی پر جم جانے کی وجہ سے ہے۔ ایسا ناقص، چھچھورا اور وقتی سوچوں کا بھکاری جب لعنتی ہو جائے تو وہ کسی کے لیے مفید نہیں رہتا بلکہ اس کا ہر اشارہ تباہیوں کی تپ کاری ہوتی ہے۔ ایسے وجود آگ اور آتش جہنم اگلتے ہیں۔

شیطانی دستور کا پہلا اعلان

شیطان نے ڈینگ ماری کہ میں تیرے بندوں میں سے اپنا مقرر اور معین حصہ کسی بھی جتن سے ضرور اختیار کروں گا۔ ''مَّفۡرُوۡضًا'' لفظ فرض اور فریضہ سے ماخوذ ہے۔ لغت میں اس کا معنی کسی چیز کا

مفردات

لَّعَنَهُ اللّٰهُ: اللہ نے اسے اپنی رحمت سے دور کر دیا
وَقَالَ: اور اس نے کہا
لَاَتَّخِذَنَّ: میں ضرور بالضرور پکڑوں یعنی لوں گا
مِنۡ: سے
عِبَادِكَ: تیرے بندوں میں
نَصِيۡبًا: حصہ
مَّفۡرُوۡضًا: مقرر یا معین
وَّلَاُضِلَّنَّهُمۡ: اور ضرور انہیں گمراہ کروں گا
وَلَاُمَنِّيَنَّهُمۡ: اور ضرور انہیں خواہشات میں سرگرم رکھوں گا
وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ: اور ضرور بالضرور انہیں حکم دوں گا
فَلَيُبَتِّكُنَّ: تو وہ ضرور چیریں گے
اٰذَانَ: کان
الۡاَنۡعَامِ: جانوروں کے
وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ: اور میں ضرور انہیں اپنی ماتحتی میں لوں گا
فَلَيُغَيِّرُنَّ: تو وہ تبدیل کر دیں گے
خَلۡقَ: خلقت
اللّٰهِ: اللہ کی
وَمَنۡ: اور جو
يَّتَّخِذِ: بنائے
الشَّيۡطٰنَ: شیطان
وَلِيًّا: دوست اور کارساز
مِّنۡ: سے
دُوۡنِ: کٹ کر
اللّٰهِ: اللہ سے

مفردات

فَقَدْ: تو بے شک
خَسِرَ: اس نے نقصان اٹھایا
خُسْرَانًا: خسارہ، نقصان
مُّبِيْنًا: کھلا
يَعِدُهُمْ: وہ ان سے وعدے کرتا ہے
وَيُمَنِّيْهِمْ: اور انہیں آرزوؤں میں سرگرم رکھتا ہے
وَمَا: اور نہیں
يَعِدُهُمُ: انہیں وعدے دلاتا ہے
الشَّيْطٰنُ: شیطان
اِلَّا: مگر
غُرُوْرًا: مکروفریب اور غرور
اُولٰٓئِكَ: یہی لوگ ہیں
مَاْوٰىهُمْ: ٹھکانا ہے ان کا
جَهَنَّمُ: دوزخ
وَلَا يَجِدُوْنَ: اور نہیں وہ پائیں گے
عَنْهَا: اس سے
مَحِيْصًا: فرار کی جگہ

قطع کرنا ہوتا ہے اور کسی چیز کا قطعی طور پر پایا جانا بھی ''فریضہ'' کہلاتا ہے۔نہر کے کنارے شگاف پڑ جانا ''تفریض'' ہے۔کمان کے وتر میں چمڑے کا دھاگہ بھی ''فرض'' کہلاتا ہے(338)۔اللہ کے سارے بندے شیطان کی اطاعت میں نہیں آئے۔یزید وفرعون ایسے بدبخت اور لعنتی معین ہیں جو بربادیاں مچاتے ہیں۔مفسرین نے لکھا اور وہ ہزار میں سے نوسو ننانوے ہوتے ہیں(339)۔

شیطان اللہ کے بندوں پر کوئی دسترس نہیں رکھتا یہ بعض ہوس پرست اور کمزور ارادے کے مالک لوگ ہوتے ہیں جو اس کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔

شیطان اپنا دامِ تزویر ہر وقت اللہ کے بندوں کے لیے پھیلائے رکھتا ہے اور اغوا کے طریقے پر انسانوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے(340)۔

ابن جریر طبری نے لکھا کہ یہ امورِ معصیت اور فحاشی آراستہ کرتا ہے تاکہ نفوس انسانی شہوات میں بھڑک جائیں(341)۔

شیطانی دستور کا دوسرا اعلان

شیطان انسانی قافلوں کو لوٹتا ہے اور انہیں گمراہ کرتا ہے۔بزدل، کمزور اور شہوت پرست لوگ شیطانی گمراہیوں کے پرچم بردار بن جاتے ہیں۔یہ اپنے اغوا سے نفوس کے اندر تشکیک اور شبہات کی ظلمانی پھونکیں مارتا ہے۔مظلوم اور جہول انسان ظلالتوں کے طوفانی گردابوں میں پھنس جاتے ہیں۔عقیدے مذاق بنالیے جاتے ہیں۔آزاد خیالی اور اباحت افکار و اعمال میں آگ لگا دیتی ہے۔یوں بری سوچیں انسان کو برف کی طرح پگھلا دیتی ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ گمراہ کرنے کا دعویٰ ہدایت کے راستے سے برگشتہ کرنا ہے(342)۔

کلبی مفسر شہیر کہتے تھے کہ حق سے پھیر دینا گمراہی ہے(343)۔

شیطانی کرتوتوں کی تیسری انگڑائی

شیطانی عزائم کا مرکز انسانوں کو جھوٹی تمناؤں اور جھوٹی خواہشات کا گرویدہ بنا دینا ہوتا ہے۔ناپائیدار، عارضی اور بے نتیجہ اور جھوٹی لذتوں میں انسانوں کو مبتلا کر دینا اس کا مطمع نظر رہتا ہے۔احمقانہ اور قبیح اعمال کے موہوم تصورات شیطان کی طرف سے بے شعور انسانوں کو تحفے میں ملتے رہتے ہیں۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں(344):

''امنیہ'' کا معنیٰ مطلقاً آرزو ہوتا ہے لیکن آیت میں اس

لفظ کا معنیٰ باطل آرزوئیں ہیں''۔

کلبی کہتے ہیں:

''باطل آرزوئیں اس طرح کی ہوتی ہیں کہ جنت ودوزخ کچھ نہیں اور مرنے کے بعد زندہ ہونا بھی ایک وہم ہے'' (345)۔

زجاج کہتے ہیں (346):

''دل میں یہ بات پیدا کر دیتا ہے کہ آخرت کی بہتری ان لوگوں کو ضرور ملے گی''۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ باطل آرزوؤں سے مراد معصیت زدہ تصورات ہیں (347)۔

ماوردی لکھتے ہیں کہ دنیا میں نعمتوں پر نعمتیں انسان کا حق ہے اور آخرت بھی اچھی ہوگی (348)۔

شیطانی جنگ کا چوتھا منظر

قرآن مجید نے شیطانی توہمات اور دعووں کی مختلف صورتیں بیان کی ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ شیطان نے کہا کہ میں لازمی طور پر ان لوگوں پر اپنی حکومت قائم کروں گا۔ اُمت مرحومہ میں باغیانہ روش عام ہو جائے گی اور رسوم ورواج کی زنجیریں انہیں جکڑ لیں گی اور لوگ جانوروں کے کان چیریں گے اور شرک کی راہیں تلاش کرنے لگ جائیں گے (349)۔

''بتک'' کا معنیٰ قطع کرنا اور چیرنا ہوتا ہے۔ ''سیف باتک'' کاٹنے والی تلوار کو کہتے ہیں۔ ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ''تبتیک'' ہوتی ہے۔ واحدی کہتے ہیں کہ بتوں کے نام پر جو جانور چھوڑ دیے جاتے ہیں اور نشانی کے لیے ان کے کان چیر دیے جاتے ہیں۔ قرآن مجید نے ''بحیرہ'' وغیرہ نام بھی لکھے ہیں (350)۔

فخر الدین رازی لکھتے ہیں (351):

''کفار اور مشرکین کا طریقہ تھا کہ جب ان کے ہاں کوئی اونٹنی پانچ بچے جنے اور پانچواں نر ہو تو اسے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے اور اس سے نفع حاصل کرنا اپنے اوپر حرام کر لیتے اور ایسے جانوروں کے کان چیر دیتے۔ یہ بت پرستی کی ایک قبیح قسم ہے''۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

مفسرین نے لکھا کہ ''البحر'' کا معنیٰ چیرنا پھاڑنا ہوتا ہے۔کانوں کا چیرنا ''البحیرہ'' سے لیا گیا ہے۔جب اونٹنی دس بچے جنم دے دیتی تو اونٹنی کے کان چیر کر اسے ''بحیرہ'' بنا دیتے۔اصل قباحت یہ ہے کہ کافر حلال اور حرام اپنی مرضی سے قرار دیتے۔شریعت نے ان گندی رسموں سے منع کر دیا (352)۔

شیطانی تعلیوں کا پانچواں روپ

اور میں ضرور انہیں حکم دوں گا کہ وہ اللہ کی خلقت میں تبدیلی کر دیں، یہ ایک ایسا وسعت مآب جملہ ہے جو معانی کثیرہ پر حاوی اور محیط ہے۔اس فقرہ میں دین کے اندر تبدیلیاں پیدا کرنے کی طرف اشارہ ہے اور فطرت کو مسخ کرنے کی طرف اشارات موجود ہیں۔

امام فخر الدین رازی نے زجاج سے یہ نقل کیا ہے کہ اللہ کی خلق کو تبدیل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے چوپائے پیدا کیے کہ لوگ ان پر سوار ہوں اور ان کا گوشت کھائیں لیکن انہوں نے بعض جانوروں کو بحیرہ بنا کر اور بعض کو سائبہ اور وصیلہ بنا کر اپنے اوپر حرام قرار دے دیا ہے یہ خلق بگاڑنے والی بات ہے (353)۔

تفسیر خازن نے یہ لکھا کہ خلقت تبدیل کرنے سے مراد یہ ہے کہ سورج، چاند، ستارے، آگ اور پتھر لوگوں کے نفع کے لیے پیدا کیے گئے لیکن لوگوں نے ان کی پوجا شروع کر دی (354)۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چہرے پر مارنے اور داغ لگانے سے منع کیا اس لیے کہ یہ بھی خلقت میں بگاڑ پیدا کرنا ہے (355)۔

حضرت اسمأ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، عرض کی یا رسول اللہ! میری بیٹی کو دلہن بنایا جا رہا ہے لیکن اس کے سر کے بال آبلوں کے زخم کی وجہ سے گر چکے ہیں۔کیا میں اس کے بچے ہوئے بالوں کے ساتھ مزید بال ملا لوں؟ اس پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کی لعنت ہے ان پر جو بالوں سے بال ملائے یا بال ملوائے'' (356)۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ہے (357):

> ''اللہ کی لعنت ہو رنگ بھرنے والی اور بھروانے والی عورتوں پر اور لعنت ہو ابروؤں سے بال نوچنے والی اور نوچوانے والی عورتوں پر اور اللہ کی لعنت ہو حسن کے لیے دانتوں میں جھری بنانے والیوں پر، یہ سب اللہ کی خلقت بدلنے والی ہیں''۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

یہ حدیث پڑھ کر داڑھی منڈوانے والوں کا حکم اخذ کیا جا سکتا ہے۔

واللہ اعلم

غلط پناہ گاہوں کا انتخاب

وہ شخص جو اللہ کو چھوڑ کر شیطانی مورچوں میں پناہ لیتا ہے وہ کھلے خسران اور نقصان کا مرتکب ہوتا ہے۔ شیطانی ولایت اور دوستی تباہی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یہ ایسی سمندری غار ہے جو کسی وقت بھی پانی سے بھر سکتی ہے۔ تباہیوں کی اور ظلمتیں نہ بھی ہوں تو ایمان اور خدائی مددوں سے محرومیاں بھی موت ہیں۔

شیطانی آرزوؤں کا جہاں خوشنما نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں سانپ کی رنگتیں ہیں جس نے اسے ملفوف کیا ہوتا ہے۔

علامہ نسفی لکھتے ہیں کہ دلوں کے اندر شیطان اپنی وسوسہ زنی سے نظریاتی نقصانات کا زہر عام کرتا رہتا ہے(358)۔

''غرور''لفظ کی لغوی تشریح شیطانی مکائد کو سمجھنے میں مدد دے سکتی ہے(359)۔

''غرور''اگر''غرہ''کی ضمّہ سے ہو تو معنیٰ دھوکہ دینا اور باطل کی طرف رغبت دلانا ہوتا ہے اور یہ لفظ اگر''غرارہ''سے ہو یعنی غین کی زبر سے اسے پڑھا جائے تو معنیٰ ہوتا ہے عقل مند ہونے کے بعد بے ہوش، غافل اور بے سرّت بچہ کی طرح ہو جانا ہے۔ چہرے کے حسین ہو جانے کو بھی''غرّ''سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ آیت میں اشارہ شیطان کے معصوم شکل بنا کر لوٹنے کی طرف ہے۔''غرغرارہ''گلے میں پانی ڈال کر تھوڑی دیر کے لیے سانسیں روک لینا ہوتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ کام کو معقول طریقے سے نہ نبھانا۔

شیطانی دوستی کی بے رحم سزا

وہ لوگ جنہوں نے شیطان کو اپنا کارساز بنالیا اور اس کے پھندوں میں جکڑ لیے گئے ان کی سزا نارِ جہنم ہے۔ وہ اس آگ سے بچ کر نکل نہیں سکیں گے۔ ان کی سزا بھٹی بند ہوگی یعنی آگ میں بند کر کے انہیں جلا کر بھسم کر دیا جائے گا۔

علامہ فخر الدین رازی''محیص''لفظ کی تشریح لکھتے ہیں۔''محیص''اسم ظرف ہے یا مصدرِ میمی اس اعتبار سے معنیٰ ہٹنا، الگ ہونا اور بچنا ہوتا ہے اور''محیص''وہ جگہ ہوگی جو بچا کر ٹھکانہ دے دے۔ قرآن مجید کہتا ہے غرور کے نشے میں شیطانی دوستی کا جو سہارا لیتے ہیں وہ آتش جہنم سے بچ کر کہیں جا نہیں سکیں گے(360)۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ
مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾
لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ
بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾
وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ
يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

(122) اور جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے عنقریب ہم انہیں قابل نظارہ باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ہمیشہ کے لیے انہی میں رہیں گے یہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور قول میں اللہ سے بڑھ کر کون سچا ہے

(123) نہ تمہاری آرزوؤں اور نہ اہل کتاب کی ہوس پر کام بنے گا جو برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا اور وہ اللہ کے سوا اپنے لیے کوئی حمایتی اور مددگار نہ پائے گا

(124) اور جو بھلائی کے کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور ہو ایمان والا تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر تل برابر ظلم نہیں کیا جائے گا

مفردات

وَالَّذِيۡنَ: اور وہ جو
اٰمَنُوۡا: ایمان لائے
وَعَمِلُوا: اور عمل کیے
الصّٰلِحٰتِ: اچھے اور نیک
سَنُدۡخِلُهُمۡ: عنقریب ہم داخل کریں گے انہیں
جَنّٰتٍ: باغات میں
تَجۡرِيۡ: رواں ہیں
مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ: ان کے نیچے سے نہریں
خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ: ہمیشہ رہنے والے ان میں
اَبَدًا: ابد تا ابد
وَعۡدَ اللّٰهِ: اللہ کا وعدہ ہے
حَقًّا: پکا
وَمَنۡ: اور کون
اَصۡدَقُ: زیادہ سچا
مِنَ اللّٰهِ: اللہ سے
قِيۡلًا: کسی بات میں

لَيۡسَ: نہیں
بِاَمَانِيِّكُمۡ: تمہاری آرزوؤں پر
وَلَاۤ: اور نہ
اَمَانِيِّ: آرزو
اَهۡلِ: اہل
الۡكِتٰبِ: کتاب
مَنۡ: جو
يَّعۡمَلۡ: عمل کرے گا
سُوۡٓءًا: برے
يُّجۡزَ: بدلہ ملے گا
بِهٖ: اس کا

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِيۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ
خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيۡلًا ﴿۱۲۲﴾

''اور جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے عنقریب ہم انہیں قابل نظارہ باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ہمیشہ کے لیے انہی میں رہیں گے یہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور قول میں اللہ سے بڑھ کر کون سچا ہے''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں ایمان کی فضیلت اور اعمال صالحہ کی عظمت بیان کی گئی ہے اور خوبصورت اعلان کیا گیا ہے کہ ثواب اور عتاب کا دارومدار خواہشات نفس پر نہیں ہوتا بلکہ ایک دائمی اور مستقل قانون کی فرمان روائی ہوتی ہے۔

''اعمال صالحہ'' کا خزانہ ادھر ہی مؤثر ہوسکتا ہے جہاں اللہ کی بندگی کا جذبہ موجود ہو اور سنت کی زندگی میں پوشش محسوس ہو اور یہ بھی کہ گزشتہ آیات کے اندر جو شیطانی ''جکڑ بندیاں'' شیطانی معمولات کی صورت میں نظر آئی ہیں اعمال ان تمام قسم کی گندگیوں سے محفوظ ہیں پھر اعمال کے صالحہ بننے کی بہار محسوس ہوگی۔ جزائے اعمال میں جنت میں داخلہ محلِ نعمت میں بیان ہوا اور کہا گیا کہ جنت میں قیام ابدی خلود سے آراستہ ہوگا۔

ابد زمانے کا وہ حصہ ہوتا ہے جو ختم نہ ہو، اس کی تقسیم نہ ہو اور اس کے اجزا نہ نکلیں۔ ابد میں منتہی نہیں ہوتا اور زمانے میں وقت کے ختم ہونے کی انتہا متعین ہوتی ہے (361)۔

لَيۡسَ بِاَمَانِيِّكُمۡ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ ؕ مَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا يُّجۡزَ بِهٖ ۙ وَلَا
يَجِدۡ لَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ﴿۱۲۳﴾

''نہ تمہاری آرزوؤں اور نہ اہل کتاب کی ہوس پر کام بنے گا جو برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا اور وہ اللہ کے سوا اپنے لیے کوئی حمایتی اور مددگار نہ پائے گا''۔

شان نزول کی پہلی روایت

یہ خطاب اہل مکہ کو ہے وہ کہتے تھے قیامت آنی ہے اور نہ ہی زندہ ہو کر اٹھنا ہے۔ ہمارے بت اللہ کے ہاں ہماری شفاعت کریں گے۔ اس کے مقابلے میں اہل کتاب کہتے تھے: ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں، جنت میں ہرگز کوئی داخل نہ ہوگا مگر وہ جو یہودی یا نصرانی ہوا۔ قرآن حکیم نے ان سب کے لیے اصلاح کا پیغام دیا کہ نجات خواہشات اور آرزوؤں پر نہیں ہوگی بلکہ اس کا دارومدار ایمان پر ہوگا (362)۔

مفردات

وَلَا: اور نہ
يَجِدۡ لَهٗ: پائے گا اپنے لیے
مِنۡ: سے
دُوۡنِ اللّٰهِ: اللہ کے سوا
وَلِيًّا: کوئی دوست
وَّلَا: اور نہ
نَصِيۡرًا: مددگار

''امانی'' کی تشریح

''امانی''، جمع ہے ''امنیه'' کی۔ ہمزہ پر ضمہ ہے۔ اصل میں یہ ''امنوية'' تھا۔ واؤ اور یا ایک کلمہ میں جمع ہوئیں۔ پہلا حرف ساکن تھا واؤ کا یا میں اور یا کا ''یا'' میں ادغام ہوا اور ماقبل کو کسرہ دیا یوں ''امنیه'' ہو گیا۔ ''امنی'' کا مطلب یہ ہوتا ہے کسی چیز کو دل میں بٹھائے رکھنا اور کسی کی تصویر کو دل میں جما لینا۔ تفسیر خازن نے یہی لکھا (363)۔

شان نزول کی دوسری روایت

ایک مرتبہ چند مسلمانوں کی اہل کتاب میں سے کسی کے ساتھ بحث ہو گئی۔ وہ کہنے لگے: ہمارے انبیاء پہلے مبعوث ہوئے، ہماری کتابیں تمہاری کتاب سے مقدم اتریں اور ہم لوگ اللہ کے لاڈلے ہیں۔ مسلمانوں میں بھی خود پسندی یا حقیقت کی لہر اٹھی اور کہا: ہمارے آقا خاتم الانبیاء ہیں، ہماری کتاب ناسخ اور یہ ہے اور وہ ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (364)۔

حسن بصری رضی اللہ عنہ کا موقف

حضرت فرماتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق صرف کفار سے ہے (365)۔ استدلال کی وجہ یہ بیان کی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسا شخص نہیں پائے گا اپنے لیے کوئی حمایتی اور مددگار۔ یہ صورت حال کافر ہی کے ساتھ پیش آئے گی مسلمانوں کا تو ولی بھی ہوتا اور مددگار بھی، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۫ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيۡرًا

''کافی ہے اللہ ان کا حمایتی اور کافی ہے اللہ ان کا مددگار''۔

معالم التنزیل کی دلچسپ روایت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے ابوبکر! کیا میں تمہیں وہ آیت کریمہ نہ پڑھ کر سناؤں جو مجھ پر ابھی نازل ہوئی''

میں نے عرض کیا کیوں نہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ آیت پڑھ کر سنائی

آپ فرماتے ہیں:

مجھے یہ نہیں معلوم کہ میں نے کیسے یہ پایا کہ میری پیٹھ کی ہڈی ٹوٹ رہی ہے۔

مفردات

میں نے انگڑائی لی تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تمہیں کیا ہو گیا؟
اے ابوبکر؟
میں نے عرض کی:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
ہم میں سے کون شخص ہو گا جس سے کوئی خطا نہ ہو گی کیا ہمیں ہر غلطی کی سزا دی جائے گی۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''تمہیں اور تمہارے مومن ساتھیوں کو دنیا میں ہی بدلہ دے دیا جائے گا۔ جب تم ربّ سے ملاقات کرو گے تو تمہارے گناہ بالکل بھی نہیں ہوں گے جبکہ دوسرے لوگوں کے اعمال کا بدلہ قیامت کے دن دیا جائے گا'' (366)۔

وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَھُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ وَلَا یُظۡلَمُوۡنَ نَقِیۡرًا ﴿۱۲۴﴾

''اور جو بھلائی کے کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور ہو ایمان والا تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر تل برابر ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

اسلام میں افراد کی قدر و قیمت دعووں اور آرزوؤں سے مربوط نہیں ہے بلکہ ایمان اور اعمال صالحہ سے وابستگی ہے۔ اسلام کی یہ بنیاد ثابت ہے، مسلّمہ ہے اور اٹل حقیقت ہے بلکہ اسے قانون کی حیثیت حاصل ہے۔ مرد ہو یا عورت، قبیلہ سودت مآب ہو یا سیادت مآب، قدت طولانی ہو یا قصیرانی ہو، دست کشادہ ہو یا ضیقانی ہو، فضیلتوں کی بنیاد ایمان و عمل سے ارتباط ہے۔

''مِنَ'' تبعیضیہ کی بحث

''مِنَ الصّٰلِحٰتِ'' میں ''مِنَ'' تبعیضیہ ہے، اس لیے کہ صالحات اور احسانات کی جمیع اقسام ہر وقت ہر شخص کی دسترس میں نہیں ہوتیں۔ کوئی حج کر سکتا ہے اور کوئی ایک میل سفر کا توشہ بھی نہیں رکھ پاتا۔ کوئی نماز پڑھ سکتا ہے اور کسی پر نماز ادا واجب ہی نہیں ہوتی۔ روزے رکھنے کی کسی میں طاقت ہوتی ہے اور کوئی شیخ فانی ہونے کی بنا پر روزہ تو دور کی بات ہے ایک گھنٹہ بھی بھوکا نہیں رہ سکتا۔

قرآن مجید میں درِ انصاف اور روزنِ عدل کھول دیا گیا اور کہا کہ بھلائیاں کل کی کل حاصل نہ بھی ہوں فرض، واجب اور سنت پر عمل حاصل ہو جائے تو بھی نیکیوں میں طاقت ہوتی ہے کہ وہ جنت کے

وَ: اور
مَنۡ: جو
یَّعۡمَلۡ: عمل کرتا ہے یا عمل کرے گا
مِنَ: سے
الصّٰلِحٰتِ: بھلے کام
مِنۡ: سے
ذَکَرٍ: مذکر ہو یا نر ہو یا مرد ہو
اَوۡ: یا
اُنۡثٰی: عورت ہو
وَ: اور
ھُوَ: وہ
مُؤۡمِنٌ: ایمان والا
فَاُولٰٓئِکَ: اور یہی لوگ ہیں
یَدۡخُلُوۡنَ: داخل ہوں گے
الۡجَنَّۃَ: جنت میں
وَلَا: اور نہ
یُظۡلَمُوۡنَ: ظلم کیے جائیں گے
نَقِیۡرًا: تل برابر یا ذرہ بھر

دروازے کھول دیتی ہیں(367)۔

''نقیر'' کا معنی

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں(368):

''کھجور کی پیٹھ میں چھوٹا سا سفید حصہ ''نقیر'' کہلاتا ہے۔ یہی وہ سفید حصہ ہوتا ہے جس سے کھجور کا درخت اُگتا ہے۔ اس اعتبار سے جملہ میں ''نقیر'' کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کھجور کی پیٹھ پر سفید حصہ کے برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ یہاں کھجور سے مراد کھجور کی گٹھلی ہے''۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں(369):

اس ''نقیر'' سے تشبیہہ میں چھوٹا ہونا مراد ہے کہ اعمال کے ثواب میں معمولی چیز کی کمی نہیں ہو گی۔ اس سے خود بخود یہ پتہ چل گیا کہ ثواب میں اگر کمی نہ ہوگی تو سزا میں زیادتی بھی ہرگز نہ ہوگی۔

❁❁❁❁❁

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ
اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾
وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع
وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ
فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ
تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا
لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

(125) اور جو شخص اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکا دے اس سے بہتر کس کا دین ہے اور پھر جو نیکوکار مخلص بھی ہو اور ابراہیم کے ممتاز اور خالص دین کا پیرو ہو اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا گہرا دوست بنایا

(126) اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے

(127) اور آپ سے عورتوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں فرمایئے! اللہ تمہیں ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اور وہ جو تم پر کتاب میں پڑھا جاتا ہے ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں جن کے حقوق تم ادا نہیں کرتے اور رغبت رکھتے ہو کہ ان سے تم شادی کرلو اور کمزور بچوں کے بارے میں اور یہ کہ یتیموں کے حق میں عدل وانصاف پر قائم رہو اور تم بھلائی سے جو بھی کروگے تو اللہ اسے خوب جاننے والا ہے

وَمَنۡ اَحۡسَنُ دِیۡنًا مِّمَّنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ
حَنِیۡفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبۡرٰهِیۡمَ خَلِیۡلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ
وَکَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطًا ﴿۱۲۶﴾

''اور جو شخص اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکا دے اس سے بہتر کس کا دین ہے اور پھر جو نیکوکار مخلص بھی ہو اور ابراہیم کے ممتاز اور خالص دین کا پیرو ہو اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا گہرا دوست بنایا اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے''۔

دین کو ناک سے سونگھنے والے لوگ ہمیشہ غلط فہمیوں کا شکار رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی خواہش رہتی ہے کہ اللہ کی مخلوق ان کے ہاتھوں پر ہمیشہ صاف پانی ڈال کر ان کا ہر اچھا بُرا تسلیم کیے رکھے۔

قرآن مجید کی زیر تلاوت و کتابت دو آیتوں میں کھلے، واضح اور واشگاف اسلوب میں کہہ دیا گیا کہ دین اسلام کی برتری تمام ادیان پر مسلّمہ ہے اور یہ صرف متعصّبانہ اندازِ تکلم نہیں دلائل اور تاریخی ادراکات سے ثابت اور مثبت ہے۔

آیت کا استفہامیہ اسلوب تاکیدات کی برجستگی پیدا کرتا ہے اور اسلام پر بحیثیت دین یقین محکم کی معراج ہو جاتی ہے۔

آیت میں تین چیزوں کو اسلامی برتری کی بنیاد بنایا گیا ہے:

- پہلی چیز کامل تفویض ہے اللہ کے سامنے سر جھکانا ہے۔''وجہ'' لغوی اعتبار سے چہرہ ہوتا ہے، چونکہ ادراکات اور معقولات کا ہر محسوسہ چہرے ہی میں ہوتا ہے اس لیے یہ لفظ انسانی ذات کا مکمل عکاس ہو جاتا ہے۔ اللہ کے سامنے چہرہ جھکانے کا مطلب اللہ کے حضور مکمل سپردگی ہے۔
- دوسری چیز محسن ہونا ہے۔ احسان کیا ہے؟ یہ ضروری چیز جاننا حضور ﷺ کے الفاظ سے زیادہ ممکن ہے

  آپ نے فرمایا:

  ''احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے''۔

مفردات

وَمَنۡ: اور کون؟
اَحۡسَنُ: زیادہ بہتر ہے
دِیۡنًا: دین کے اعتبار سے
مِّمَّنۡ: اس شخص سے جو
اَسۡلَمَ: اسلام لایا، ایمان لایا، جھکایا
وَجۡهَهٗ: اپنے چہرے کو
لِلّٰهِ: اللہ کے لیے، اللہ کے سامنے
وَهُوَ: اور وہ
مُحۡسِنٌ: نیکوکار بنا یا خلوص سے قبول کیا
وَّاتَّبَعَ: اور پیروی کی
مِلَّةَ: دین
اِبۡرٰهِیۡمَ: ابراہیم
حَنِیۡفًا: یکسو ہو کر
وَاتَّخَذَ: اور بنا لیا
اللّٰهُ: اللہ
اِبۡرٰهِیۡمَ: ابراہیم
خَلِیۡلًا: دوست
وَلِلّٰهِ: اور اللہ کے لیے
مَا: جو
فِی: بیچ
السَّمٰوٰتِ: آسمانوں
وَمَا: اور جو
فِی الۡاَرۡضِ: زمین میں
وَکَانَ: اور ہے
اللّٰهُ: اللہ
بِکُلِّ شَیۡءٍ: ہر ایک چیز پر
مُّحِیۡطًا: احاطہ کرنے والا

محسن ہونے کے لیے بھی اسلاف نے چار چیزیں ضروری قرار دیں: پہلی چیز خلوص کا ہونا، دوسری چیز حسن نیت کا ہونا، تیسری چیز توجہ میں تفویض کا ہونا اور چوتھی چیز عمل کا سنت کے مطابق ہونا ہے(370)۔

- اسلامی دینی برتری کے لیے تیسری چیز قرآن حکیم نے ملت ابراہیمی کی پیروی کرنا بیان کیا ہے۔ملت کا معنیٰ دین ہوتا ہے۔عام طور پر ملت کی اضافت اللہ کی طرف نہیں ہوتی جبکہ دین کی نسبت اللہ اور پیغمبروں سب کی طرف ہوسکتی ہے۔ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسبت کا مطلب ابراہیم علیہ السلام کا اللہ کا خلیل ہونا بیان ہوا ہے۔

خلیل کا معنیٰ ومفہوم

خلیل فعیل کے وزن پر ہے۔ یہ اگر ''فاعل'' کے معنیٰ میں ہوتو مطلب محبّ ہوگا۔ ہر وہ شخص جو ٹوٹ کر محبت کرے اور اگر یہ اسمِ مفعول کے معنوں میں ہے تو پھر مطلب محبوب ہونا ہوگا۔

''الخلَ'' اس راستے کو کہتے ہیں جو ریگ زار کے اندر تک جاتا ہو(371)۔

دو چیزوں کے درمیان کشادگی کو ''خلل یا خلال'' کہہ دیتے ہیں۔ درمیان کی جگہ کو ''خلال'' کہتے ہیں۔''خلال الدیار'' کا معنیٰ گھروں کے درمیان کی جگہ ہوتی ہے(372)۔

کسی چیز میں سوراخ کر کے آر پار ہوجانا۔''خلہ'' دوستی اور محبت ہوتی ہے چونکہ دوست بھی ایک دوسرے کے دلوں میں گھسے ہوتے ہیں اس لیے ان کے رشتۂ محبت کو ''خلت'' سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ ''الاخلاء'' باہمی دوستی کی تعبیر ہوتی ہے(373)۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلت سے نوازا۔ بزرگ لکھتے ہیں کہ یہ اس لیے تھا کہ وہ خود غیر اللہ سے سوال نہیں کرتے تھے اور خود سائل کو کبھی محروم نہیں کرتے تھے۔ یہ بھی لکھا گیا کہ آپ کو یہ فضیلت زیادہ سجدے کرنے، بھوکوں کو کھانا کھلانے، رات کی تاریکی میں مناجات اور اطاعت میں کوشاں رہنے کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ زجاج نے لکھا کہ ''خلیل'' وہ ہوتا ہے جس کی محبت میں خلل نہ ہو(374)۔

آلوسی لکھتے ہیں کہ خلت محبت کی محض ایک قسم ہے۔قرب کا سب سے اعلیٰ منصب محبت ہے یہ جسے عطا کر دے وہ حبیب ہوتا ہے(375)۔

آیت میں خلوص ومحبت کے بعد آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ کے لیے ہونا بیان ہوا یہ اشارہ اس طرف تھا کہ اللہ کا خلیل ہو یا حبیب کائنات کی ہر چیز اس کی مٹھی میں ہے۔وہ اللہ کی عطا سے ہر میدان میں باریاب ہوتا ہے۔

مفردات

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ: اور وہ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں
فِیْ: بیچ
النِّسَآءِ: عورتوں
قُلِ: فرمائیے
اللّٰهُ: اللہ
يُفْتِيْكُمْ: تمہیں فتویٰ دیتا ہے
فِيْهِنَّ: ان کے بارے میں
وَمَا: اور جو
يُتْلٰى: پڑھا جاتا ہے
عَلَيْكُمْ: تم پر
فِي الْكِتٰبِ: کتاب میں یعنی قرآن میں
فِیْ: بیچ، میں
يَتٰمَى: یتیم لڑکیاں
النِّسَآءِ: عورتیں
الّٰتِیْ: وہ جو
لَا: نہ
تُؤْتُوْنَهُنَّ: دیتے ہو تم انہیں
مَا: جو
كُتِبَ: مقرر ہے، لکھ دیا گیا ہے
لَهُنَّ: ان عورتوں کے لیے
وَتَرْغَبُوْنَ: اور تم رخ پھیرتے ہو
اَنْ: یہ کہ
تَنْكِحُوْهُنَّ: تم ان سے نکاح کرو
وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ: اور بہت زیادہ کمزور
مِنَ الْوِلْدَانِ: بچوں میں سے
وَاَنْ: اور یہ کہ
تَقُوْمُوْا: قائم رہو
لِلْيَتٰمٰى: یتیموں کے حق میں

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ۝۱۲۷

''اور آپ سے عورتوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں فرمائیے! اللہ تمہیں ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اور وہ جو تم پر کتاب میں پڑھا جاتا ہے ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں جن کے حقوق تم ادا نہیں کرتے اور رغبت رکھتے ہو کہ ان سے تم شادی کرلو اور کمزور بچوں کے بارے میں اور یہ کہ یتیموں کے حق میں عدل وانصاف پر قائم رہو اور تم بھلائی سے جو بھی کرو گے تو اللہ اسے خوب جاننے والا ہے''۔

فتویٰ کیا ہے؟

فتویٰ کا مادہ ''فا، تا اور یا'' (ف ت ی) ہے۔ اس کا اساسی معنیٰ جوانی، تازگی اور مضبوط ہونا ہوتا ہے۔

''الفتی'' نوجوان کو کہتے ہیں (376)۔

لا فتیٰ الا علی و لا سیف الا ذو الفقار

وفادار خادم اور خدمت گزار ساتھی کو ''فتیٰ'' سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ ابن فارس لکھتے ہیں کہ بنیادی طور پر اس لفظ کے دو معنیٰ ہوتے ہیں (377):

1۔ تازگی اور نیا ہونا، شباب کا مفہوم اسی سے ہے۔

2۔ فتویٰ کا معنیٰ فیصلہ کرنا اور حکم کو خوب واضح کر دینا بھی ہوتا ہے۔

''افتی'' کسی بات کا حکم بیان کر دینا ہوتا ہے۔ فتویٰ دینا کسی سوال کا جواب دینا ہوتا ہے۔ سوالوں کا جواب دینے کے لیے علمی قوت اور تازگی ضروری ہوتی ہے (378)۔

''الفتوہ'' سخاوت اور کرامت کے لیے استعمال ہوتا ہے (379)۔

مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ شیخ فان نہ ہو۔

مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ علمی لحاظ سے مضبوط ہو۔

مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ کمزور نہ ہو۔

مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ سخی اور کریم ہو، کنجوس، لالچی اور بخیل نہ ہو۔

مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ فتویٰ دیتے ہوئے پریشان نہ ہو بلکہ تازہ طبیعت ہو۔

مفردات

بِالۡقِسۡطِ: انصاف پر
وَمَا: اور جو
تَفۡعَلُوۡا: کرو تم
مِنۡ خَیۡرٍ: بھلائی سے
فَاِنَّ اللّٰهَ: تو بے شک اللہ
كَانَ بِهٖ: ہے ساتھ اس کے
عَلِیۡمًا: بہت زیادہ علم رکھنے والا

آیت کی تفسیر

تفسیر ابن جریر میں ہے(380):

''اسلام سے پہلے دورِ جہالت میں وراثت کے حق دار صرف بالغ مرد سمجھے جاتے تھے چھوٹے بچوں کو اور بعض قبائل میں عورتوں کو وراثت سے محروم کر دیا جاتا۔ قرآن میں جب احکامِ میراث نازل ہوئے تو لوگ ذہناً بٹ گئے اور مشکوک الذہن ہو گئے کہ جو بچے مال سنبھال ہی نہیں سکتے اور عورتیں جن کا اقتصاد میں کوئی کردار ہی نہیں ہوتا انہیں بھی میراث کا حقدار بنا دیا گیا۔ شدت سے انتظار تھا شاید کوئی نیا حکم نازل ہو جائے لیکن اس آیت کے نزول نے معاملات کو اور مؤکد کر دیا کہ احکام وہی ہیں جو نازل ہو چکے اب تم اپنی عملی اور اقتصادی زندگی انہی اصولوں پر استوار کرو''۔

عصرِ جاہلیت میں نکاح کی صورتیں

عرب آبادی مختلف طبقات پر مشتمل تھی اور ہر طبقے کے حالات دوسرے سے مختلف تھے۔ اشراف میں عورت اور مرد کا تعلق خاصہ ترقی یافتہ تھا۔ ہاشمیوں کے قبائل میں زنا سے اولاد پیدا کرنے کو بُرا سمجھا جاتا۔ نکاح کی جائز صورتیں ان میں مروّج تھیں۔ یہ لوگ بلاشبہ جاہلانہ طرزِ حیات کے خوگر تھے لیکن ایمان نے انہی لوگوں کے بارے میں لکھا۔ تمدن کی تاریخ میں کوئی بھی حسین و جمیل بات نہیں ملتی جسے ہاشمیوں کے قدیم طرزِ حیات سے بہتر کہا جا سکے۔ دوسرے طبقات اور قبائل میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط بے حیائی اور فحش کاری پر ہوتا ہے۔ نکاح اور شادی بھی سوائے رسوائی کے اور کچھ نہ تھی (381)۔

عورتوں کا استحصال

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں (382):

''اگر کوئی یتیم لڑکی کسی شخص کی کفالت میں ہوتی اور وہ حسن و جمال بھی رکھتی ہوتی تو اس کا ولی اس سے زبردستی نکاح کر لیتا اور اسے مہر وغیرہ بھی نہ دیتا۔ اس پر اللہ نے

یتیم لڑکیوں سے انصاف کرنے کا حکم نازل کیا اور کہا کہ
اگر تم یتیم لڑکیوں سے انصاف نہیں کر سکتے تو ان کے
بجائے دوسری عورتوں سے شادی کرو جو بھی تمہیں پسند
ہوں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق عورت اگر حسین وجمیل نہ ہوتی تو ولی کہیں بھی اس کو شادی نہ کرنے دیتا اور اس کے مرنے کے بعد میراث پر قبضہ جما لیتا۔ اس پر کہا گیا کہ تم یتیم لڑکیوں سے نکاح کی رغبت بھی رکھتے ہو اور انہیں ان کا حق بھی نہیں دینا چاہتے۔ انہیں مہر اور میراث سے محروم کر دیتے ہو یہ صریح ظلم ہے (383)۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

وَ اِنِ امۡرَاَةٌ خَافَتۡ مِنۡۢ بَعۡلِهَا نُشُوۡزًا اَوۡ اِعۡرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ
اَنۡ يُّصۡلِحَا بَيۡنَهُمَا صُلۡحًا ؕ وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ ؕ وَ اُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ
الشُّحَّ ؕ وَ اِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ﴿۱۲۸﴾
وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِيۡلُوۡا
كُلَّ الۡمَيۡلِ فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ ؕ وَ اِنۡ تُصۡلِحُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ
كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۱۲۹﴾
وَ اِنۡ يَّتَفَرَّقَا يُغۡنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنۡ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيۡمًا ﴿۱۳۰﴾

(128) اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے زیادتی یا اعراض برتنے کا خوف محسوس کرے تو ان دونوں پر کوئی حرج نہیں کہ آپس میں تدبیر صلح کریں اور صلح ہی میں بھلائی ہے اگرچہ دلوں میں جذبوں کی گھٹن تو رہتی ہی ہے اور اگر تم نیکی کرو اور تقویٰ اپناؤ تو بے شک اللہ جو تم کرو گے اس سے باخبر ہے

(129) اور تم ہرگز استطاعت نہ پاؤ گے کہ عورتوں کے درمیان عدل کرسکو چاہے کتنی ہی کوشش کرو یہ نہ کرو کہ پوری طرح ایک ہی طرف جھک جاؤ اور چھوڑ دو ایسے جیسے کوئی لٹکنے والی چیز ہوتی ہے اور اگر تم خیر خواہی کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

(130) اور اگر وہ دونوں الگ الگ ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی کشائش سے بے نیازی عطا فرما دے گا اور اللہ بڑی وسعت اور حکمت والا ہے

مفردات

وَ اِنِ: اور اگر
امۡرَاَۃٌ: عورت
خَافَتۡ: اندیشہ رکھے
مِنۡۢ: سے
بَعۡلِہَا: اپنے شوہر سے
نُشُوۡزًا: سختی، نفرت اور تنگی
اَوۡ: یا
اِعۡرَاضًا: بے رخی، روگردانی
فَلَا: تو نہیں
جُنَاحَ: گناہ
عَلَیۡہِمَاۤ: ان دونوں پر
اَنۡ: یہ کہ
یُّصۡلِحَا: باہم صلح کرلیں
بَیۡنَہُمَا: اپنے درمیان
صُلۡحًا: صلح
وَ الصُّلۡحُ: مصالحت اور صلح
خَیۡرٌ: بہتر ہے
وَ اُحۡضِرَتِ: اور ڈالی گئی، رکھی گئی، موجود کی گئی
الۡاَنۡفُسُ: نفسوں میں
الشُّحَّ: گھٹن، خودغرضی اور خود پرستی
وَ اِنۡ: اور اگر
تُحۡسِنُوۡا: تم اخلاص اختیار کرو
وَ تَتَّقُوۡا: اور تقویٰ اپناؤ
فَاِنَّ اللّٰہَ: تو بے شک اللہ
کَانَ: ہے
بِمَا: ساتھ
تَعۡمَلُوۡنَ: جو تم کرتے ہو
خَبِیۡرًا: خبردار

وَ اِنِ امۡرَاَۃٌ خَافَتۡ مِنۡۢ بَعۡلِہَا نُشُوۡزًا اَوۡ اِعۡرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡہِمَاۤ اَنۡ یُّصۡلِحَا بَیۡنَہُمَا صُلۡحًا ؕ وَ الصُّلۡحُ خَیۡرٌ ؕ وَ اُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ ؕ وَ اِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَ تَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ﴿۱۲۸﴾

''اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے زیادتی یا اعراض برتنے کا خوف محسوس کرے تو ان دونوں پر کوئی حرج نہیں کہ آپس میں تدبیر صلح کریں اور صلح ہی میں بھلائی ہے اگرچہ دلوں میں جذبوں کی گھٹن تو رہتی ہی ہے اور اگر تم نیکی کرو اور تقویٰ اپناؤ تو بے شک اللہ جو تم کروگے اس سے باخبر ہے''۔

شانِ نزول

حضرت سعید ابن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد بن مسلمہ کی بیٹی حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ حضرت رافع نے محسوس کیا کہ ان کی بیوی کے رویہ میں درشتگی ہے تو ارادہ کرلیا کہ اسے وہ طلاق دے دیں، بیوی نے کہا: آپ مجھے طلاق نہ دیں اور جتنا مناسب سمجھیں میرے لیے حصہ مقرر کردیں میں اس پر صبر کرلوں گی اس پر یہ آیت نازل ہوئی (384)۔

''ناشز'' اور ''نشوز'' کی بحث

''ناشزہ'' کا لفظ عموماً اس عورت کے لیے استعمال ہوتا ہے جو اپنے شوہر کے واجبی حقوق ادا نہ کرے اس کے رویے میں نافرمانی آجاتی ہے اور اس کا فرض منصب مجروح ہوتا ہے۔ وہ اپنے خاوند کے لیے لباس کی حیثیت نہیں رہتی اس لیے وہ ''ناشزہ'' قرار پاتی ہے۔ یہاں اس آیت میں قرآن نے ''نشوز'' کا لفظ شوہر کے لیے استعمال کیا ہے جس سے خود بخود یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ خاوند اگر اپنے واجبی حقوق کو پورا کرنے میں کوتاہی کرے مثلاً نان نفقہ ہے یا ازدواجی تعلقات ادا نہ کرنے ہیں تو وہ بھی ''ناشز'' بن جاتا ہے۔ آیت کا زور ازدواجی زندگی میں بہتری لانا ہے۔

''لاجناح'' کا مفہوم

عورت جب رضا و رغبت سے اپنا حق چھوڑ دیتی ہے تو جبر و اکراہ والی کوئی بات نہیں رہتی اس لیے یہاں ''لاجناح'' کہا گیا ہے یعنی کوئی گناہ نہیں۔ آیت میں غور و فکر کرنے سے دو فقہی مسئلے معلوم ہوتے ہیں:

1۔ دو عورتوں کے درمیان حقوق کے معاملہ میں تقسیم وقت عدل کا تقاضا ہوتا ہے لیکن عورت اپنی مرضی سے حق چھوڑ سکتی ہے۔
2۔ صلح کا معاوضہ مال ہی نہیں ہوتا، حق چھوڑ دینے پر بھی مصالحت ہوسکتی ہے۔

مفردات

وَلَنۡ: اور ہرگز نہیں
تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا: تم استطاعت رکھتے
اَنۡ: یہ کہ
تَعۡدِلُوۡا: تم عدل کرسکو
بَيۡنَ: درمیان
النِّسَآءِ: عورتوں کے
وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ: اور کیوں نہ تم حرص رکھو
فَلَا تَمِيۡلُوۡا: سو تم نہ میلان رکھو
كُلَّ الۡمَيۡلِ: پورے جھکاؤ کے ساتھ
فَتَذَرُوۡهَا: تو اسے چھوڑ ہی دو
كَالۡمُعَلَّقَةِ: جیسے لٹکی ہوئی کوئی چیز ہو
وَاِنۡ: اور اگر
تُصۡلِحُوۡا: تم مصالحت کرو
وَتَتَّقُوۡا: اور تم تقویٰ پر قائم ہو
فَاِنَّ اللّٰهَ: تو بے شک اللہ
كَانَ: ہے
غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا: بخشنے والا مہربان
وَاِنۡ: اور اگر
يَّتَفَرَّقَا: وہ دونوں جدا ہوجائیں
يُغۡنِ: غنی کردے گا
اللّٰهُ: اللہ
كُلًّا: ہر ایک کو
مِّنۡ: سے
سَعَتِهٖ: اپنی وسعت سے
وَكَانَ: اور ہے
اللّٰهُ: اللہ
وَاسِعًا: وسعت نواز
حَكِيۡمًا: حکمت والا

صلح اور مصالحت ہی بہتر ہے

''وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ'' ایک لطیف جملہ ہے اگر سوچا جائے تو یہ فقرہ گھریلو معاشرت ہی کا قانون نہیں اسلام کا ایک عمومی ضابطہ ہے۔ صلح صفائی، دوستی، الفت اور محبت کو ہر مقام پر یاد رکھنا چاہیے۔ ایک دوسرے سے دوری، نزاع، کشمکش، تضادات ابھارنا اور حسد رقابت زندگی کا سکون ختم کردینے والی چیزیں ہیں۔

اسلام صلح اور مصالحت کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ محبت صلاحیت واقع ہوتی ہے اس کا مزاج سکون افزائی کرتا ہے جبکہ لڑائیاں اور جھگڑے اور بخل اور طبیعت کی تنگیاں صلاحیت سوز ہوتی ہیں۔ قرآن مجید کا یہ جملہ کہ نفوس میں کچھ گھٹن اور بخیلی اگرچہ موجود ہوتی ہیں لیکن نفس کے منفی داعیات کو دبانا پڑتا ہے اور باطنی سدود اور رکاوٹیں دور کرنی پڑتی ہیں۔

عورتوں اور مردوں کے لیے ایک خاص فہم کی بات قرآن مجید نے اس آیت میں بیان کی ہے کہ بخل نفسی بری چیز ہے۔ گھریلو معاشرت میں بخیلی کا کردار ہمیشہ مخاصمانہ ہوتا ہے جبکہ کرامت نفسی اور روحوں کا کھلا اور سخی ہونا مسائل اور مشاکل کے صحرا ختم کرکے منزل کو قریب کردیتے ہیں۔

آیت کے آخر میں احسان اور تقویٰ کا معاشرت سازی میں بنیادی اکائی ہونا بیان کیا گیا ہے۔ گھروں کو اچھے طریقے سے چلانے کے لیے احسان اور تقویٰ کو نفسیاتی اور روحانی وسیلہ بنا کر آزمایا جاسکتا ہے۔

وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِيۡلُوۡا كُلَّ الۡمَيۡلِ
فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنۡ تُصۡلِحُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۱۲۹﴾
وَاِنۡ يَّتَفَرَّقَا يُغۡنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنۡ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيۡمًا ﴿۱۳۰﴾

''اور تم ہرگز استطاعت نہ پاؤ گے کہ عورتوں کے درمیان عدل کرسکو چاہے کتنی ہی کوشش کرو یہ نہ کرو کہ پوری طرح ایک ہی طرف جھک جاؤ اور چھوڑ دو ایسے جیسے کوئی لٹکنے والی چیز ہوتی ہے اور اگر تم خیر خواہی کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر وہ دونوں الگ الگ ہوجائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی کشائش سے بے نیازی عطا فرمادے گا اور اللہ بڑی وسعت اور حکمت والا ہے''۔

ایک چیز سورۃ النساء کی ابتدائی تعلیم سے دوبارہ ذہن میں لائیں۔ قرآن مجید نے کہا کہ تم دو دو، تین تین اور چار چار پسندیدہ عورتوں سے شادی کرسکتے ہو بشرطیکہ ان میں عدل کرو، ہاں اگر خوف رکھتے ہو کہ عدل کی کشتی ڈگمگا جائے گی تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو۔

پہلی تعلیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاوندوں کے دسترس میں ہوتا ہے کہ وہ عدل کریں لیکن یہ آیت جس کی تفسیر

اب لکھی جا رہی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے خاوند جس قدر کوشش کرے کماحقہ عدل کرنا اس کے بس کی بات نہیں۔

یہاں طبرسی کی بات سے آیت کو سمجھا جا سکتا ہے کہ عدل کی دو قسمیں ہیں: ایک ممکن اور دوسری مشکل اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص کی بیویاں اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں تو اس کے لیے ایک عدل تو ممکن ہے کہ ازدواجی حقوق کی ادائیگی مساوات کے ساتھ ہو جیسے راتوں کی تقسیم کا معاملہ ہے، نان نفقہ ہے، روٹی ایک ہی قسم کی ہو اور کپڑا ایک ہی قسم کا ہو، عدل کرنے سے مراد یہی عدل اور مساوات ہے (385)۔

عدل کی دوسری قسم وہ ہے جو قلبی محبت، ذہنی سخاوت، نفسیاتی جھکاؤ اور دلی لگاؤ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اس میں مساوات مشکلات رکھتی ہے۔ عقل و شکل، سیرت و صورت اور صحت بیماری کیفیات کے اختلاف سے رجحانات میں فرق پڑ جاتا ہے۔ آیت میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تم حرص بھی رکھو تو قابو پانا مشکل اور صعب امر ہے۔ قرآن فطرت سے بالا کسی چیز کا تمہیں پابند نہیں بناتا۔ اصل چیز ہے کہ عدل کی قدروں کو مسخ کر کے ایک طرف سٹک ہی جانا ممنوع ہے۔

آیت نمبر 130 میں یہ حقیقت بیان کی گئی کہ نامساعد حالات ازدواجی زندگی کو پرسکون انداز میں چلانے کی راہ میں رکاوٹ بن جائیں اور مصالحت بھی مشکل ہو گئی ہو تو اس صورت میں ظاہر ہے تفریق اور علیحدگی کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں رہتا تو قرآن مجید نے تفریق کی اجازت دے دی لیکن اس طرح کہ دونوں خاندان جو تلخیوں کا شکار ہوئے انہیں قرآن نے حوصلہ دیا کہ وہ خوف زدہ نہ ہوں بلکہ اللہ پر یقین اور اعتماد کے ساتھ فیصلہ کر دیں اللہ دونوں کے حالات میں فضل و کرم اور احسان و عطا سے درست فرما دے گا۔ بیوی کو اللہ اچھا خاوند عطا کر دے گا اور خاوند کو اللہ اچھی بیوی عطا فرما دے گا۔ مسرتوں میں رویوں کا بڑا حصہ ہوتا ہے۔ یہ خوشیوں کی آماجگاہ بھی بن جاتے ہیں اور تلخیوں کی دوزخ بھی فراہم کر دیتے ہیں۔ مسلمان کے لیے جو چیز ضروری ہے وہ اللہ کے نظام پر یقین قائم رکھنا ہے۔

دو آیات میں اللہ تعالیٰ کی چار صفات طبائع کا تزکیہ کر دیتی ہیں:

اللہ غفور ہے۔۔۔۔۔اللہ رحیم ہے

اللہ واسع ہے۔۔۔۔۔اور اللہ حکیم ہے

اللہ کی صفات کے پرتو میں گھروں کو احسن انداز میں چلایا جا سکتا ہے۔ معاف کرنے کی عادت، رحمت اور سخاوت، قلب و نگاہ میں وسعت اور ہر معاملہ حکمت کے ساتھ مقصود کی طرف بڑھاتے رہنا۔

واللہ اعلم

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا
فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿١٣١﴾
وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٣٢﴾
اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ
قَدِيْرًا ﴿١٣٣﴾
مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَ
كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿١٣٤﴾ ع

(131) اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور بے شک ہم نے ان لوگوں کو جنہیں کتاب دی گئی تھی اور تمہیں حکم دیا کہ ''اللہ سے ڈرو'' اور اگر تم منکر ہو جاؤ تو بے شک اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بے نیاز اور خوب حمد کیا گیا ہے

(132) اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور کارسازی میں اللہ ہی کافی ہے

(133) اگر وہ چاہے تو اے لوگو! سب کو لے جائے اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ اس پر قدرت رکھنے والا ہے

(134) جو دنیا کا ثواب چاہے تو اللہ کے پاس تو دنیا اور آخرت دونوں کا ثواب ہے اور اللہ سننے والا خوب دیکھنے والا ہے

مفردات

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ ؕ وَلَقَدۡ وَصَّيۡنَا الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَاِيَّاكُمۡ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنۡ تَكۡفُرُوۡا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيۡدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ﴿۱۳۲﴾

''اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور بے شک ہم نے ان لوگوں کو جنہیں کتاب دی گئی تھی اور تمہیں حکم دیا کہ ''اللہ سے ڈرو'' اور اگر تم منکر ہو جاؤ تو بے شک اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بے نیاز اور خوب حمد کیا گیا ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور کارسازی میں اللہ ہی کافی ہے''۔

قرآنی اسلوب یہ ہے کہ احکام دنیوی ہوں یا اخروی ہوں اللہ تعالیٰ کی ذاتی اور صفاتی توحید کے مضامین کو قاریٔ قرآن کی روح میں اتارا جاتا ہے۔ معاشرت کبھی بھی سچے عقیدوں کی فرماں روائی کے بغیر سدھر نہیں سکتی اس لیے سمجھایا یہ گیا کہ اگر حالات کی سنگینیوں کے نتیجے میں میاں بیوی کی جدائی ہو گئی ہو تو اللہ واسع ہے وہ اپنی صفت وسعت کے نتیجے میں دونوں کو ایک دوسرے سے بے پروا کر دے گا۔ رہی اس کی وسعت کا مظہر ہونے کی دلیل تو جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اس کی ہر چیز میں اس کے فضل و رحمت، جود و عطا، علم و حکمت اور غنا و قدرت کے جلوے دیکھے جا سکتے ہیں۔

شیخ عبدالرحمٰن سعدی لکھتے ہیں (386):

> ''اہل کتاب کا ذکر کر کے حکم تقویٰ کو سرنامہ بنا دینا اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اللہ کا حکم صرف آسمانوں اور زمینوں کی جمادی اور نباتی چیزوں پر ہی محیط نہیں بلکہ پہلے اور پچھلے سب اللہ کے محکوم ہیں۔ سب کے لیے حکم ہے کہ وہ اللہ سے ڈریں۔ اہل کتاب ہوں یا قرآن کے مخاطبین تقویٰ سب کے لیے ہے اور حکم سب پر محیط ہے۔ آخرِ آیت میں اللہ کے غنی اور حمید ہونے کا ذکر ہے۔ غنی ہونے میں اشارہ ہے کہ عالم علوی اور عالم سفلی کے جمیع

وَلِلّٰهِ: اور اللہ کے لیے ہے
مَا: جو
فِي: بیچ
السَّمٰوٰتِ: آسمانوں
وَمَا: اور جو
فِي الۡاَرۡضِ: زمین میں
وَلَقَدۡ: اور بے شک
وَصَّيۡنَا: وصیت کی ہم نے
الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا: وہ جو دیے گئے
الۡكِتٰبَ: کتاب
مِنۡ قَبۡلِكُمۡ: تم سے پہلوں میں سے یعنی یہود و نصاریٰ
وَاِيَّاكُمۡ: اور تم بھی
اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ: یہ کہ ڈرو اللہ سے
وَاِنۡ تَكۡفُرُوۡا: اور اگر تم انکار کرو
فَاِنَّ لِلّٰهِ: تو بے شک اللہ کے لیے
مَا فِي: جو بیچ میں ہے
السَّمٰوٰتِ: آسمانوں
وَمَا فِي الۡاَرۡضِ: اور جو کچھ زمین میں ہے
وَكَانَ اللّٰهُ: اور ہے اللہ
غَنِيًّا: غنی
حَمِيۡدًا: تعریف کیا گیا
وَلِلّٰهِ: اور اللہ ہی کے لیے ہے
مَا فِي السَّمٰوٰتِ: جو کچھ آسمانوں میں ہے
وَمَا فِي الۡاَرۡضِ: اور جو کچھ زمین میں ہے
وَكَفٰى: اور کافی ہوا
بِاللّٰهِ: اللہ
وَكِيۡلًا: کارساز ہونے میں

مفردات

اِنۡ: اگر
یَّشَاۡ: وہ چاہے
یُذۡهِبۡكُمۡ: لے جائے تمہیں
اَیُّهَا: اے
النَّاسُ: لوگو
وَ یَاۡتِ: اور لے آئے
بِاٰخَرِیۡنَ: دوسروں کو
وَكَانَ: اور ہے
اللّٰهُ: اللہ
عَلٰی ذٰلِكَ: اس پر
قَدِیۡرًا: قدرت رکھنے والا
مَنۡ: جو
كَانَ: ہو
یُرِیۡدُ: ارادہ رکھتا
ثَوَابَ: ثواب
الدُّنۡیَا: دنیا
فَعِنۡدَ اللّٰهِ: تو اللہ کے پاس
ثَوَابُ: ثواب
الدُّنۡیَا: دنیا
وَالۡاٰخِرَةِ: اور آخرت
وَكَانَ: اور ہے
اللّٰهُ: اللہ
سَمِیۡعًا: سننے والا
بَصِیۡرًا: دیکھنے والا

احوال وشئون اور حوائج دقیقہ اور جلیلہ میں اللہ ہی کے لطف وعطا کا فیض ہے اور صفات کمالیہ کی بنیاد پر تعریف کے لائق وہی ہے۔ آگے کہا گیا کہ اگر تم لوگ کفر بھی کردو تو بھی آسمان اور زمین اس کی تعریف کرنے والوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہی تعریف ومحبت کا مستحق ہے''۔

اِنۡ یَّشَاۡ یُذۡهِبۡكُمۡ اَیُّهَا النَّاسُ وَ یَاۡتِ بِاٰخَرِیۡنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِكَ قَدِیۡرًا ﴿۱۳۳﴾
مَنۡ كَانَ یُرِیۡدُ ثَوَابَ الدُّنۡیَا فَعِنۡدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ﴿۱۳۴﴾

''اگر وہ چاہے تو اے لوگو! سب کو لے جائے اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ اس پر قدرت رکھنے والا ہے، جو دنیا کا ثواب چاہے تو اللہ کے پاس تو دنیا اور آخرت دونوں کا ثواب ہے اور اللہ سننے والا خوب دیکھنے والا ہے''۔

آیات کی تعبیر میں علامہ قشیری کے الفاظ سے مدد لے رہا ہوں، آپ لکھتے ہیں (387):

''جو اللہ سے ازل کے معاملے میں غنی ہوا اللہ کو اس کی ابد کی کوئی پروا نہیں۔ اللہ کسی ایک کا بھی محتاج نہیں جبکہ بندہ اپنی حقیقت میں غنی نہیں، کہا جاتا ہے کہ مقدورات کی کوئی انتہا نہیں۔ عمرو نہ ہو تو زید سہی اور عبد نہ ہو تو عبید سہی، اللہ کے ہاں کوئی کمی نہیں۔ ایک اللہ ہی ہے جس کا کوئی بدل اور خلف نہیں۔ ضرورتیں ساری تو بندوں کی ہیں اور پورا کرنے والا واللہ، اللہ ہے''۔

علامہ آلوسی نے آیات کی تشریح میں ایک حدیث نقل کی، ملاحظہ ہو (388):

''حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا:

''جس کا ارادہ آخرت کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے نعمتیں جمع فرما دیتا ہے اور اس کے دل میں غنا پیدا کر دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے اور جس کا ارادہ دنیا کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے اسباب کو بکھیر دیتا ہے اور اسے

فقیر کر دیتا ہے۔ اس کے دیکھتے دیکھتے ہی دنیا اسے نہیں
ملتی مگر اتنی ہی جتنی اس کی تقدیر میں لکھ دی جاتی ہے''۔

آیت کا شعوری مدار

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق یہ خطاب مشرکین اور منافقین کو ہے۔ مفہوم آیت کا یہ ہوگا کہ اے منکرین کے گروہ اگر اللہ چاہے تو تمہیں ہلاک کر دے اور تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا گیا اور مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ جو لوگ اسلام کو تسلیم کرنے کا دم بھرتے ہیں لیکن ان کے اندر منافقت کا روگ لگا ہوتا ہے ان کے لیے اللہ نے فرمایا: کہ ایسے کم ظرف لوگوں کو ختم کر کے ایسے لوگ لائے جا سکتے ہیں جو امور اطاعت میں زیادہ کوشاں ہوں۔ اللہ کو پسند وہ لوگ ہیں جو پختہ ارادوں کے مالک ہوں۔

مفسر کی درخواست

لفظوں کا شہد چاٹنے والو!
اس وقت کا ضرور سوچ لو!!!
جب فطرت تمہارے سارے گہنے اتار دے گی!
تم تنہا اور کمر خمیدہ ہو جاؤ گے
اس وقت تم پر عجب نیند طاری ہے
اٹھو، بیدار ہو اور ہمت کی انگڑائی لو
اور وفائے رسول میں اپنے حصے کا کام کرنے کی ٹھان لو!!!

اللہ قادر ہے جیسے درختوں کی ننھی شاخوں کو ستاروں ایسی کونپلوں سے بھر دیتا ہے تمہیں بھی نیکی کی نئی اور تازہ زندگی سے نواز دے گا اور تم اس قابل ہو جاؤ گے کہ قافلۂ انسانیت کو ٹھنڈی چھاؤں میں لے سکو اور دنیا میں خوشبو صرف تمہاری پھیلے!!!

ربّ راکھا

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى
اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ
اَوْلٰى بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا
فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٣٥﴾
يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى
رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ
مَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿١٣٦﴾

(135) اے ایمان والو! انصاف کے قائم کرنے والے بن جاؤ گواہی دینے والے اللہ کے لیے کیوں نہ اس کے نقصان کی زد میں تم خود یا ماں باپ اور رشتہ دار آتے ہوں مگر کوئی غنی ہو یا فقیر پس اللہ ہی ہر دو کا والی ہے تو تم خواہشات کی اتباع نہ کرو کہ عدل نہ کر سکو اور اگر تم کج رو ہوئے یا روگردانی کی تو اللہ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے

(136) اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان میں پختہ ہو جاؤ اور اس کتاب پر جو اُس نے اپنے رسول پر نازل کی اور ان کتابوں پر جو اس نے پہلے اتاریں اور جس نے نہ مانا اللہ اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں اور رسولوں کو اور یومِ آخرت کو وہ بھٹک کر گمراہی میں دور جا پڑا

مفردات

يٰٓاَيُّهَا: اے
الَّذِيۡنَ: وہ جو
اٰمَنُوۡا: ایمان لائے ہو
كُوۡنُوۡا: ہو جاؤ
قَوّٰمِيۡنَ: قائم کرنے والے
بِالۡقِسۡطِ: انصاف اور عدل کے ساتھ
شُهَدَآءَ: گواہ ہوتے ہوئے
لِلّٰهِ: اللہ کے لیے
وَلَوۡ: اور کیوں نہ
عَلٰٓى: پر
اَنۡفُسِكُمۡ: اپنے نفسوں کے خلاف
اَوِ: یا
الۡوَالِدَيۡنِ: ماں باپ
وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ: اور رشتہ داروں
اِنۡ يَّكُنۡ: اگر ہو
غَنِيًّا: غنی اور تونگر
اَوۡ فَقِيۡرًا: یا محتاج
فَاللّٰهُ: تو اللہ
اَوۡلٰى: زیادہ، آگے بڑھ کر
بِهِمَا: ان دونوں
فَلَا تَتَّبِعُوا: تو پیروی نہ کرو
الۡهَوٰٓى: خواہشات نفس کی
اَنۡ: یہ کہ
تَعۡدِلُوۡا: تم عدل کرنے لگو
وَاِنۡ: اور اگر
تَلۡوٗۤا: کج بیانی سے کام لیا تم نے
اَوۡ تُعۡرِضُوۡا: یا تم نے پہلوتہی کی
فَاِنَّ اللّٰهَ: تو بے شک اللہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ اَوِ
الۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ ۚ اِنۡ يَّكُنۡ غَنِيًّا اَوۡ فَقِيۡرًا فَاللّٰهُ اَوۡلٰى بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا
الۡهَوٰٓى اَنۡ تَعۡدِلُوۡا ۚ وَاِنۡ تَلۡوٗۤا اَوۡ تُعۡرِضُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ﴿۱۳۵﴾

''اے ایمان والو! انصاف کے قائم کرنے والے بن جاؤ گواہی دینے والے اللہ کے لیے کیوں نہ اس کے نقصان کی زد میں تم خود یا ماں باپ اور رشتہ دار آتے ہوں مگر کوئی غنی ہو یا فقیر پس اللہ ہی ہر دو کا والی ہے تو تم خواہشات کی اتباع نہ کرو کہ عدل نہ کر سکو اور اگر تم کج رو ہوئے یا روگردانی کی تو اللہ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے''۔

آیت کے بارے میں دس باتیں قابل توجہ ہیں:

پہلی بات

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا'' کا خطاب ہے۔ عام طور پر اس قسم کی مخاطبت میں یا تو تشویق مراد ہوتی ہے یا تخویف مراد ہوتی ہے۔ یہاں دونوں مفہومات کے لیے قرینے موجود ہیں۔ اصل میں تو اسلامی تربیت کا ماحول دیا جا رہا ہے تاکہ اسلامی معاشرت کو ٹھوس اور مستحکم بنیادوں پر استوار کیا جا سکے۔

دوسری بات

''قَوّٰمِيۡنَ'' کا مادہ قوام سے ہے۔ یہ مبالغے کا صیغہ ہونے کی وجہ سے معنیٰ یہ رکھتا ہے کہ بہت زیادہ قیام کرنے والا یعنی یہ اللہ کا حکم ہے کہ تم لوگ ہر حالت میں اور ہر جگہ ماحول جتنا بھی دباؤ کا شکار ہو ''عدل'' کے ساتھ قیام کرنے والے بن جاؤ اور ظلم کے خلاف نفرت تمہاری عادات میں اتر جانی چاہیے۔ تم انصاف اور عدل والے بن کر جینے میں شہرت رکھو اور عدل ہی تمہاری پہچان بن جانی چاہیے۔ یہاں شوق یہ ہے کہ تم عدل کے پیچھے پڑ جاؤ اور عزم و راسخ اور ہمت سے عادلانہ زندگی گزارنے کے لیے تیار رہو۔ قرآن مجید کے الفاظ کتنے خوبصورت ہیں عدل کرو یہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے (389)۔

تیسرا نکتہ

قرآن مجید نے اقامت عدل کو مسلمانوں کی بنیادی ذمہ داری قرار دیا ہے۔ اس جملہ میں کتنی توانائی ہے، تحرک ہے، جوش ہے اور مستعدی ہے کہ تم انصاف کے سچے داعی بن

مفردات

كَانَ: ہے
بِمَا تَعْمَلُوْنَ: جو تم کرتے ہو اس کے بارے میں
خَبِيْرًا: باخبر

جاؤ۔ اقامت کی تعبیر اجتماعی حکم کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ اس میں اشارہ عدل اور قسط کا اجتماعی نظام قائم کرنے کی طرف ہے۔

چوتھی بات

''شُهَدَآءَ لِلّٰهِ'' یہ لفظ مسلمانوں کو ان کا اصلی مقام یاد کرواتے ہیں کہ تم شہادتیں قائم کرنے والے ہو۔ غباروں میں ہوا بھری جاتی ہے مٹی نہیں بھری جاتی۔ مسلمان دنیا میں اللہ کی پہچان کے داعی ہیں انہیں علمی، روحانی اور عملی سطح پر دعوت توحید کا اہتمام کرنا ہوتا ہے اور عدالتوں میں بھی مسلمان کمال احتیاط کے ساتھ گواہیاں ادا کرتے ہیں اور اس عظیم اور فضیلت مآب کام کرنے کی مزدوری وہ صرف اللہ کی رضا سمجھتے ہیں۔ دینی اقدار کا زندہ کرنے والا عظیم اور مقدس مزدور ہوتا ہے وہ چہرے اور منصب دیکھ کر گواہیاں نہیں دیتا، اللہ کی رضا اور خوشی کا حق سمجھ کر گواہی ادا کرتا ہے۔

پانچویں بات

قیام عدل کی راہ میں عام طور پر جو نفسیاتی رکاوٹیں ہوتی ہیں قرآن مجید انہیں گن کر بیان کرتا ہے۔ گواہی اگر اپنے خلاف بھی دینی پڑ جائے، اس راہ میں اگر ماں باپ بھی آجائیں یا پھر رشتہ دار بھی رکاوٹ کھڑی کریں مسلمان کسی بھی صورت میں جذبات اور احساسات نفسی کو عقل کا حاکم نہیں بناتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ کے نظام کو توڑنا اور بگاڑنا جرم عظیم ہے اس لیے وہ تمام بکھرے ہوئے کانٹوں سے بے نیاز عدل کی گواہیاں قائم رکھتا ہے۔

چھٹا نکتہ

قرآن مجید نے اصول عدالت سے انحراف کے کچھ عوامل مزید بیان کیے کہ اللہ کا بندہ جس کے بدن کا ریزہ ریزہ عدل کے نوری جلووں میں ڈوبا ہوتا ہے۔ دولت مندوں کی دولت بھی حق شہادت کے ادا کرنے سے مانع نہیں ہوسکتی اور نہ ہی وہ شخص کسی کی فقیری پر ترس کھا کر عدل کے ترازو توڑتا ہے۔

ساتواں نکتہ

اس آیت میں قرآن مجید نے جہاں غنی اور فقیر کا ذکر کیا، کہا کہ یہ بات درست ہے کہ عدل غریبوں اور فقیروں یا تونگر لوگوں کو حق دلوانے ہی کے لیے ہوتا ہے لیکن ایمان والوں کی

سوچ ایک اور لحاظ سے لطیف واقع ہوئی ہے کہ وہ گواہی دیتے ہوئے فقیر یا غنی کو ان کی عرفی شہرت کے تناظر میں نہیں دیکھتے بلکہ وہ اللہ کے قانون کی عظمت دیکھتے ہیں، اللہ ہی کی بات ماننا وہ اولیٰ تصور کرتے ہیں۔

آٹھواں نکتہ

قرآن مجید ان نادیدہ جراثیموں کی نشاندہی کر دیتا ہے جو قوموں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ ظلمت زدہ خواہشات اور آراستہ جہالتیں انسانوں کو تباہ کر دیتی ہیں۔ قرآن مجید ان سے بچنے کی تلقین کرتا ہے خصوصاً عدالتوں میں چرب زبانی سے حقائق بدلنے کی سعی کی جاتی ہے اس لیے قرآن نے عدل کی راہ سے اس قسم کے انحرافات کا خصوصی ذکر کیا اور ان سے بچنے کی تلقین کی۔

نواں نکتہ

''اَوۡ تُعۡرِضُوۡا'' میں عدل سے پہلوتہی اور انحراف کے ہر راستے اور طریقے کو آشکار کر دیتا ہے اور لوگوں کو ظاہری عدالت سے اٹھا کر ضمیروں کے کٹہرے میں لا کھڑا کرتا ہے اور انسانوں سے پوچھ لیتا ہے کہ کہیں تم رشوت، سفارش، واقفیت اور نفسیاتی غمزوں سے عدل کو پائمال تو نہیں کر رہے۔ اعراض قومی سطح پر ہو یا انفرادی سطح پر قوموں کی سیاہ بختی ہوتی ہے۔

دسویں بات

آیت کے آخر میں کہا گیا کہ اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبیر ہے۔ یہاں علیم کی بجائے خبیر کہا گیا۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ خبیر وہ ہوتا ہے جو کسی چیز کی جزئیات اور ذرہ ذرہ سے واقف ہوتا ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ اگر تم لوگوں میں بال برابر بھی انحراف اور عدل سے بے رخی آ گئی تو اللہ کے سامنے ہر اجمال کی تفصیل موجود ہے اس سے کچھ بھی چھپایا نہیں جا سکتا۔

حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے:

> ''عدل سب کی نگہداشت کرنے والا ہے۔ اچھے حکمرانوں کی ٹھنڈک ریاست میں عدل و انصاف کا استحکام ہوتا ہے'' (نہج البلاغہ)۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

مفردات

يٰۤاَيُّهَا: اے
الَّذِيۡنَ: وہ جو
اٰمَنُوۡۤا: ایمان لائے ہو
اٰمِنُوۡا: ایمان لے آؤ
بِاللّٰهِ: اللہ پر
وَرَسُوۡلِهٖ: اور اس کے رسول پر
وَالۡكِتٰبِ: اور کتاب
الَّذِىۡ: وہ جو
نَزَّلَ: اس نے تھوڑی تھوڑی اتاری
عَلٰى: پر
رَسُوۡلِهٖ: اپنے رسول پر
وَالۡكِتٰبِ: اور کتاب
الَّذِىۡۤ: وہ جو
اَنۡزَلَ: اتاری اس نے
مِنۡ قَبۡلُ: پہلے سے
وَمَنۡ: اور جو
يَّكۡفُرۡ: کفر کرے گا
بِاللّٰهِ: اللہ کے ساتھ
وَمَلٰٓئِكَتِهٖ: اور اس کے فرشتوں کا
وَكُتُبِهٖ: اور اس کی کتابوں سے
وَرُسُلِهٖ: اور اس کے رسولوں سے
وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ: اور روز آخرت
فَقَدۡ: تو بے شک
ضَلَّ: وہ گمراہ ہوا
ضَلٰلًاۢ: گمراہ ہونا
بَعِيۡدًا: دور کا

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَالۡكِتٰبِ الَّذِىۡ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ وَ
الۡكِتٰبِ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ مِنۡ قَبۡلُ‌ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَ
الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ﴿۱۳۶﴾

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان میں پختہ ہو جاؤ اور اس کتاب پر جو اُس نے اپنے رسول پر نازل کی اور ان کتابوں پر جو اس نے پہلے اتاریں اور جس نے نہ مانا اللہ اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں اور رسولوں کو اور یومِ آخرت کو وہ بھٹک کر گمراہی میں دور جا پڑا''۔

شان نزول

علامہ رشید رضا لکھتے ہیں (390):

''یہ آیت اہل کتاب کے بعض سربرآوردہ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان میں عبد اللہ بن سلام، اسد بن کعب اور اس کا بھائی اُسید بن کعب اور بعض دوسرے لوگ شامل تھے۔ پہلے جب وہ حاضر ہوئے تو کہنے لگے: ہم آپ پر اور قرآن حکیم پر اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر ایمان لائے لیکن ہم باقی نبیوں پر اور کتابوں پر ایمان نہیں لائے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور خدائی رہنمائی کے مکمل اور کامل نظام کو ماننے کی دعوت دی گئی۔ آیت میں پانچ اصولوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا۔ مبدا و معاد، آسمانی کتب، انبیاء اور تمام فرشتے''۔

دلچسپ تعبیر کے دلچسپ معانی

آیت میں کہا گیا ''ایمان والو ایمان لے آؤ'' اس کے معانی اور اشارات کیا ہو سکتے ہیں، امام قشیری لکھتے ہیں (391):

چند اقوال کا انتخاب التفسیر البسیط اور تفسیر وسیط سے کیا گیا ہے:

۞ پہلا قول

اے ایمان والو! اللہ نے تمہیں ایمان دیا اس لیے تم اس ایمان پر قائم رہو، گویا ایمان پر

جم جانا ''امنوا'' کی تعبیر ہے۔

❁ دوسرا قول

زاد المسیر میں ابن جوزی لکھتے ہیں کہ آیت میں ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنا مراد ہے اور اللہ کی راہ میں ثابت قدم رہنا ہے(392)۔

❁ تیسرا قول

ایمان دھوپ چھاؤں کی طرح نہیں ہونا چاہیے اس کی لذتیں اور روشنیاں دائمی ہونی چاہییں۔

❁ چوتھا قول

کہا گیا ہے کہ ایمان براہین لانے والو! تمہارا ایمان صرف دلائل کے گرد اگرد ہی نہ گھومتا رہے تمہیں کشف، بیان اور اعیان کو بھی صاحب ایمان بننا چاہیے۔

❁ پانچواں قول

اس سے مراد یہ ہے کہ تصدیق اور اقرار کی دنیا میں ایمان لانے والو تحقیق میں بھی تمہیں ایمان لانا چاہیے یعنی ایمان کو اللہ کے فضل کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔

❁ چھٹا قول

کہا گیا کہ حال میں ایمان کی حرارت پانے والو مآل میں بھی ایمان کی تمنا رکھو اور کوشش کرو کہ ایمان ضائع نہ ہو۔

❁ ساتواں قول

اے کمزور ایمان لانے والو رکاوٹیں دور کر کے اور نفس کی تہذیب کر کے مضبوط ایمان لاؤ تمہارے لیے بہتر یہی ہے۔

❁ آٹھواں قول

یہ بھی کہا گیا کہ اے وجد، فقد، وصل اور فصل میں اللہ پر اور مقتضیات ایمان پر یقین رکھنے والو یہ نعمتیں نہ بھی ہوں تو ایمانی حالت مضبوط رکھو۔

❁ نواں قول

کہا گیا کہ عقلیات کی روشنی میں کتابی ایمان رکھنے والو اس سے آگے بڑھ کر معرفت کی روشنی اور نور میں آ کر مانو جیسا کہ اسے ماننے کا حق ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

❁ **دسواں قول**

روایتی، تعصبی اور تقلیدی ایمان لانے والو ماحول کی ظلمت سے نکل کر قرآنی اور رسولی ایمان کا نور قبول کرو۔

❁ **گیارہواں قول**

ایمان کی موجود سطح پر مزے لینے والو ایمان کے درجات میں آگے سے آگے بڑھو، ایمانی سعادت مندی کی راہ میں صاحب ایمان ان چیزوں کا محتاج ہوتا ہے اسے نقطہ در نقطہ ان امور کا خیال کرنا چاہیے:

❁ **پہلی چیز**

انسان محتاج ہے اس بات کا کہ ہدف اور سعادت مندی کی منزل کو پہچانے۔ اسے معلوم ہو کہ اس نے پہنچنا کہاں ہے؟ کس چیز کے لیے جدو جہد کرنی ہے، اس کی منزل کا اختتام کہاں ہوتا ہے اور کس راستے پر چل کر ہدف تک رسائی حاصل کرنی ہے۔

❁ **دوسری چیز**

صاحب ایمان کے ایمان میں اتنی طاقت ہونی چاہیے کہ غرور اور اوہام کی ظلمتیں ختم ہو جائیں۔ وہم اور غرور مومن سے بہت کچھ چھین لیتا ہے۔ عام طور پر وسوسوں کو توڑنے والی طاقت اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔

❁ **تیسری چیز**

فوز و فلاح کے راستے میں جہالتیں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ صحیح علم کا نور نہ ہونا اور تعصّبات کا اندھیرا دل کو جب گھیر لے تو انسان الٹے سیدھے فیصلے کرنے پڑ جاتا ہے۔ جہالتوں اور جاہل لوگوں کی صحبت سے بچنا چاہیے۔

❁ **چوتھی چیز**

سعادت کی راہ میں اندیشے ایک بڑی رکاوٹ ہوتے ہیں انہیں بہر حال پھینکنا پڑتا ہے۔

❁ **پانچویں چیز**

ایمانی ماحول میں ضروری ہوتا ہے کہ مومن ثمر بار اور نتیجہ خیز کوشش کرے۔ یہ بات یقین میں ہونی چاہیے کہ مومن کو ایمان اور عمل کا نتیجہ کیا ملے گا۔ یہ عزم

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

انسان کو اطمینان عطا کرتا ہے اور روحانی سفر میں مستعدی اور تیزی آ جاتی ہے۔

❁ چھٹی چیز

مومن کو پُرعزم ہو کر اپنی غلطیوں کا کھلے دل سے اعتراف کرنا چاہیے اور اللہ سے معافی مانگنی چاہیے۔ گناہ بلاشبہ اگر توبہ نہ کی جائے تو زخم بن جاتے ہیں۔ قریب سے معافی مانگ لینا بندے کو تازہ اور فعال جدوجہد کے قابل بنا دیتا ہے۔

❁ ساتویں چیز

انسان کو شعوری سطح پر ایک قابل اطمینان پناہ گاہ کا تصور رکھنا چاہیے۔ اگر روحانی طور پر اس کے پاس اصلاح نواز کمک اور مدد ہو گی تو زندگی کی پُر پیچ راہوں میں انسان مستفید ہونے کے قابل ہو گا۔ بے پیرا شخص مست گوہ کی طرح ہوتا ہے جو ناچ ناچ کر اپنی ہی گردن کی ہڈیاں توڑ لیتا ہے۔

❁ آٹھویں چیز

اپنے دشمن، اس کی طاقت سے آگاہی اور اس پر برتری حاصل کرنے کے لیے خدا کی بے پناہ مدد ہی مسلمان کا سہارا ہو سکتا ہے۔ مومنوں میں سلیقہ ہونا چاہیے کہ وہ اس سپر طاقت سے کس طرح مستفید ہو سکتے ہیں۔

❁ نویں چیز

عقیدے طاقت ہوتے ہیں لیکن اس کے لیے جہت دار کوشش ہی فوز و فلاح کے دروازے کھولتی ہے۔ بے جہت اندھی کوشش بھی ذلت کا سبب بن جاتی ہے۔

❁ دسویں چیز

انسان کو ذہانت، ادراک، عقل، استعداد اور مادی سرچشموں کی قدر کرنی چاہیے اور مضبوط عقیدے کی روشنی میں ان برکتوں کو اللہ کا فضل سمجھ کر ان سے مستفید ہونا چاہیے۔

❁❁❁❁❁

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا
لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿١٣٧﴾
بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٣٨﴾
الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ
أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿١٣٩﴾
وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ
يُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ
إِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿١٤٠﴾

(137) بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر منکر بن گئے پھر ایمان لائے پھر کفر کر دیا پھر کفر یہ حد سے بڑھ گئے اللہ انہیں ہرگز بخشے گا نہیں اور نہ ہی انہیں راہ نجات تک لے جائے گا

(138) منافقوں کو خبردار فرمائیے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے

(139) جو لوگ اہل ایمان کر چھوڑ کر منکرین حق سے دوستیاں استوار کرتے ہیں کیا وہ ان سے عزت و آبرو حاصل کرنا چاہتے ہیں حالانکہ عزتیں تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہیں

(140) اور بے شک یہ بات قرآن میں تم پر نازل ہو کر ثبت ہو چکی ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جا رہا ہے اور مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو جب تک کہ وہ کوئی اور گفتگو کرنے لگ جائیں ورنہ تو تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے، بے شک اللہ منافقین اور کافروں سبھی کو جہنّم میں جمع کر دے گا

مفردات

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ثُمَّ كَفَرُوۡا ثُمَّ اٰمَنُوۡا ثُمَّ كَفَرُوۡا ثُمَّ ازۡدَادُوۡا كُفۡرًا لَّمۡ يَكُنِ
اللّٰهُ لِيَـغۡفِرَ لَهُمۡ وَلَا لِيَـهۡدِيَهُمۡ سَبِيۡلًا ؕ ۱۳۷ بَشِّرِ الۡمُنٰفِقِيۡنَ بِاَنَّ لَهُمۡ عَذَابًا
اَلِيۡمَا ۙ ۱۳۸

’’بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر منکر بن گئے پھر ایمان لائے پھر کفر کر دیا پھر کفر یہ حد سے بڑھ گئے اللہ انہیں ہرگز بخشے گا نہیں اور نہ ہی انہیں راہ نجات تک لے جائے گا۔ منافقوں کو خبردار فرمائیے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے‘‘۔

قرآن مجید کی یہ دو آیتیں ان لوگوں پر گرفت کرتی ہیں جو مذہب کو مذاق بنا لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دین صرف دل بہلانے کے لیے ہوتا ہے۔ مفاد پرستیاں ان کا اصل مذہب ہوتا ہے۔

عصر رسالت ہی میں ایک طبقہ موجود تھا جو کبھی ایمان لے آتے اور کبھی کافر ہو جاتے لیکن اسلوب قرآن ’’ثُمَّ‘‘ کے تازیانے سے ان کی پیٹھیں لال کر دیتا ہے جب ان کا کفر حد سے زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ طرز و ادا کا تغیر اور روز رنگ روپ بدلنا متلون مزاج لوگوں کی خاص نشانی ہوتی ہے۔

ممکن ہے منافقین کی سازش پر قرآن آگاہ کر رہا ہے کہ منافق لوگ اس قسم کے کردار کو ’’یوٹرن‘‘ سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے اپنی سیاسی چابک دستی سمجھتے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں بھی اسی قسم کی بے چینی پیدا کر دی جائے اور وہ بھی رنگ روپ میں تبدیلیوں کا مدوجزر پیدا کریں۔ قرآن مجید نے صاف طور پر اسے منافقت سے تعبیر کر دیا۔

اصل بات یہ ہے کہ نفوس میں جب تک خلوص کی چمک نہ ہو انسان اوضاع و اقدار اور مصالح و مفادات کے دباؤ سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ دیمک کی طرح منافقت کے چاٹے ہوئے لوگ حرص و لالچ سے بچ نہیں سکتے اور ایسے لوگوں کی روحیں عزت نفس، بلند ہمتی اور آزادی سے سرشار ہو نہیں سکتیں۔

اصل میں مسلمانوں کی تربیتی ضرورت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے دلوں اور روحوں کو اللہ کی یاد سے بھر دیں۔ ایسے عظیم لوگ ہی وفاؤں کا جھنڈا مضبوطی سے تھامنے کے قابل ہوتے ہیں۔

اگر ان آیات کو ان سے پہلی آیات کے ساتھ مربوط کر کے پڑھیں تو سمجھ آسکتی ہے کہ اقامت عدل منافقت کی موجودگی میں ممکن ہی نہیں ہوتا اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ منافقوں کے لیے دردناک عذاب کی بھٹیاں نصب کی جائیں۔

اِنَّ: بے شک
الَّذِيۡنَ: وہ جو
اٰمَنُوۡا: ایمان لائے
ثُمَّ: پھر
كَفَرُوۡا: کافر ہوئے
ثُمَّ: پھر
اٰمَنُوۡا: وہ ایمان لائے
ثُمَّ كَفَرُوۡا: پھر کافر ہو گئے
ثُمَّ: پھر
ازۡدَادُوۡا: وہ بڑھتے ہی گئے
كُفۡرًا: کفر میں
لَّمۡ يَكُنِ: نہ ہوا یا نہ ہے
اللّٰهُ: اللہ
لِيَـغۡفِرَ لَهُمۡ: کہ وہ بخشش کر دے
وَلَا: اور نہ
لِيَـهۡدِيَهُمۡ: کہ ہدایت دے انہیں
سَبِيۡلًا: راہ راست کی
بَشِّرِ: بشارت دیجیے
الۡمُنٰفِقِيۡنَ: منافقوں کو
بِاَنَّ: اس کی کہ
لَهُمۡ: ان کے لیے
عَذَابًا: عذاب
اَلِيۡمَا: دردناک

مفردات

الَّذِيۡنَ يَتَّخِذُوۡنَ الۡكٰفِرِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ؕ اَيَبۡتَغُوۡنَ
عِنۡدَهُمُ الۡعِزَّةَ فَاِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا ﴿۱۳۹﴾

''جولوگ اہل ایمان کو چھوڑ کر منکرین حق سے دوستیاں استوار کرتے ہیں کیا وہ ان سے عزت و آبرو حاصل کرنا چاہتے ہیں حالانکہ عزتیں تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہیں''۔

قرآن مجید کی یہ آیت اپنے قاری کے سامنے دقیق مطالعہ کا دروبست کھول دیتی ہے، قرآن پڑھنے والا منافقین کے بارے میں کسی ابہام کا شکار نہ ہو، پہلے تو یہ کہا گیا کہ منافقین کو دردناک عذاب کی بشارت دو، ''بشارت تسلیم کیا کہ خوشیاں سمیٹے ہوئے''۔ قرآن کی اصطلاح ہے جو عام طور پر مسرتوں کا مخزن ہوتا ہے لیکن یہاں مسرت لفظ تنقیدی انداز میں طنزاً استعمال ہوا ہے۔ ایسے جیسے ایک گھر والوں کو آپ ہزار بار سمجھائیں کہ دروازے، کھڑکیاں بند رکھو وگرنہ مچھر اور دوسرے کیڑے مکوڑے اندر آ گھسیں گے لیکن جب وہ نہ مانیں اور اچانک گندے اور مہلک مچھر لشکر کی صورت میں اندر گھس جائیں تو آپ گھر والوں سے کہیں مبارک ہو وہی ہوا ہے نا جس سے تمہیں منع کیا تھا۔ منافقوں کے لیے بشارت لفظ کا یہی مفہوم ہے۔

یہ کڑی تنقید اور مہلک عذاب کا جلا دینے والا شعلہ ہے جس کی انتظار ہر کافر اور منافق کو لگی رہتی ہے۔

منافقوں کی شناخت کھول کر بیان ہوئی کہ یہ ناری لوگ مومنین کی بجائے کافروں کو اپنا دوست بنا لیتے ہیں۔ قرآن مجید ان کی زندگی کا مقصد بیان کرتا ہے کہ یہ لوگ ایسا کر کے کفر کی غار سے عزت تلاش کرتے ہیں۔ یہ سمجھتے نہیں کہ عزتوں کا سرچشمہ اللہ کی ہستی ہے۔ عزت اور قوت اللہ کے ہاں سے تلاش کرنی چاہیے۔

سید قطب ٹھیک لکھتے ہیں (393):

> ''اس کائنات میں نفس انسانی کے لیے ایک ہی سہارا ہے جہاں سے وہ عزت پا سکتا ہے، جب اسی سہارے کے آگے وہ گردن جھکائے گا تو وہ سربلند ہو جائے گا۔ اللہ سے بے رخی انسان کو کئی دروازوں کا دریوزہ گر بنا دیتی ہے یوں نفس ذلیل ہو جاتا ہے اور اس کا مقدر ذلت بن جاتی ہے''۔

الَّذِيۡنَ: وہ جو
يَتَّخِذُوۡنَ: بناتے ہیں
الۡكٰفِرِيۡنَ: کفر والوں کو
اَوۡلِيَآءَ: دوست
مِنۡ: سے
دُوۡنِ: چھوڑ کر، ہٹ کر اور کٹ کر
الۡمُؤۡمِنِيۡنَ: مومنوں
اَيَبۡتَغُوۡنَ: کیا وہ تلاش کرتے ہیں
عِنۡدَهُمُ: ان کے پاس
الۡعِزَّةَ: عزت
فَاِنَّ: تو بے شک
الۡعِزَّةَ: عزت
لِلّٰهِ: اللہ کے لیے ہے
جَمِيۡعًا: ساری کی ساری

مفردات

وَقَدۡ: اور بے شک
نَزَّلَ: اس نے اتارا
عَلَیۡکُمۡ: تم پر
فِی: بیچ
الۡکِتٰبِ: کتاب کے
اَنۡ: یہ کہ
اِذَا: جب
سَمِعۡتُمۡ: تم سنو
اٰیٰتِ: آیتیں
اللّٰہِ: اللہ کی
یُکۡفَرُ بِہَا: انکا انکار کیا جار ہا ہے
وَ یُسۡتَہۡزَاُ بِہَا: اوران کا مذاق اڑایا جار ہا ہے
فَلَا: تو نہ
تَقۡعُدُوۡا: بیٹھو
مَعَہُمۡ: ان کی معیت میں
حَتّٰی: یہاں تک کہ
یَخُوۡضُوۡا: وہ مشغول ہو جائیں
فِیۡ حَدِیۡثٍ: بات میں
غَیۡرِہٖۤ: کسی دوسری
اِنَّکُمۡ: بے شک تم
اِذًا: جب تو
مِّثۡلُہُمۡ: ان کی طرح
اِنَّ اللّٰہَ: بے شک اللہ
جَامِعُ: جمع کرنے والا
الۡمُنٰفِقِیۡنَ: منافقوں کو
وَالۡکٰفِرِیۡنَ: اور کافروں کو
فِیۡ جَہَنَّمَ: دوزخ میں
جَمِیۡعَا: سب کو

وَقَدۡ نَزَّلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الۡکِتٰبِ اَنۡ اِذَا سَمِعۡتُمۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ یُکۡفَرُ بِہَا وَ یُسۡتَہۡزَاُ بِہَا
فَلَا تَقۡعُدُوۡا مَعَہُمۡ حَتّٰی یَخُوۡضُوۡا فِیۡ حَدِیۡثٍ غَیۡرِہٖۤ ۫ۖ اِنَّکُمۡ اِذًا مِّثۡلُہُمۡ ؕ اِنَّ
اللّٰہَ جَامِعُ الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَ الۡکٰفِرِیۡنَ فِیۡ جَہَنَّمَ جَمِیۡعَا ۙ﴿۱۴۰﴾

’’اور بے شک یہ بات قرآن میں تم پر نازل ہو کر ثبت ہو چکی ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جا رہا ہے اور مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو جب تک کہ وہ کوئی اور گفتگو کرنے لگ جائیں ورنہ تو تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے، بے شک اللہ منافقین اور کافروں سبھی کو جہنّم میں جمع کر دے گا‘‘۔

علامہ عبدالرحمان سعدی لکھتے ہیں:

> ’’ہر مکلف پر واجب ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں پر ایمان لائے، ان کی تعظیم کرے اور آیات کا اجلال اور تقدس دل و جاناں سے تسلیم کرے، اسی لیے اس آیت میں مسلمانوں کو قطعی حکم دے دیا گیا کہ جب وہ دیکھیں کہ کسی محفل میں آیتوں کا انکار کیا جاتا ہے یا آیات و شعائر اسلامی کا مذاق اڑایا جاتا ہے تو ایسی مجالس میں مت شرکت کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا انجام بھی انہی کا سا ہو جائے‘‘۔

تربیتی اعتبار سے قرآن مجید کی اس آیت سے ہم یہ اسباق سیکھ سکتے ہیں:

1۔ ہر مسلمان کے شعور اور ادراک میں یہ بات رہنی چاہیے کہ اس کی تربیت کا مرجع قرآن حکیم ہے۔
2۔ مسلمان اس بات کا پابند ہے کہ اپنا وژن قرآن حکیم کے مطابق رکھے، ترقی کی محکم راہ یہی ہے۔
3۔ اللہ کی آیات کو مقدس ماحول میں سننا ان کی اثر پذیری میں اضافہ کر دیتا ہے۔
4۔ وہ ماحول جس سے انکارِ آیات کی حوصلہ افزائی ہوتی ہو اس میں تقدیس پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے وگرنہ اس کا بائیکاٹ ضروری ہے۔
5۔ دین کی مزاحمت جس وقت انکار سے آگے بڑھ کر استہزا اور مذاق تک جا پہنچے اس وقت مسلمانوں کو سر جوڑ کر بیٹھ جانا چاہیے کہ وہ سوچیں منافقین اور مشرکین کا زور کس طرح توڑا

جائے اور وہ کون سی حکمتیں اختیار کی جائیں جن سے مسلمانوں کی نسلیں کفر اور منافقت کی شر سے بچ جائیں۔

6۔ مجلسِ گناہ میں شرکت ارتکابِ گناہ کی مانند ہوتی ہے اگر چہ شریک ہونے والا خاموش شرکت کرے۔ ناتواں کیڑے بھی خود حفاظتی (Self Preservation) کے لیے آخری دم تک کوشاں رہتے ہیں۔

7۔ گناہ اور بدی کا زور توڑنا طاقت سے ممکن نہ ہو تو دل میں نفرت ضرور موجود رہنی چاہیے۔

8۔ غلط میٹنگز میں شرکت گناہوں کی تشویق کا سبب ہوتی ہے اس لیے مسلمانوں کو منفی راہوں پر گزرنے سے بھی گریز کرنا چاہیے۔

9۔ ایسے کفار جو اسلام کو نقصان نہ پہنچائیں ان کے ساتھ نشست و برخاست کو اس آیت نے مباح رکھا۔

10۔ کافرین اور منافقین کی سزا جہنم کے آتشیں شعلے ہیں۔ اسلام اور قرآن ہی کی راہ عزت اور قوت کا راستہ ہے۔

❀❀❀❀❀

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ
مَّعَكُمْ ۖ وَ اِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَ
نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ لَنْ
يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ ع
اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَ اِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ
قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ ۙ
مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَ مَنْ
يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

(141) وہ لوگ جو تمہاری ٹوہ میں لگے رہتے ہیں اگر تو تمہیں فتح اور کامیابی نصیب ہو تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے اور اگر کافروں کو کچھ حصہ مل جائے تو کہتے ہیں کیا تمہارا وزن ہماری وجہ سے نہ تھا اور ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچایا تو اللہ تمہارے درمیان روزِ قیامت فیصلہ فرمائے گا اور اللہ ہر گز مسلمانوں پر کافروں کے غالب آنے کی کوئی راہ نہیں بنائے گا

(142) بے شک منافق لوگ اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں جبکہ وہ ان کے دھوکوں کو نابود کر رہا ہوتا ہے اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو ان کا کھڑا ہونا سستی کے ساتھ ہوتا ہے دکھلاوا کرتے ہیں لوگوں کے لیے اور اللہ کا ذکر تھوڑا ہی کرتے ہیں

(143) یہ لوگ بیچ میں تردّد کا شکار ہوتے ہیں نہ اِن کی طرف مائل اور نہ اُن کی طرف اور جسے اللہ گمراہ کر دے تو ہر گز اس کے لیے کوئی راہ نہیں پائے گا

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَ
اِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾

’’وہ لوگ جو تمہاری ٹوہ میں لگے رہتے ہیں اگر تو تمہیں فتح اور کامیابی نصیب ہو تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے اور اگر کافروں کو کچھ حصہ مل جائے تو کہتے ہیں کیا تمہارا وزن ہماری وجہ سے نہ تھا اور ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچایا تو اللہ تمہارے درمیان روزِ قیامت فیصلہ فرمائے گا اور اللہ ہرگز مسلمانوں پر کافروں کے غالب آنے کی کوئی راہ نہیں بنائے گا‘‘۔

پیر کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں (394):

> ’’منافقین کی دورخی روش کو بے نقاب کیا جا رہا ہے یعنی ان کا کوئی دین نہیں، کوئی عقیدہ نہیں جس کے لیے جینے اور مرنے کی تڑپ ان کے دلوں میں موجود ہو۔ ان کا دین، ان کا کعبۂ مقصود عروسِ دولت ہے۔ اپنا عہد و پیمان توڑنا پڑے، اپنے ضمیر کو کچلنا پڑے پروا نہیں بس دولت ملنی چاہیے، مفاد پورا ہونا چاہیے۔ حق و باطل میں جو کشمکش جاری ہے اس میں سے وہ کسی ایک کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ نہیں کرتے بلکہ اس تاڑ میں رہتے ہیں کہ پلہ کس کا بھاری رہتا ہے اور مالِ غنیمت پر قابض کون ہوتا ہے انہوں نے دوستیاں جتلا کر مفاد پورا کرنا ہوتا ہے‘‘۔

آیت میں ایک خاص چیز قابل ملاحظہ ہے کہ مسلمانوں کی طرف فتح کو منسوب کیا گیا ہے اور کافروں کے لیے ’’نَصِيْبٌ‘‘ کہا گیا ہے۔ اس میں فتح پر تنوین تفخیم کی ہے جس میں معنیٰ عزت، اکرام اور استیلا کا ہے جبکہ کافروں کے لیے ’’نَصِيْبٌ‘‘ لفظ حقارت کے لیے لایا گیا ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ کافروں کے خزانے زیادہ بھی ہوں تو انجام کار کافروں نے ذلیل ہونا ہوتا ہے۔ قرآنی اسلوب کی شہامت نظریاتی فضیلتوں کو خوب چھو رہی ہے۔

’’استحواذ‘‘ کی معنوی وسعت

’’الحوذ‘‘ کسی چیز کو گھیرے میں لے لینا ہوتا ہے۔ راغب وغیرہ نے لکھا کہ جانور کو تیزی سے

مفردات

الَّذِيْنَ: وہ جو
يَتَرَبَّصُوْنَ: انتظار کرتے ہیں
بِكُمْ: تمہارا
فَاِنْ: تو اگر
كَانَ: ہو
لَكُمْ: تمہارے لیے
فَتْحٌ: فتح
مِّنَ اللّٰهِ: اللہ کی طرف سے
قَالُوْۤا: کہتے ہیں
اَلَمْ: کیا نہیں
نَكُنْ: ہم
مَّعَكُمْ: تمہارے ساتھ
وَ اِنْ: اور اگر
كَانَ: ہو
لِلْكٰفِرِيْنَ: کافروں کے لیے
نَصِيْبٌ: کوئی حصہ، کچھ حصہ
قَالُوْۤا: کہتے ہیں
اَلَمْ: کیا نہیں؟
نَسْتَحْوِذْ: قابو تھا ہمارا
عَلَيْكُمْ: تمہارے اوپر
وَنَمْنَعْكُمْ: اور بچا لیا تمہیں
مِّنَ: سے
الْمُؤْمِنِيْنَ: مومنوں سے
فَاللّٰهُ: تو اللہ
يَحْكُمُ: فیصلہ فرمائے گا
بَيْنَكُمْ: درمیان تمہارے
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: قیامت کے دن
وَلَنْ: اور ہرگز نہ

مفردات

یَّجۡعَلَ: دے گا، بنائے گا، کرے گا
اللّٰہُ: اللہ
لِلۡکٰفِرِیۡنَ: کافروں کے لیے
عَلَی: پر
الۡمُؤۡمِنِیۡنَ: مومنین
سَبِیۡلًا: کوئی راہ، راستہ

اِنَّ: بے شک
الۡمُنٰفِقِیۡنَ: منافق لوگ
یُخٰدِعُوۡنَ: دھوکہ دینا چاہتے ہیں
اللّٰہَ: اللہ کو
وَھُوَ: اور وہ
خَادِعُھُمۡ: وہ ان کا فریب باطل کردینے والا ہوتا ہے
وَاِذَا: اور جب
قَامُوۡۤا: کھڑے ہوتے ہیں
اِلَی: طرف
الصَّلٰوۃِ: نماز کے
قَامُوۡۤا: کھڑے ہوتے ہیں
کُسَالٰی: سست سست
یُرَآءُوۡنَ: دکھلاوا کرتے ہیں

ہانکنا بھی ''استحواذ'' ہوتا ہے۔ یہ بھی لکھا گیا ہے کہ جانوروں کی رانوں کے پچھلے حصے کو 'حوذ'' کہتے ہیں۔ ساربان جب اونٹ کو تیز چلاتا ہے تو اس کے پیچھے ہو کر اس کی رانوں اور پشتی پر مارتا ہے۔ اس میں تسلط اور تغلب کا معنیٰ خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے، تسخیر، تسلیط، تذلیل، تغلیب اور تضریب سارے معانی لفظ کی وسعت میں شامل ہیں۔ لفظ کے اندر منافقوں کی معنوی گستاخیوں کو بھی سمو دیا گیا ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ہم نے مسلمانوں کو عزت دلانے میں ساتھ دیا (395)۔

آیت میں منافقوں کی موقع پرستیوں کا سخت نوٹس لیا گیا ہے کہ یہ ابن الوقت قسم کی مخلوق دونوں حوالے سنبھالے ہوئے ہے۔ یہ رفیقِ قافلہ بھی رہتے ہیں اور شریکِ راہزن ہونے کی تاریخ کے بھی مالک ہوتے ہیں۔

آیت کا آخری حصہ

مسلمانوں پر کافروں کے لیے کوئی راہ نہیں، اس میں بزرگوں نے چار باتیں لکھی ہیں (396):

1۔ کافر مسلمان کا وارث نہیں خواہ بیٹا ہو یا بیوی ہو۔
2۔ کافر مسلمان کے حال پر استیلا پا کر مالک نہیں بن سکتا۔
3۔ کافر کو مسلمان غلام کے خریدنے کا مجاز نہیں بنایا گیا۔
4۔ کافر ذمی کے قتل پر مسلمان قتل نہیں کیا جائے گا۔

اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰہَ وَ ھُوَ خَادِعُھُمۡ ۚ وَ اِذَا قَامُوۡۤا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوۡا کُسَالٰی ۙ یُرَآءُوۡنَ النَّاسَ وَلَا یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۱۴۲﴾ۙ مُّذَبۡذَبِیۡنَ بَیۡنَ ذٰلِکَ ٭ۖ لَاۤ اِلٰی ھٰۤؤُلَآءِ وَلَاۤ اِلٰی ھٰۤؤُلَآءِ ؕ وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ سَبِیۡلًا ﴿۱۴۳﴾

''بے شک منافق لوگ اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں جبکہ وہ ان کے دھوکوں کو نابود کر رہا ہوتا ہے اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو ان کا کھڑا ہونا سستی کے ساتھ ہوتا ہے دکھلاوا کرتے ہیں لوگوں کے لیے اور اللہ کا ذکر تھوڑا ہی کرتے ہیں، یہ لوگ بیچ میں تردّد کا شکار ہوتے ہیں، نہ ان کی طرف مائل اور نہ اُن کی طرف اور جسے اللہ گمراہ کر دے تو ہر گز اس کے لیے کوئی راہ نہیں پائے گا''۔

منافقین کی نحوستیں

قرآن مجید کی ان دو آیتوں میں منافقوں کو مزید بے نقاب کیا جا رہا ہے۔ پہلے تو ان کا وہ رویہ بتایا گیا جو وہ جہاد کے دوران اسلامی تحریک سے روا رکھتے اب عمومی زندگی میں ان کی تصویر کشی کی جا رہی ہے۔ منافقین اپنے منحوس مقاصد کی تکمیل کے لیے ہمیشہ دھوکہ اور فریب کا راستہ استعمال کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ پر ایمان کا دعویٰ بھی چلتا رہے اور بیچ بیچ میں سے وہ اس بینار کو بھی

مفردات

اَلنَّاسَ: لوگوں کے لیے
وَلَا يَذْكُرُوْنَ: اور ذکر نہیں کرتے
اللّٰهَ: اللہ کا
اِلَّا قَلِيْلًا: مگر تھوڑا ہی
مُّذَبْذَبِيْنَ: وہ تردّد میں پڑے ہوئے لوگ ہیں
بَيْنَ: بیچ
ذٰلِكَ: وہ
لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ: نہ ادھر کے
وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ: اور نہ دوسری طرف کے
وَمَنْ: اور جیسے
يُّضْلِلِ: گمراہ کر دیتا ہے
اللّٰهُ: اللہ
فَلَنْ: تو ہرگز نہیں
تَجِدَ: پائے گا
لَهٗ: اس کے لیے
سَبِيْلًا: کوئی راستہ

گراتے رہیں۔ منافقوں کا ہر فیصلہ، ہر سوچ اور ہر اقدام خود فریبی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ دھوکہ اور فریب کی ظلمتوں میں رہنے والا شخص کبھی بھی نور کا اُجالا نہیں دیکھ سکتا ہے۔ ایک منافق شخص کا رویہ اس کی زندگی کو اجاڑ دیتا ہے۔ آیت کی روشنی میں منافق کی زندگی کا مطالعہ یوں کیا جاسکتا ہے:

1۔ منافقین دھوکہ اور فریب میں ڈوبے ہوتے ہیں۔ معاشرہ کا کوئی با اعتماد آدمی ان پر اعتماد نہیں کرتا۔ وہ بے ہوا غباروں کی طرح ہوتے ہیں جنہیں بچے بھی مسلتے پھرتے ہیں۔

2۔ آیت بتلاتی ہے کہ وہ خدا اور رسول سے دور لوگ ہوتے ہیں۔ یہ روحانی راز و نیاز کی لذتوں سے محروم ہوتے ہیں۔

3۔ ایسے لوگوں کی نمازیں بھی دھوکہ ہوتی ہیں۔ سست سست یہ نمازوں کی طرف لپکتے ہیں۔ اُوپر نیچے ہو کر بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ بڑے نمازی لوگ ہیں لیکن ان کی عبادت ہُدہُد کی طرح ٹھک ٹھک اور ٹھک ٹھک ہی ہوتی ہے۔

4۔ وہ ہر کام لوگوں کے دکھلاوے کے لیے کرتے ہیں، خدا کی رضا ان کا مقصود نہیں ہوتا۔

5۔ اللہ کے ذکر سے ان کا کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کے دل اللہ کی یاد سے محروم ہوتے ہیں۔ یہ غافل اور بے مقصد زندگی گزارنے والے جنگلی خچر ہوتے ہیں، یہ اگر اللہ کا نام لیں بھی تو اس سے مقصود دھوکہ دینا ہوتا ہے۔

6۔ منافقین کی زندگی ہمیشہ بے ہدف اور بے جہت ہوتی ہے۔ خیر اور بہتری کا کوئی پروگرام ان لوگوں کے ہاں موجود نہیں ہوتا۔ یہ اونچے پہاڑ سے لڑھکتے پتھر کی طرح ہوتے ہیں جس کی رفتار، حرکت اور جہت کا کوئی ہدف نہیں ہوتا ہے۔ یہ نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی ان سے خیر کی توقع رکھی جاسکتی ہے۔

7۔ اللہ نے چونکہ ان سے ہدایت چھین لی ہوتی ہے اس لیے ضلالت اور گمراہی انہیں اپنے حصار میں لے لیتی ہے۔ یہ کسی سمت سے باہر نہیں آسکتے، توفیق سے یہ محروم طبقہ ہوتا ہے۔

8۔ یہ آیت من وجہ یہ اعلان بھی کردیتی ہے کہ راستوں کی کشادگی صرف مخلصین کے لیے ہوتی ہے۔

9۔ آیت میں یہ ہدایت بھی موجود ہے کہ مسلمان نماز چھوڑ نہیں سکتا اور منافق نماز پڑھ نہیں سکتا۔

10۔ ''ذبذب'' ایک مخصوص آواز کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک چیز لٹک رہی ہو اور ہوا اُسے ہلاتی پھرتی ہو، ٹکراؤ سے جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ ''ذبذب'' ہے۔ متردّد ہونا انسانی کردار سے نفی کرنے والا عجیب لفظ ہے۔ ثبات رکھنے والا مومن ہی باکردار ہوسکتا ہے۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ
اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾
اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ
مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾
مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا
عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

(144) اے ایمان والو! ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ، کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے خلاف اللہ کی بارگاہ میں واضح دلیل قائم کرلو

(145) بے شک منافقین نارِ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور تو ان کا ہرگز کوئی مددگار نہ پائے گا

(146) مگر وہ جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور مضبوط رہے اللہ کے ساتھ اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کیا تو یہ اہل ایمان کے ساتھ ہیں اور عنقریب اللہ ایمان والوں کو اجرِ عظیم سے نوازے گا

(147) اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر بجالاؤ اور ایمان لاؤ اور اللہ قدردان علم والا ہے

مفردات

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡكٰفِرِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ؕ اَتُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ عَلَيۡكُمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا ﴿۱۴۴﴾

”اے ایمان والو! ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ، کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے خلاف اللہ کی بارگاہ میں واضح دلیل قائم کرلو“۔

گزشتہ آیات میں منافقین اور کافرین کے نشانات، رویے اور اعمال بیان کیے گئے تھے کہ یہ مخلوقات انسانی معاشرت کو کس طرح تباہ کرتی ہیں۔ اب اس آیت میں خطاب سے مومنین کی طرف عدول ہوا ہے اور انہیں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ وہ اصحاب ایمان کو چھوڑ کر ان لوگوں کو اپنا سہارا اور ٹیک نہ سمجھیں جو ایمان سے محروم ہیں، دوغلے ہیں۔ ”مفادات“ کے بتوں پر چڑھاوے چڑھانے والے ہیں اور ان کے ہر عمل کا راستہ کسی نہ کسی جگہ پہنچ کر شرک کی طرف مڑ جاتا ہے۔ مسلمان اگر اپنا کردار خراب کر کے ان کی دوستی کی طرف اپنا رخ پھیرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ انہوں نے خود اپنے خلاف دلیل قائم کرلی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی شان عدل بیان ہوتی ہے کہ اللہ کسی کو بھی قیام حجت سے پہلے عذاب میں مبتلا نہیں فرمائے گا۔ اصل میں آیت کا عمود تفسیر تحذیر ہے کہ معاصی سے بچا جائے۔ وہ شخص جوان معایب کا ارتکاب کرتا ہے وہ اپنے خلاف خود دلائل کی محکم رسیاں پھیر لیتا ہے (397)۔

اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ فِى الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ‌ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لَهُمۡ نَصِيۡرًا ﴿۱۴۵﴾

”بے شک منافقین نارِ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور تُو ان کا ہرگز کوئی مددگار نہ پائے گا“۔

”درک اسفل“ کی تعبیر

علامہ آلوسی لکھتے ہیں (398):

> ”آتش جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں منافقین ہوں گے اور وہ جہنم کا آخری گڑھا ہے اور جہنم کے کل سات طبقات ہیں: پہلا جہنم، دوسرا لظی ہے، تیسرا حطمہ ہے، چوتھا سعیر ہے، پانچواں سقر، چھٹا جحیم اور ساتواں ہاویہ ہے۔ ہر طبقے کا نام ”الدرک“ ہے اور یہ سب متدارک

يٰۤاَيُّهَا: اے
الَّذِيۡنَ: وہ جو
اٰمَنُوۡا: ایمان لائے ہو
لَا تَتَّخِذُوا: نہ بناؤ
الۡكٰفِرِيۡنَ: انکارحق کرنے والوں کو
اَوۡلِيَآءَ: دوست
مِنۡ: سے
دُوۡنِ: علاوہ
الۡمُؤۡمِنِيۡنَ: ایمان والوں
اَتُرِيۡدُوۡنَ: کیا تم چاہتے ہو
اَنۡ: یہ کہ
تَجۡعَلُوۡا: بنا دو تم
لِلّٰهِ: اللہ کے لیے
عَلَيۡكُمۡ: تم پر یعنی اپنے خلاف
سُلۡطٰنًا: دلیل
مُّبِيۡنًا: کھلی

اِنَّ: بے شک
الۡمُنٰفِقِيۡنَ: منافق لوگ
فِى: بیچ
الدَّرۡكِ: درجے
الۡاَسۡفَلِ: سب سے نچلے
مِنَ النَّارِ: دوزخ سے
وَلَنۡ تَجِدَ: اور تو ہرگز نہیں پائے گا
لَهُمۡ: ان کے لیے
نَصِيۡرًا: مددگار

مفردات

اِلَّا: مگر
الَّذِيْنَ: جولوگ
تَابُوْا: توبہ کی انہوں نے
وَاَصْلَحُوْا: اور اصلاح کی
وَاعْتَصَمُوْا: اور مضبوط تھاما
بِاللّٰهِ: اللہ کی اطاعت کو
وَاَخْلَصُوْا: اور خالص کیا
دِيْنَهُمْ: اپنے دین کو
لِلّٰهِ: اللہ کے لیے
فَاُولٰٓئِكَ: تو یہی ہیں
مَعَ: ساتھ
الْمُؤْمِنِيْنَ: مومنوں کے
وَسَوْفَ: اور عنقریب
يُؤْتِ اللّٰهُ: دے گا اللہ
الْمُؤْمِنِيْنَ: مومنوں کو
اَجْرًا عَظِيْمًا: اجرِ عظیم
مَا يَفْعَلُ: کیا کرے گا
اللّٰهُ: اللہ
بِعَذَابِكُمْ: تمہارے عذاب کے ساتھ
اِنْ: اگر
شَكَرْتُمْ: تم نے شکر ادا کیا
وَاٰمَنْتُمْ: اور تم ایمان لے آئے
وَكَانَ اللّٰهُ: اور ہے اللہ
شَاكِرًا: قدر کرنے والا
عَلِيْمًا: جاننے والا

اور پے در پے ہیں، ساتواں یا اس سے بھی نچلا ''درکِ اسفل'' کہلاتا ہے''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (399):

منافق کو ایک صندوق میں بند کر کے درکِ اسفل میں ڈال دیا جائے گا اور یہ اشد عذاب ہے۔

اسلام کی نظر میں نفاق کفر سے بھی زیادہ گندی چیز ہے اور منافق خدا سے بڑھ کر دور ہے۔ یہ لوگ معاشرے کے بُرے ترین لوگ ہوتے ہیں اس لیے کہ یہ مسلمانوں کی پیٹھ میں چھپ کر خنجر گھونپتے ہیں۔ ان لوگوں کا راستہ گھٹیا، پست، بدبودار، بے وقعت اور آلودہ ہوتا ہے، مسلمانوں کو ان سے بچنا چاہیے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

''مگر وہ جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور مضبوط رہے اللہ کے ساتھ اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کیا تو یہ اہلِ ایمان کے ساتھ ہیں اور عنقریب اللہ ایمان والوں کو اجرِ عظیم سے نوازے گا، اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر بجا لاؤ اور ایمان لاؤ اور اللہ قدر دان علم والا ہے''۔

نفاق کی رسیوں میں جکڑے ہوئے لوگ اگر مراجعت کی طرف لپکنا چاہیں اور نجات کے متمنی ہوں تو چار راستے ہیں جن سے ان کو گزرنا پڑے گا:

- پہلا تو یہ ہے کہ سچے دل سے توبہ انہیں آلودگی سے بچا سکتی ہے، شرط یہ ہے کہ اپنی دوغلی پالیسی کو ترک کریں اور پہلے کرتوتوں پر نادم ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ گزشتہ گناہوں پر ندامت ہی توبہ ہے اور دوسرا یہ بھی کہ آئندہ نیک کاموں میں مشغول ہونے کی ارادت بھی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان سے اگر کوئی بُرا کام ہو جائے تو اس کے بعد نیک کام ضرور کرنا چاہیے تاکہ نیکی سے بدی کا کفارہ ہو جائے (400)۔
- دوسرا راستہ اپنی عملی اصلاح ہے۔ گزشتہ منفی کردار کا تدارک ہے۔ لطفِ الٰہی سے متمسک ہونے کے لیے اصلاحِ اعمال انتہائی ضروری ہے۔
- تیسرا راستہ اعتصام باللہ ہے۔ اللہ کا سہارا مضبوطی سے پکڑ لینا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ

اللہ نے جو اطاعت کا حکم دیا ہے ہر معاملہ میں اس کے حکم پر مضبوطی سے عمل کرنا اور امور گناہ سے خود کو بچانا ہے۔ یہ پابندی ہی اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھامنا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ گزشتہ اُمتیں رسولوں کی مخالفت کی وجہ سے ہلاکت میں پڑ گئیں۔

❁ چوتھا راستہ خلوص کا راستہ ہے۔ دین کو اللہ کے لیے خالص کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر کام اللہ کی رضا کی خاطر کیا جائے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''دین کا جو کام خالص اللہ کے لیے نہ ہو وہ اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتا''۔

آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ لوگ مومنوں کے ہمراہ ہوں گے گویا ان امور پر عمل کی وجہ سے اللہ انہیں ثابت قدم مومنوں کا درجہ نصیب فرمادے گا (401)۔

آخری آیت میں دیکھنے والی چیز یہ ہے کہ شکر کو ایمان سے مقدم رکھا۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ کی نعمتیں اللہ کی معرفت کا ذریعہ ہیں۔ منعم کا خلوص سے شکر ہی ایمانی حقائق کے دروازے کھولتا ہے اور ایمان اور شکر کے ذریعے انسان اللہ کے عذاب سے بچ سکتا ہے۔ اللہ کی صفت اس کا شاکر ہونا ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ حسن نیت، حسن عمل اور حسن شکر کی راہ اختیار کرتے ہیں، اللہ بھی ان کے اعمال کی قدر کرتا ہے اور انہیں جزا دیتا ہے۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾
اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا
قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ
اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ
اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ ﴿۱۵۰﴾
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾

(148) اللہ بُری باتوں کا زبان پر لانا پسند نہیں کرتا البتہ مظلوم جیسا بھی ہو اللہ کی محبت میں ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے

(149) اگر تم کوئی بھلائی کرو ظاہر کر کے یا اسے چھپا لو یا کسی کی بُرائی معاف کر دو، تو بے شک اللہ معاف کرنے والا اور قدرت رکھنے والا ہے

(150) بے شک وہ جو اللہ اور اس کے رسول سے انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ سے اس کے رسولوں کو جدا کریں اور کہیں ہم بعض کو تو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی راہ نکالیں

(151) ایسے لوگ ہی حقیقتاً کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کر دینے والا عذاب رکھا ہے

مفردات

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الۡجَہۡرَ بِالسُّوۡٓءِ مِنَ الۡقَوۡلِ اِلَّا مَنۡ ظُلِمَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیۡعًا عَلِیۡمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنۡ تُبۡدُوۡا خَیۡرًا اَوۡ تُخۡفُوۡہُ اَوۡ تَعۡفُوۡا عَنۡ سُوۡٓءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیۡرًا ﴿۱۴۹﴾

''اللہ بُری باتوں کا زبان پر لانا پسند نہیں کرتا البتہ مظلوم جیسا بھی ہو اللہ کی محبت میں ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے، اگر تم کوئی بھلائی کرو ظاہر کر کے یا اسے چھپالو یا کسی کی بُرائی معاف کردو، تو بے شک اللہ معاف کرنے والا اور قدرت رکھنے والا ہے''۔

ان دو آیتوں میں اسلام اور دین کے اخلاقی احکام بیان کیے گئے ہیں کہ اللہ پسند نہیں کرتا کہ لوگوں کے عیبوں سے برملا پردہ ہٹا دیا جائے یا کسی کے خلاف بدگوئی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ستار العیوب ہے، وہ تو خود لوگوں کے عیبوں پر پردہ ڈالتا ہے وہ کیسے پسند کرسکتا ہے کہ لوگوں کی پردہ دری ہو۔ پردہ پوشی کا فائدہ عیب دار شخص کو پہنچتا ہی ہے لیکن اصل میں تو معاشرہ میں اعتماد کی فضا کو قائم رکھنا اچھے معاشروں کی جان ہوتی ہے۔ اجتماعی رشتوں کا استحکام پردہ پوشی کی خصلت ہی سے ممکن ہوسکتا ہے۔

آیت میں ''سوء'' سے مراد ہر قسم کی بُرائی ہے اور ''جھر'' سے مراد برملا کہنا ہے اور کسی بُرائی کی تشہیر ہے۔ ''مِنَ الۡقَوۡلِ'' سے اشارہ شکایتیں، چغلیاں، محفل گپیاں اور عیب گوئیاں ہیں۔

آیت میں مظلوم آدمی کی استثناء کی گئی ہے کہ مظلوم اپنے دفاع کے لیے شکایت، ظلم کی مذمت اور معاشرتی دباؤ کا طریقہ استعمال کرسکتا ہے اس میں اصل ظلم سے بچنا ہے۔

نیکیوں کو عام کیا جائے یا انہیں چھپایا جائے، حسب موقع بہتر فیصلہ کا جواز ثابت ہے لیکن اس میں بھی اصل معاف کردینے کی حوصلہ افزائی ہے۔

اصل میں معاشرتی اندفاع کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے اس طرح کہ بُرائیوں کے اظہار کے مقابلے میں نیکیوں کا اظہار اور مظلوموں کی طرف سے عفو و درگزر۔ آیتیں معاشرتی حسن کے قیام کو اہم جانتی ہیں اور معاشرہ اعتماد سے معمور رکھتی ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ ۙ وَّیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ حَقًّا ۚ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿۱۵۱﴾

''بے شک وہ جو اللہ اور اس کے رسول سے انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ سے اس

لَا یُحِبُّ: وہ پسند نہیں کرتا
اللّٰہُ: اللہ
الۡجَہۡرَ: آشکار کرے، برملا کہے، ظاہر کرے
بِالسُّوۡٓءِ: بُری باتیں
مِنَ: سے
الۡقَوۡلِ: بات یا باتیں
اِلَّا: ہاں مگر
مَنۡ ظُلِمَ: جو مظلوم ہو
وَکَانَ اللّٰہُ: اور ہے اللہ
سَمِیۡعًا: بہت سننے والا
عَلِیۡمًا: جاننے والا
اِنۡ تُبۡدُوۡا: اگر تم ظاہر کرو
خَیۡرًا: نیکیوں کو
اَوۡ تُخۡفُوۡہُ: یا چھپاؤ اسے
اَوۡ تَعۡفُوۡا: یا تم صرف نظر کرو
عَنۡ سُوۡٓءٍ: بُرائیوں سے
فَاِنَّ اللّٰہَ: تو بے شک اللہ
کَانَ عَفُوًّا: معاف کردینے والا ہے
قَدِیۡرًا: قدرت رکھنے والا، قابو رکھنے والا

اِنَّ: بے شک
الَّذِیۡنَ: وہ جو
یَکۡفُرُوۡنَ: انکار کرتے ہیں
بِاللّٰہِ: اللہ کا
وَرُسُلِہٖ: اور اس کے رسولوں کا
وَیُرِیۡدُوۡنَ: اور ارادہ رکھتے ہیں

کے رسولوں کو جدا کریں اور کہیں ہم بعض کو تو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی راہ نکالیں، ایسے لوگ ہی حقیقتاً کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کردینے والا عذاب رکھا ہے''۔

یہ آیات گزشتہ آیات کی تکمیل کرتی ہیں۔ منافقین کے احوال کے بعد کافرین کے اعتقادی اور عملی احوال کی پردہ کشائی کی جارہی ہے کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں کفر گھس جاتا ہے، ان کی زندگی ظلمتوں میں ڈوب جاتی ہے اور وہ اپنے عقیدوں کو اپنے بکھرے ہوئے وجود کی طرح پارہ پارہ کرلیتے ہیں۔ عقائد میں ان کے جاہلانہ تعصّبات تبعیض پیدا کردیتے ہیں۔ یہودی موسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں لیکن عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں مانتے جبکہ مسلمان تمام مرسلین کو مانتے ہیں۔ آسمانی صحیفوں کے قائل ہیں۔ وہ شخص جو وحی سے دور ہٹتا ہے اپنے دین کو ریزہ ریزہ کرلیتا ہے اور نفسانی ہوا و ہوس اس پر ایسے اپنا تسلط جمالیتی ہے کہ ان کی کوئی چیز بھی درست نہیں رہتی۔ بدقسمت کافرین اگر بعض چیزوں کو تسلیم کر بھی لیں تو ان کی طبیعت اور میلان کا مجموعی کفران کی کسی جزوی تسلیم کو پروان نہیں چڑھنے دیتا۔ قرآن مجید ان بگڑے ہوئے کافروں کے لیے رسوا کن عذاب کی بات کرتا ہے اور ان کے لیے کسی مصلحت آمیزی کو روا نہیں رکھتا بلکہ انہیں پکا کافر قرار دیتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ گناہوں کی جو نوعیت ہوتی ہے سزائیں بھی انہیں ویسی ہی دی جائیں گی۔ بھاری گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کو سزائیں بھی بھاری دی جائیں گی اور ذلیل رویّے رکھنے والوں کی سزائیں بھی رسوا کن ہوں گی۔

❁❁❁❁❁

مفردات

اَنۡ: یہ کہ
یُّفَرِّقُوۡا: تفرقہ ڈالیں، فرق کریں
بَیۡنَ: درمیان
اللّٰہِ: اللہ
وَ رُسُلِہٖ: اور اس کے رسولوں کے
وَ یَقُوۡلُوۡنَ: اور کہتے ہیں
نُؤۡمِنُ: ہم ایمان لاتے ہیں
بِبَعۡضٍ: بعض کے ساتھ
وَّ نَکۡفُرُ: ہم کفر کرتے ہیں
بِبَعۡضٍ: بعض کے ساتھ
وَّ یُرِیۡدُوۡنَ: اور چاہتے ہیں
اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا: یہ کہ بنائیں وہ
بَیۡنَ: درمیان
ذٰلِکَ: اس کے
سَبِیۡلًا: کوئی راہ
اُولٰٓئِکَ: یہی لوگ ہیں
ھُمُ: وہ
الۡکٰفِرُوۡنَ: منکر، کافر
حَقًّا: پکے
وَ اَعۡتَدۡنَا: اور تیار کیا ہے، ہم نے
لِلۡکٰفِرِیۡنَ: کافروں کے لیے
عَذَابًا: عذاب
مُّہِیۡنًا: ذلیل کردینے والا

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ
سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾
يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا
مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ
بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا
عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾

(152) اور وہ جو ایمان لائیں اللہ اور اس کے تمام رسولوں پر اور ان میں سے کسی پر ایمان میں تفریق میں نہ پڑیں تو ایسوں ہی کو عنقریب ان کے صلے ملیں گے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

(153) اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی کتاب اتار دیں جبکہ موسیٰ سے انہوں نے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا بولے کہ ہمیں اللہ کو اعلانیہ دکھلا دو، تو ان کے ظلم کے سبب آسمانی بجلی نے انہیں گرفت میں لے لیا روشن آیات کے آ پہنچنے کے باوجود، انہوں نے بعد ازاں ایک بچھڑے کو معبود بنالیا پھر ہم نے اس سے بھی درگزر کیا اور موسیٰ کو مکمل غلبہ عطا کردیا

مفردات

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: اور وہ جو ایمان لائے
بِاللّٰهِ: اللہ کے ساتھ
وَرُسُلِهٖ: اور مرسلین پر
وَلَمْ يُفَرِّقُوْا: اور نہ فرق ڈالا
بَيْنَ: درمیان
اَحَدٍ: کسی ایک کے
مِّنْهُمْ: ان میں سے
اُولٰٓئِكَ: یہی لوگ ہیں
سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ: عنقریب دے گا انہیں
اُجُوْرَهُمْ: ان کے اجور
وَكَانَ اللّٰهُ: اور ہے اللہ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا: بخشش والا مہربان

يَسْئَلُكَ: آپ سے سوال کرتے ہیں
اَهْلُ الْكِتٰبِ: کتاب والے
اَنْ تُنَزِّلَ: یہ کہ آپ اتار دیں
عَلَيْهِمْ كِتٰبًا: ان پر کتاب
مِّنَ السَّمَآءِ: آسمان سے
فَقَدْ: تو بے شک
سَاَلُوْا: سوال کیا انہوں نے
مُوْسٰٓى: موسیٰ
اَكْبَرَ: اس سے بڑا
مِنْ ذٰلِكَ: اس سے بھی
فَقَالُوْٓا: تو کہنے لگے وہ
اَرِنَا: دکھلا دے ہمیں
اللّٰهَ: اللہ
جَهْرَةً: ظاہر بہ ظاہر
فَاَخَذَتْهُمُ: تو پکڑ لیا انہیں

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾

''اور وہ جو ایمان لائیں اللہ اور اس کے تمام رسولوں پر اور ان میں سے کسی پر ایمان میں تفریق میں نہ پڑیں تو ایسوں ہی کو عنقریب ان کے صلے ملیں گے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

منافقین اور کافرین کی رسوا کن سزائیں بیان کرنے کے بعد ایمان والوں کا مثبت اندازِ فکر بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ ''تفرقہ'' کے قائل نہیں ہوتے اور ان کے میلانات میں نیکیوں کا پورا نظام تسلیم کر لینا ہوتا ہے۔ وہ پریشان حال بکھری ہوئی قوم نہیں ہوتی۔ وہ انبیاء کے مراتب کو بھی مانتے ہیں لیکن تعصّبات کو وہ اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیتے۔ ان کا پاک اور صحالحانہ اندازِ حیات انہیں اللہ سے قریب کر دیتا ہے اور اللہ بھی ان کے لیے غفار الذنوب ہوتا ہے اور ایسا مہربان کہ رحمتوں کے چشمے ہمہ وقت مومنین کے لیے رواں دواں رہتے ہیں۔

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾

''اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی کتاب اتار دیں جبکہ موسیٰ سے انہوں نے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا بولے کہ ہمیں اللہ کو اعلانیہ دکھلاؤ، تو ان کے ظلم کے سبب آسمانی بجلی نے انہیں گرفت میں لے لیا روشن آیات کے آ پہنچنے کے باوجود، انہوں نے بعد ازاں ایک بچھڑے کو معبود بنا لیا پھر ہم نے اس سے بھی درگزر کیا اور موسیٰ کو مکمل غلبہ عطا کر دیا''۔

یہودیوں کا ایک طبقہ رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے ایمان کے لیے یہ شرط رکھ دی کہ اگر آپ اپنی کتاب ایک ہی مرتبہ یک دم اتار کر ہمارے سامنے رکھ دو تو بات بن سکتی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے کہا کہ ان لوگوں کی کٹ حجتیوں کی پرواہ نہ کریں۔ محبوب! یہ اپنے رسول جسے مانتے ہیں یعنی موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑا سوال کر چکے ہیں یعنی اپنے اللہ کو ظاہر بہ ظاہر اور روبرو دکھلا دے پس پھر کیا ہوا اس غیر منطقی مطالبہ اور فرمائش پر آسمانی بجلی نے

مفردات

الصّٰعِقَۃُ: بجلی کے ایک تیز شعلہ نے
بِظُلۡمِهِمۡ: ان کے ظلم یعنی شرک کی وجہ سے
ثُمَّ اتَّخَذُوا: پھر انہوں نے بنالیا
الۡعِجۡلَ: گوسالہ اور بچھڑے کو
مِنۡۢ بَعۡدِ: بعد سے
مَا جَآءَتۡهُمُ: آئی ان کے پاس
الۡبَیِّنٰتُ: نشانیاں، معجزے
فَعَفَوۡنَا: تو درگزر کیا ہم نے
عَنۡ ذٰلِكَ: ان سب باتوں کو
وَاٰتَیۡنَا مُوۡسٰی: اور دی ہم نے موسیٰ کو
سُلۡطٰنًا: حکومت، برتری
مُّبِیۡنًا: کھلی

انہیں اپنے حصار میں لے لیا۔ یہ سب کچھ ان کی مشرکانہ طینت کی وجہ سے ہوا۔ گوسالہ پرستی ان کا مذہبی شعار بن گیا۔ ان کے پاس ہدایت کے تمام نشانات آئے۔ پیغمبرانہ سیرت کی روشنی دیکھی، معجزات کا نور ملاحظہ کیا، کتاب کے علم کی روشنی ہوئی، شفقت ضیا بار ہوئی لیکن ان کا مقدر وہ ہٹ دھرمی اور عناد کی راہ چل پڑے لیکن اس کے باجود آسمان سے معافیاں رحمت بن کر برسیں اور عفوودرگزر نے انہیں موقع دیا کہ وہ بندے بن جائیں۔ ان کی رہبری کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نوازشیں وقف کر دیں۔ ان کی ''سلطان مبین''، یعنی ظاہر حکومت اور روحانی دعوت اور برکتیں قوم کے شامل حال ہوگئیں لیکن وہ لوگ مرکبِ غرور سے نیچے نہ اترے۔ خواب غفلت نے انہیں اپنے دام میں الجھائے رکھا۔

یہ بات سچ ہے کہ ناشکریاں، کٹ حجتیاں، حسد اور عناد انسان کے لیے رحمت کے دروازے بند کر دیتے ہیں۔ عصر رسالت کے یہودیوں پر گرفت ہے اور انہیں اپنے آباؤ اجداد کے راستے پر چلنے سے منع کیا جارہا ہے۔ قرآن کی آواز کان کھولنے کے لیے ہے۔

❀❀❀❀❀

وَرَفَعۡنَا فَوۡقَهُمُ الطُّوۡرَ بِمِيۡثَاقِهِمۡ وَقُلۡنَا لَهُمُ ادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّ
قُلۡنَا لَهُمۡ لَا تَعۡدُوۡا فِی السَّبۡتِ وَاَخَذۡنَا مِنۡهُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ﴿۱۵۴﴾
فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ وَكُفۡرِهِمۡ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتۡلِهِمُ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ
حَقٍّ وَّ قَوۡلِهِمۡ قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ ؕ بَلۡ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيۡهَا بِكُفۡرِهِمۡ فَلَا
يُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۱۵۵﴾ۖ
وَّبِكُفۡرِهِمۡ وَقَوۡلِهِمۡ عَلٰى مَرۡيَمَ بُهۡتَانًا عَظِيۡمًا ﴿۱۵۶﴾ۙ

(154) اور ہم نے ان سے پختہ قرار لینے کے لیے ان پر طور پہاڑ کو بلند کیا اور ہم نے ان سے کہا دروازہ سے سجدہ کرتے ہوئے گزرو اور ہم نے ان سے یہ بھی کہا کہ زیادتی نہ کرو ہفتہ کے دن میں ہم نے ان سے پختہ وعدہ لیا

(155) ان کی سزا کا سبب ان کی عہد شکنی، اللہ کی آیتوں سے انکار، انبیاء کا ناحق قتل اور یہ یاوہ گوئی تھی کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہے بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر کر دی تھی پس تھوڑے ہی لوگ ایمان لائیں گے

(156) اور ان کے کفر اور مریم پر بہتان عظیم باندھنے کے سبب

مفردات

وَ رَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَ قُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾

''اور ہم نے ان سے پختہ قرار لینے کے لیے ان پر طور پہاڑ کو بلند کیا اور ہم نے ان سے کہا دروازہ سے سجدہ کرتے ہوئے گزرو اور ہم نے ان سے یہ بھی کہا کہ زیادتی نہ کرو ہفتہ کے دن میں ہم نے ان سے پختہ وعدہ لیا''۔

قرآن مجید کی اس آیت میں تاریخِ بنی اسرائیل کے چار مناظر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

- ایک تو طور کو ان کے سروں پر معلق کر کے ان سے عہد و پیمان لیا گیا تا کہ ان میں سے انابت کی نشوونما کا سلسلہ آگے بڑھے۔
- دوسرا منظر بیت المقدس کے دروازے سے سجدہ کناں گزرنے کا ہے۔ کہا گیا ہے کہ عاجزی اور عبادت کی روح کے ساتھ دروازے سے داخل ہو جاؤ اور معافی مانگو۔
- تیسرا منظر یہ ہے کہ انہیں تاکید کی گئی تھی کہ ہفتہ کے روز کسب و کار سے دست کش رہا کریں۔ اس دن کو اللہ کے ذکر اور عبادت کے لیے خاص کریں اور اللہ کے حکم سے تجاوز نہ کریں، خصوصی طور پر دریائی مچھلی کا شکار نہ کریں لیکن بنی اسرائیل نے حکم عدولی کی راہ اپنالی اور ہفتہ کے دن کا تقدس نہ مانا اور بیعت و پیمان سے سرکشی برت بیٹھے۔
- اور چوتھا منظر میثاق بنی اسرائیل کے نام سے معروف ہے۔ شاید یہ وہ دس وصیتیں ہیں جو تاریخ میں شہرت رکھتی ہیں اور سورۃ البقرہ میں بھی اس میثاق کا ذکر موجود ہے۔

آیت کا عمود یہودیوں کی تذکیر ہے۔ انہیں ان کی عظیم تاریخ یاد کروا کر سمجھایا جا رہا ہے کہ قانون شکنیاں، عداوتیں اور حسد اور عمل سے جی چرانا انسانوں کو تباہ کرنے والے اعمال ہیں، ان سے بچنا ہی مذہب کا روحانی تقاضا ہے جس کی تکمیل چاہیے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَ كُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ قَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ قَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّ بِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾

''ان کی سزا کا سبب ان کی عہد شکنی، اللہ کی آیتوں سے انکار، انبیاء کا ناحق قتل اور یہ یاوہ گوئی تھی کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہے بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر کر دی

وَ رَفَعْنَا: اور بلند کیا ہم نے
فَوْقَهُمُ: ان کے اوپر
الطُّوْرَ: طور پہاڑ کو
بِمِيْثَاقِهِمْ: عہد و پیمان کے لیے
وَ قُلْنَا: اور کہا ہم نے
لَهُمُ: ان سے
ادْخُلُوا: داخل ہو جاؤ
الْبَابَ: دروازہ
سُجَّدًا: سجدہ کناں
وَّ قُلْنَا: اور کہا ہم نے
لَهُمْ: ان سے
لَا تَعْدُوْا: تجاوز نہ کرو
فِي: میں
السَّبْتِ: ہفتہ والے دن
وَ اَخَذْنَا: اور لیا ہم
مِنْهُمْ: ان سے
مِّيْثَاقًا: پختہ عہد
غَلِيْظًا: بہت ہی پکا

فَبِمَا: تو ان کے اس سبب سے
نَقْضِهِمْ: ان کے توڑنے کی وجہ سے
مِّيْثَاقَهُمْ: ان کے عہد و پیمان کو
وَ كُفْرِهِمْ: اور ان کے کفر کے سبب
بِاٰيٰتِ: آیتوں سے
اللّٰهِ: اللہ کی

تھی پس تھوڑے ہی لوگ ایمان لائیں گےاور ان کے کفر اور مریم پر بہتان عظیم باندھنے کے سبب''۔

تاریخ کے اوراق جس طرح یہودی کردار کی ظلمتوں کی کہانی بیان کرتے ہیں قرآن حکیم دیانت اور احتیاط کے ساتھ اس کریہہ داستان کو بیان کرتا ہے۔ اصل میں ایک قوم جس طرح تفرقہ اور ایمان میں تبعیض کا شکار ہوئی اور قانون شکنی کی راہ چلی اور تباہ کاریاں انسانی تاریخ کا حصہ بنیں ان کا جاننا انتہائی ضروری ٹھہرا اس لیے کہ آنے والوں کا مستقبل ظلمتوں سے بچایا جائے۔

یہ آیت ''فَبِمَا'' سے شروع ہوئی ہے۔ حرف ''با'' سببیت کے لیے استعمال ہوا یعنی اشارہ اس طرف ہوا کہ یہودیوں کو صرف ایک سبب کی بنا پر گرفت میں نہیں لیا گیا بلکہ اس کی وجوہات کئی تھیں۔

پہلی وجہ اور سبب ان کی نقیضانہ طبیعت اور فطرت تھی۔ وصیتوں اور نصیحتوں کا عجالہ پارہ پارہ کر دینا، بکھیر دینا، دستور ترقی کو پھاڑ دینا اور تفرقہ کا شکار ہو جانا تھا، اس پر مزید یہ کہ وہ کسی مصلح کی صالحانہ قیادت کے قائل بھی نہ تھے، انہیں اگر کوئی اچھی بات سمجھاتا تو وہ کہتے: ''ہمارے دل پردے میں ہیں''۔ سوچ کے دونوں انداز غلط تھے۔ یہ بھی کہ ہم بڑے مقدس لوگ ہیں ہمارے دل میں کسی اور کی کوئی بات اتر ہی نہیں سکتی۔ ہم مغلوف القلوب ہستیاں ہیں اور ایسا سوچنا بھی حماقت ہی تھی کہ ہم مجبور ہیں، ہمیں کوئی بات سمجھ ہی نہیں آتی۔ یہ ذمہ داریوں کو قبول کرنے سے فرار کی راہ ہے۔ قرآن مجید ان کے جرائم کا حوالہ دے کر کہتا ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر ماردی ہے۔ اب تھوڑے سے ہی لوگ ہیں جو ہٹ دھرمی کی راہ نہیں چلے اور ان کی طبیعت ابھی مسخ نہیں ہوئی۔

اب قرآن حکیم ان کے الزامات نو کا تعاقب کرتا ہے کہ ان کے کفر کی نوعیت میثاق نامہ کو درہم برہم کرنا ہی نہیں تھی وہ تلبیسِ تاریخ اور تلبیسِ صدق کے جرم کا بھی ارتکاب کر رہے تھے۔ انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو بھی نہ چھوڑا، ان پر الزام دے مارا۔ مریم معمولی خاتون نہ تھیں وہ ایک عظیم پیغمبر کی والدہ تھیں۔ انہیں اللہ نے حضرت مسیح کی بشارت دی۔ بلاشبہ وہ کنواری تھیں لیکن بشارت تو بشارت ہوتی ہے۔ عقل نارسا معجزات اور کرامات کی نورنوازیوں سے چھلکے نہیں اتار سکتی۔ وضع حمل کا وقت آیا تو آپ باہر ویرانے میں چلی گئیں۔ بچہ پیدا ہوا تو آپ پر تھوڑی گھبراہٹ طاری ہوئی۔ اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ جب کوئی آپ پر زبانِ طعن دراز کرے تو خود چپ ہو جائیں اور نومولود بچہ کی طرف اشارہ کر دیں۔ آپ یروشلم پہنچیں تو بے درد تاریخ آپ کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ معاملہ یوں ہی ہوا جب الزام کا طوفان اٹھا تو بچہ خود بول اٹھا جبکہ ان کی عمر چند ساعتیں ہوئی تھی۔

مفردات

وَقَتۡلِهِمُ: اور ان کے قتل کے سبب
الۡاَنۡۢبِيَآءَ: نبیوں کو
بِغَيۡرِ حَقٍّ: ناحق
وَّقَوۡلِهِمۡ: اور ان کے اس قول کے سبب
قُلُوۡبُنَا: دل ہمارے
غُلۡفٌ: پردوں میں ہیں
بَلۡ طَبَعَ: بلکہ مہر کردی
اللّٰهُ: اللہ
عَلَيۡهَا: ان پر
بِكُفۡرِهِمۡ: ان کے کفر کے سبب
فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ: تو ایمان نہیں لاتے
اِلَّا قَلِيۡلًا: مگر بہت تھوڑے
وَّبِكُفۡرِهِمۡ: اور ان کے انکار حق کی وجہ سے
وَقَوۡلِهِمۡ: اور ان کی اس بات کے لیے
عَلٰى: پر
مَرۡيَمَ: مریم
بُهۡتَانًا: بہتان
عَظِيۡمًا: بڑا

اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ ۟ؕ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیۡ نَبِیًّا

چاہیے تو یہ تھا کہ معجزہ کی روشنی ان کے دلوں، روحوں اور آنکھوں کو منور کر دیتی لیکن وہ ضلالت اور گمراہی کی طرف چل نکلے۔ قرآن کی اصل گرفت ان جرائم پر ہے:

1۔ میثاقِ آسمانی کو بکھیر کر تفرقہ کا شکار ہو جانا

2۔ اللہ کی آیات سے انکار کر کے فطرت کو مسخ کر دینا

3۔ تاریخ کے روشن میناروں سے روشنی حاصل نہ کرنا

4۔ انبیاء اور ان کے غلاموں کو ناحق قتل کرنے کی طرف بڑھنا

5۔ کٹ حجتیاں کرنا، مذاق اڑانا اور کہنا دل پردے میں ہیں

6۔ ایمان کے سرچشموں کی ناقدری کرنا

7۔ ظالموں کا ساتھی بن جانا اور سچوں کا ساتھ نہ دینا

8۔ اور مریم جیسی ہستیوں پر الزامات دھرنا

9۔ معجزات اور کرامات نہ ماننا

10۔ اور جستجوِ حق کے مواقع ضائع کر دینا۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَ مَا
قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ
شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ ﴿١٥٧﴾
بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٥٨﴾
وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۚ ﴿١٥٩﴾

(157) اور ان کے یہ کہنے پر کہ ہم نے مریم کے بیٹے مسیح عیسیٰ کو قتل کر دیا ہے جو اللہ کے رسول تھے حالانکہ انہوں نے نہ تو انہیں قتل کیا اور نہ سولی چڑھایا لیکن ان کے لیے صورت شبیہہ بنا دی گئی اور بے شک وہ لوگ جو اس بارے میں مختلف باتیں کرتے ہیں وہ شک میں پڑ گئے ہیں، انہیں اس بارے میں سوائے توہمات کی پیروی کے یقینی علم حاصل نہیں اور انہوں نے یقیناً عیسیٰ کو قتل نہیں کیا

(158) بلکہ انہیں اللہ نے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے

(159) اور اہل کتاب میں سے کوئی نہیں بچے گا مگر عیسیٰ پر اس کی موت سے پہلے ایمان لائے گا اور قیامت کے دن وہ ان سب پر گواہی گزارنے والے ہوں گے

مفردات

وَّقَوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ وَلٰكِنۡ شُبِّهَ لَهُمۡ ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ ؕ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ يَقِيۡنًا ۙ ﴿۱۵۷﴾ بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا ﴿۱۵۸﴾

’’اوران کے یہ کہنے پر کہ ہم نے مریم کے بیٹے مسیح عیسیٰ کو قتل کر دیا ہے جو اللہ کے رسول تھے حالانکہ انہوں نے نہ تو انہیں قتل کیا اور نہ سولی چڑھایا لیکن ان کے لیے صورت شبیہہ بنا دی گئی اور بے شک وہ لوگ جو اس بارے میں مختلف باتیں کرتے ہیں وہ شک میں پڑ گئے ہیں، انہیں اس بارے میں سوائے توہمات کی پیروی کے یقینی علم حاصل نہیں اور انہوں نے یقیناً عیسیٰ کو قتل نہیں کیا، بلکہ انہیں اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے‘‘۔

قرآن مجید کا ایک اہم حصہ

یہودی افکار سوزی کی خوفناک تاریخ رکھتے ہیں۔ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی دعوتی تاریخ کے ساتھ قبول نہ کر سکے اور الزامات کا طوفان اٹھالیا۔ قتل مقاتلہ کے وہ ماہر فسوں کار تھے۔ انہوں نے منصوبہ بندی یا استہزا سے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے حالانکہ یہ بات قطعی تھی کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ انہوں نے مسیح کو ہرگز قتل نہیں کیا اور نہ ہی انہوں نے مسیح کو سولی پر چڑھایا ہے۔

مسیح قتل نہیں ہوئے

قرآن مجید اس بات پر زور دیتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے قتل نہیں کیا اور سولی پر بھی انہوں نے نہیں چڑھایا۔ اصل میں ایک ایسا شخص جو عیسیٰ علیہ السلام سے مشابہت رکھتا تھا اسے انہوں نے سولی پر چڑھا کر حقیقت کو مسخ کرنے کا فسوں رچالیا۔ وہ تلبیس کی مکدر فضا میں ایسے الجھے کہ ان کا من شک کے گرداب میں پھنس گیا۔ یہودی تو فسوں کار قوم تھی عیسائی خود بھی بھٹک گئے کہ مسیح سولی پر چڑھ گئے ہیں۔ قرآن کی ایمانی تعلیم غبار کو دور کرتی ہے اور صاف اور دوٹوک انداز میں سمجھاتی ہے کہ تحقیقی اور علمی ریسرچ یہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور انہیں اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا ہے۔

قرآنی اسلوب کی شہامت

1۔ قرآن مجید اہل کتاب کے دعویٰ کا ذکر کرتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے مسیح عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے۔ اس سے اس خونی قوم کا جو نقشہ ابھرتا ہے وہ انسانیت اور حقانیت کے قتل کا

وَّقَوۡلِهِمۡ: اوران کے قول
اِنَّا: بے شک ہم نے
قَتَلۡنَا: ہم نے قتل کیا
الۡمَسِيۡحَ: مسیح
عِيۡسَى: عیسیٰ
ابۡنَ: بیٹا
مَرۡيَمَ: مریم کا
رَسُوۡلَ: رسول
اللّٰهِ: اللہ کا
وَمَا: اور نہیں
قَتَلُوۡهُ: قتل کیا اُسے
وَمَا: اور نہیں
صَلَبُوۡهُ: سولی چڑھایا اُسے
وَلٰكِنۡ: اور لیکن
شُبِّهَ: مشتبہ کر دی گئی
لَهُمۡ: اُن کے لیے
وَاِنَّ الَّذِيۡنَ: اور بے شک وہ جو
اخۡتَلَفُوۡا: اختلاف کیا جنہوں نے
فِيۡهِ: اس میں
لَفِىۡ شَكٍّ: شک میں ہیں
مِّنۡهُ: ان کے متعلق
مَا لَهُمۡ: نہیں ان کے لیے
بِهٖ: ساتھ اس کے
مِنۡ عِلۡمٍ: علم سے
اِلَّا: مگر
اتِّبَاعَ: پیروی کرتے ہیں
الظَّنِّ: ظن اور گمان
وَمَا: اور نہیں

قَتَلُوْهُ: قتل کیا اُنہیں
يَقِيْنًا: یقینی طور پر
بَلْ: بلکہ
رَّفَعَهُ اللّٰهُ: اللہ نے اٹھایا
اِلَيْهِ: اپنی طرف
وَكَانَ اللّٰهُ: اور اللہ ہے
عَزِيْزًا: غالب
حَكِيْمًا: حکمت والا

نقشہ ہے۔ ساتھ ہی معاً قرآن مجید ان کے جھوٹا ہونے کا اعلان کر دیتا ہے کہ انہوں نے مسیح کو قتل کیا ہے نہ سولی چڑھایا ہے۔

2۔ قرآن مجید نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حقائق کو مذہبی اور روحانی زبان کا اعزاز دے دیا ہے یہ کہ عیسیٰ اللہ کے رسول تھے، وہ مریم کے بیٹے تھے، وہ اللہ کے بیٹے نہیں تھے، وہ سراپائے اعجاز تھے۔ ان کی دعوت اللہ کی رضا سے مربوط تھی۔ مسیح بھی وہی تھے وہ مقتول اور مصلوب نہیں وہ یقیناً اللہ کی طرف اٹھا لیے گئے ہیں۔

3۔ قرآن مجید اپنے اسلوب میں اپنے قاری کو فکری سفر کراتا ہے مثلاً ان الفاظ کا برجستہ استعمال عیسائی حقیقت حال سے "مشابہت" کی وجہ سے نہ پہنچ سکے۔ اختلاف میں پڑنے والے شک کی وادی میں سرگرداں ہو گئے۔ ان کے پاس ٹھوس علم کا سرچشمہ نہیں تھا وہ لوگ اپنی بدقسمتی سے گمانوں کے لشکر کی پیروی کرتے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ ہونا ایک یقینی امر ہے۔ شک، گمان، شبہ، علم اور یقین کا مطالعہ قرآنی ادب کے طالب علم کے لیے دلچسپ ہے۔

4۔ قرآنی افکار تاریخ کے سچا اور جھوٹا ہونے کا درایتی منہاج رکھتے ہیں۔ صحیح لوگ وہی ہوتے ہیں جو اس میزان کو ٹوٹنے نہیں دیتے۔

5۔ اہل علم اور روحانیت کا اس پر اجماع ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا ہے۔ قادیانیت ایسے مذہب رکھنے والے لوگ اہل زمین کے ناسور ہیں، اللہ تعالیٰ زمین کو اس گند سے صاف فرمائے۔

وَ: اور
اِنْ: نہیں (معناً)
مِّنْ: سے
اَهْلِ الْكِتٰبِ: اہل کتاب
اِلَّا: مگر
لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ: وہ ضرور ایمان لے آئے گا اس کے ساتھ
قَبْلَ: پہلے
مَوْتِهٖ: اس کے موت سے
وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ: اور قیامت کے دن
يَكُوْنُ: وہ ہوگا
عَلَيْهِمْ: ان پر
شَهِيْدًا: گواہ

وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۚ﴿۱۵۹﴾

"اور اہل کتاب میں سے کوئی نہیں بچے گا مگر عیسیٰ پر اس کی موت سے پہلے ایمان لائے گا اور قیامت کے دن وہ ان سب پر گواہی گزارنے والے ہوں گے"۔

یہ آیت تفسیری ادب سے آئینۂ حق میں اتر کر مختلف زاویوں میں بکھر گئی ہے۔ آیت میں ضمائر کا ایک مخفی نظام ہے جس نے سورۃ النساء کی روحانیت، معنویت اور پیغام میں اضافہ کر دیا ہے۔

تفسیر کی پہلی جہت یہ ہے اور اسی کو سید قطب وغیرہ مفسرین نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

"ہر وہ شخص جو اہل کتاب میں سے ہے مسیح کی موت سے
پہلے ان پر ایمان لے آئے گا۔ یہ وقت وہ ہوگا جب
انسان موت کی دہلیز پر حاضر ہو رہا ہوتا ہے۔ بلا شبہ اس

وقت اس دنیا سے اس کا ربط ضبط ٹوٹ رہا ہوتا ہے اور حجابات ختم کر دیے جاتے ہیں، اس روز اگلے جہان کے نشانات روشن ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ اس موقع پر اہل کتاب کو مقام مسیح سے باخبر کر دیا جاتا ہے اور وہ ایمان ایمان پکارتے ہیں۔ ان کے منکر اس وقت مومن ہو جاتے ہیں لیکن اس وقت کا ایمان معتبر نہیں ہوتا۔ یہ ایمان فرعون کے ایمان ایسا ہوتا ہے" (402)۔

تفسیر کی دوسری جہت وہ ہے جس کی طرف حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا:

"ہر اہل کتاب عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ اللہ کے ہاں زندہ ہیں اور ان کا جب نزول ہوگا تو تمام اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے آیت میں اشارہ اسی جانب ہے" (403)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا (404):

"اللہ کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ زمانہ قریب ہے جب تم میں عیسیٰ علیہ السلام حاکم عادل بن کر اتریں گے۔ وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ اٹھا دیں گے۔ وہ اتنا مال بہائیں گے کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا۔ اس وقت لوگوں کے لیے ایک سجدہ دنیا ومافیہا سے بہتر ہوگا"۔

ایک دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا (405):

"میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر جہاد کرتا رہے گا۔ وہ قیامت تک غالب رہیں گے، یہاں تک کہ عیسیٰ اتریں گے تو اس گروہ کے امیر مہدی ان سے کہیں گے کہ آیئے آپ ہمیں نماز پڑھائیں، وہ کہیں گے نہیں امام تمہی میں سے رہے گا۔ یہ اللہ کی طرف سے اس اُمت کا اعزاز ہے"۔

❁❁❁❁❁

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ لَهُمۡ وَ
بِصَدِّهِمۡ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ۙ﴿۱۶۰﴾
وَّ اَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَ اَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ
بِالۡبَاطِلِ ؕ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۱۶۱﴾
لٰكِنِ الرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ مِنۡهُمۡ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ
اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ وَالۡمُقِيۡمِيۡنَ الصَّلٰوةَ وَالۡمُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ
وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤۡتِيۡهِمۡ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ع ﴿۱۶۲﴾

(160) تو یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر پاک چیزیں حرام کر دیں جو ان کے لیے حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ راہِ خدا سے کثرت کے ساتھ روکتے تھے

(161) اور ان کی سود خوری کی وجہ سے جبکہ انہیں اس سے منع کیا گیا تھا اور اس بنا پر کہ وہ لوگوں کے اموال ناحق کھاتے تھے اور ان میں سے منکرین کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے

(162) لیکن ان میں سے علم میں پختگی رکھنے والے اور وہ لوگ جو آپ پر نازل ہونے والے صحیفۂ نور پر ایمان رکھتے ہیں اور اسے بھی مانتے ہیں جو آپ سے پہلے اترا اور نماز قائم کرنے والے اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں اور ایمان رکھنے والے ہیں اللہ کی توحید پر اور یومِ آخرت پر تو ایسے لوگوں کو ہم اجرِ عظیم سے نوازیں گے

مفردات

فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِیۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَیۡهِمۡ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ لَهُمۡ وَ بِصَدِّهِمۡ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ کَثِیۡرًا ﴿۱۶۰﴾

''تو یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر پاک چیزیں حرام کردیں جو ان کے لیے حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ راہ خدا سے کثرت کے ساتھ روکتے تھے''۔

ظلم کی کارستانیاں

آیت میں ''فا'' تعقیقیہ ہے اور ''با'' سبب کا ہے۔ یہود کی تاریخ کو ظلم نے ہلا کر رکھ دیا۔ قرآن مجید کا ہدف تاریخ بیانی نہیں بلکہ ظلم کی کارستانی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بدبخت قوم مزاجاً ظالم تھی۔ راہبر جو ان کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے وہ عظیم المرتبت تھے لیکن ان کا نفسانی آئیڈیل فرعون تھا۔ ان کے مراسم ظلم نے ان کی سوچوں کو ظلمانی کردیا۔ قرآن مجید نے ظلم کا اطلاق کفر، شرک، کبیرہ گناہ، صغیرہ گناہ، لغزش، غلطی، خطا اور کسی کے حق مارنے پر کیا ہے۔ یہ لوگ ان سارے ہی گناہوں اور ظلمتوں کی گرفت میں آگئے تھے۔ اس وقت بھی دنیا میں انسان سوزی، انسانیت سوزی اور اقدار سوزی کا کام یہودی ہی کررہے ہیں۔ گہری سازشیں، قومی تباہیاں اور اخلاق باختگی کے عفریت انہوں ہی نے پال رکھے ہیں۔ یہودیت کے پیٹ سے جو جرائم پیدا ہوئے ہیں قرآن مجید ان کی نشان دہی کرتا ہے:

1۔ قتل وغارت
2۔ عقیدہ سوزی
3۔ منافقت کی نشوونما
4۔ مسلمان کشی
5۔ جنسی تحرک
6۔ یزداں فروشی اور شرک کی تبلیغ
7۔ حرام خوری اور حرام کاری
8۔ اللہ کی راہ سے روکنا
9۔ سود اور ربوا پر مشتمل نظام کا احیا
10۔ معاشی تابکاری جو انسان کے سکون تباہ کردے

قرآن مجید واشگاف اعلان کرتا ہے کہ ظلم انسان سے ایمان چھینتا ہے اور اس کے بعد اکل حلال کی

فَبِظُلۡمٍ: تو ظلم کی وجہ سے
مِّنَ: سے
الَّذِیۡنَ: وہ جو
هَادُوۡا: یہودی ہوئے
حَرَّمۡنَا: حرام کردیا ہم نے
عَلَیۡهِمۡ: ان پر
طَیِّبٰتٍ: پاکیزہ چیزیں
اُحِلَّتۡ: جو حلال ہوئیں
لَهُمۡ: ان کے لیے
وَ بِصَدِّهِمۡ: اور ان کے روکنے کے سبب سے
عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ: اللہ کی راہ سے
کَثِیۡرًا: بہت لوگوں کو

مفردات

وَّ: اور
اَخۡذِهِمُ: ان کے لینے کی وجہ سے
الرِّبٰوا: سود
وَقَدۡ نُهُوۡا: اور انہیں منع کیا گیا تھا
عَنۡهُ: اس سے
وَاَكۡلِهِمۡ: اور ان کے کھانے کی وجہ سے
اَمۡوَالَ: اموال
النَّاسِ: لوگوں کے
بِالۡبَاطِلِ: باطل طریقے سے
وَاَعۡتَدۡنَا: اور تیار رکھا ہے ہم نے
لِلۡكٰفِرِيۡنَ: کافروں کے لیے
مِنۡهُمۡ: ان میں سے
عَذَابًا: عذاب
اَلِيۡمًا: دردناک

برکتیں ختم کرتا ہے اور طیّبات سے طبیعت کے اندر نفور جنم لیتا ہے۔ حرام خوری ہی کے پیٹ سے پھر حرام کاری پیدا ہوتی ہے، پھر کالی طبیعتوں کے من اور باطن چور لوگ اللہ کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دیکھا جائے تو ''یزید'' کی تباہیاں ان ہی جرائم کی وجہ سے پیدا ہوتی تھی۔ مسلمانوں کو قرآن حکیم ''طیبات'' اور ''طیبون'' کی تاریخ سے قریب کرتا ہے لیکن لوگوں کی بدبختی کہ وہ خبائث ہی کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ صحرائے کربلا میں دقت نظر سے اس فلسفہ کو سمجھا جا سکتا ہے۔ کثرت تو یزیدی تھی کم لوگ تھے جو اہل بیت کی پاکیزہ تاریخ یاد رکھ سکے تھے۔

آیت کا عمومی مفہوم

آیت میں طیّبات کی حرمت کی بات کی گئی ہے۔ یہ وہ اشارہ ہے جو سورۃ الانعام میں موجود ہے:

''ہم نے یہودیوں کے ظلم وستم کی وجہ سے ہر جانور جس کا
سُم پھٹا ہوا نہ ہو ان پر حرام قرار دے دیا نیز گائے اور
بھیڑ بکری کی چربی بھی کہ جس سے انہیں لگاؤ تھا ان پر
حرام کر دی مگر اس کا وہ حصہ جو جانور کی پشت یا آنتوں
کے اطراف میں ہو یا ہڈی کے ساتھ ملا ہو'' (406)۔

یہ حرمت تشریعی اور قانونی تھی تکوینی نہیں تھی یعنی شرعی طور پر انہیں ان سے روک دیا گیا تھا۔ حرمت بہرحال ان کے سب لوگوں کے لیے تھی وجہ صرف ظالم بنے تھے۔ جب آئین پر عمل جو کامیابیاں دیتا ہے ان سے محروم تو کسی کو نہیں رکھا جا سکتا۔

وَّ اَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَ اَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ ؕ وَ اَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۱۶۱﴾

''اور ان کی سودخوری کی وجہ سے جبکہ انہیں اس سے منع کیا گیا تھا اور اس بنا پر کہ وہ لوگوں کے اموال ناحق کھاتے تھے اور ان میں سے منکرین کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے''۔

آیت میں تین واضح اشارے

1۔ سود حرام ہے اور اس کی خباثتیں تمام مذاہب میں مسلّمہ ہیں، یہاں تک کہ یہودیوں کے ہاں بھی سود حرام ہی تھا لیکن یہ بدبخت قوم انسانی سکون کو تباہ کرنے والے اس نظام کی مویدّ ہو گئی اور آج بھی تباہی کا یہ مہلک کھڈا ویرانیاں مچائے ہوئے ہے۔

2۔ مذہبی قیادتوں کی تباہی کے لیے دوسرا ذریعہ معین کیا گیا ہے کہ لوگوں کے اموال باطل

مفردات

لٰكِنِ: لیکن
الرّٰسِخُوْنَ: پکے اور پختہ لوگ
فِي الْعِلْمِ: علم میں
مِنْهُمْ: ان میں سے
وَالْمُؤْمِنُوْنَ: اور ایمان والے
يُؤْمِنُوْنَ: ایمان لاتے ہیں
بِمَآ: ساتھ اس کے جو
اُنْزِلَ: اترا
اِلَيْكَ: آپ کی طرف
وَمَآ: اور جو
اُنْزِلَ: اترا
مِنْ: سے
قَبْلِكَ: آپ سے پہلے
وَالْمُقِيْمِيْنَ: اور قائم کرنے والے
الصَّلٰوةَ: نماز کو
وَالْمُؤْتُوْنَ: اور دینے والے
الزَّكٰوةَ: زکوٰۃ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ: اور ایمان لانے والے
بِاللّٰهِ: ساتھ اللہ
وَالْيَوْمِ: اور دن
الْاٰخِرِ: پچھلے
اُولٰٓئِكَ: یہی لوگ ہیں
سَنُؤْتِيْهِمْ: عنقریب ہم دیں گے انہیں
اَجْرًا: اجر
عَظِيْمًا: عظیم، بڑا

طریقے سے کھانا، لوگوں کے ساتھ معاملات میں امانت کو اجاڑ دینا مذہب و ملک کو تباہ کرتا ہے۔ کبھی وہ قیادت ملک کے عروج کا ذریعہ نہیں بن سکتی جو مالی لحاظ سے کرپٹ ہو۔ ہمارے دور میں خادمی فرقہ اس ناسور کے ہاتھوں تباہ ہوا۔

3۔ اعلان ہوا کہ کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے لیکن قرآن نے یہودیوں کی مخالفت بحیثیت قوم نہیں کی صرف آلودہ گناہ لوگوں کی مذمت کی گئی۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾

"لیکن ان میں سے علم میں پختگی رکھنے والے اور وہ لوگ جو آپ پر نازل ہونے والے صحیفۂ نور پر ایمان رکھتے ہیں اور اسے بھی مانتے ہیں جو آپ سے پہلے اترا اور نماز قائم کرنے والے اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں اور ایمان رکھنے والے ہیں، اللہ کی توحید پر اور یومِ آخرت پر تو ایسے لوگوں کو ہم اجرِ عظیم سے نوازیں گے"۔

اس آیت میں چند لوگوں کو مستثنیٰ قرار دے کر ان کی تعریف کی جارہی ہے اور انہیں اجر عظیم کا مستحق قرار دیا جارہا ہے۔ سب سے پہلے تو ان لوگوں کا ذکر ہوا ہے جو علم و دانش میں راسخ، مضبوط اور پختہ ہیں۔ اس امر کی بھی وضاحت کردی گئی کہ رسوخ فی العلم انہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جن کا ایمان اللہ پر اور وحی پر مضبوط ہوتا ہے۔ وہ منزل من اللہ وحی کو دل و جان سے تسلیم کرتے ہیں اور کردار کی شہامت، عظمت اور مضبوطی بھی ان کا شعار زندگی ہوتا ہے۔ وہ لوگ نماز قائم کرنے والے ہوتے ہیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی روشنی بن کر ان کی زندگی کو لطیف بنائے ہوتی ہے۔ اللہ پر ایمان ان کے اندر رسوخ پیدا کرتا ہے جبکہ ایمان بحثوں، مناظروں اور کٹ حجتیوں سے نشوونما نہیں پاتا، اس کی فصل کو توجہ، نیک نیتی، طلب اور استقامت تیار کرتی ہے۔

یہود و ہنود میں سے جو لوگ ایمان کی راہ چلے اور اپنی زندگی کو نافع اور پاکیزہ بنالیا وہ ہمیشہ مسلم معاشرے میں قابل احترام قرار دیے گئے۔

آیت میں "وَالْمُقِيْمِيْنَ" کی اعرابی حالت کلام میں ندرت پیدا کر رہی ہے جو نماز قائم کرنے والوں کی خوبصورت زندگی کا تازہ ارتباطی جھونکا ہے جو خوشبو لیے ہوئے ہے۔ عقیدے اور ایمان کے ساتھ نماز کا حسن مومن کی زندگی کو ایک مضبوط روحانی اساس فراہم کرتا ہے اور آیت میں یہ لطیف اشارہ موجود ہے۔

واللہ اعلم

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَّالنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ
وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَ
عِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيْمَٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾ ۚ
وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَٰهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ
عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾ ۚ
رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌۢ
بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٦٥﴾

(163) بے شک ہم نے آپ کو وحی سے نوازا جیسے کہ ہم نے وحی بھیجی نوح اور ان کے بعد سارے نبیوں پر اور ہم نے وحی کی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف اور ہم نے داؤد کو زبور دی

(164) اور رسولوں کو جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے اور رسولوں کو کہ ہم نے آپ سے ذکر نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰ کو شرف کلامی بخشا

(165) شان والے رسول خوشخبریاں دینے والے اور مضرات اشیاء سے آگاہ کرنے والے تا کہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے ہاں کوئی عذر نہ بچے اور اللہ غالب حکمت والا ہے

مفردات

اِنَّاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ کَمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی نُوۡحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ۚ وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی
اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ وَ الۡاَسۡبَاطِ وَ عِیۡسٰی وَ اَیُّوۡبَ وَ یُوۡنُسَ
وَ ہٰرُوۡنَ وَ سُلَیۡمٰنَ ۚ وَ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿۱۶۳﴾ۚ وَ رُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰہُمۡ عَلَیۡکَ مِنۡ
قَبۡلُ وَ رُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡہُمۡ عَلَیۡکَ ؕ وَ کَلَّمَ اللّٰہُ مُوۡسٰی تَکۡلِیۡمًا ﴿۱۶۴﴾

’’بے شک ہم نے آپ کو وحی سے نوازا جیسے کہ ہم نے وحی بھیجی نوح اور ان کے بعد سارے نبیوں پر اور ہم نے وحی کی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف اور ہم نے داؤد کو زبور دی اور رسولوں کو جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے اور رسولوں کو کہ ہم نے آپ سے ذکر نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰ کو شرفِ کلامی بخشا‘‘۔

آیت میں چند باتیں غور وفکر کا تقاضا کرتی ہیں:

انسانی ہدایت کے لیے نظام وحی

انسانی اور بشری زندگی میں سب کچھ وہی نہیں جو انسان اپنی عقل اور بصیرت سے معلوم کرتا ہے۔ انسانی ہدایت کا سرچشمہ خالق انسانیت نے خود متعین کیا ہے۔ وہ ہر دور میں تشنہ لب انسانیت کی سیرابی کا بندوبست کرتا رہا ہے تا آنکہ حضور ﷺ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ رہنمائی فرماتا رہا۔ کہا گیا بعض نبیوں کا ذکر کیا جا رہا ہے اور بعض کا ذکر نہیں کیا جا رہا ہے۔ رہنمائی میں اصل تعلیم یہ ہے کہ وحی سے مستفید ہوا جائے۔

’’اسباط‘‘ کا مفہوم

’’اسباط، سبط‘‘ کی جمع ہے اس مادہ کے اصلی معنیٰ کسی چیز میں زیادتی اور کثرت کے ہیں۔ ابن فارس نے کہا ہے: اس کے بنیادی معنیٰ کسی چیز کے دراز ہونے کے ہیں۔ ’’السبط‘‘ ایک درخت اور جھاڑی کو کہتے ہیں جس کی جڑ تو ایک ہوتی ہے لیکن شاخیں بہت پھیلی ہوئی ہوتیں ہیں، اس سے نسل اور خاندان کو ’’اسباط‘‘ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ ’’السبط‘‘ پوتے اور نواسے دونوں کو کہہ دیتے ہیں۔ قبیلہ کے لیے بھی ’’سبط‘‘ لفظ استعمال ہوتا ہے البتہ مدن کی تاریخ میں اسحٰق کی اولاد اسباط اور اسماعیل علیہ السلام کی اولاد قبائل کہلاتی تھی۔ قرآن مجید نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ’’اسباط‘‘ استعمال کیا ہے۔ ائمہ لغت نے یہ بھی لکھا کہ ’’السبط‘‘ عجمی آدمی کو کہہ دیتے ہیں اور ’’جعد‘‘ عربوں کے لیے آتا ہے (407)۔

اِنَّاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ: بے شک ہم نے وحی کی
اِلَیۡکَ: آپ کی طرف
کَمَاۤ: جیسا کہ
اَوۡحَیۡنَاۤ: وحی کی ہم نے
اِلٰی نُوۡحٍ: نوح کی طرف
وَّ النَّبِیّٖنَ: اور نبیوں
مِنۡۢ بَعۡدِہٖ: ان کے بعد
وَ اَوۡحَیۡنَاۤ: اور وحی کی ہم نے
اِلٰۤی: کی طرف
اِبۡرٰہِیۡمَ: ابراہیم
وَ اِسۡمٰعِیۡلَ: اور اسماعیل
وَ اِسۡحٰقَ: اور اسحاق
وَ یَعۡقُوۡبَ: اور یعقوب
وَ الۡاَسۡبَاطِ: خاندان کے افراد
وَ عِیۡسٰی: اور عیسیٰ
وَ اَیُّوۡبَ: اور ایوب
وَ یُوۡنُسَ: اور یونس
وَ ہٰرُوۡنَ: اور ہارون
وَ سُلَیۡمٰنَ: اور سلیمان
وَ اٰتَیۡنَا: اور دی ہم نے
دَاوٗدَ: داؤد کو
زَبُوۡرًا: زبور
وَ رُسُلًا: اور رسول
قَدۡ: بے شک
قَصَصۡنٰہُمۡ: ہم نے بیان کیا
عَلَیۡکَ: آپ پر
مِنۡ قَبۡلُ: پہلے سے
وَ رُسُلًا: اور بہت سے رسول

مفردات

لَّمْ نَقْصُصْهُمْ: نہیں بیان کیے
عَلَيْكَ: آپ پر
وَكَلَّمَ: اور کلام کیا
اللّٰهُ: اللہ کے ساتھ
مُوْسٰى: موسیٰ نے
تَكْلِيْمًا: کلام کرنا

اسلوب کی نیرنگی

آیت میں انبیاء کے جو نام گنوائے گئے ہیں ان کی ترتیت حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت یعقوب علیہ السلام اور اسباط کے ذکر تک تاریخی ہے لیکن اس کے بعد ترتیبی تاریخ سے گھوم کر صفاتی آہنگ میں ڈھل گئی ہے۔عیسیٰ، ایوب، یونس اور حضرت ہارون علیہم السلام خصوصی ابتلا کے سلسلوں اور اللہ کی طرف سے تائید کی خصوصی کیفیات رکھتے ہیں جبکہ سلیمان اور داوٗد دونوں نبی بھی ہیں اور بادشاہ بھی ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ داوٗد علیہ السلام کا ذکر سلیمان کے ذکر کے بعد میں ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا ذکر سب سے آخر میں ہے۔محسوس یہ ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت وتاریخ سے مناسبت کے اسلوب پر انبیاء مرسلین کا ذکر کیا گیا ہے۔موسیٰ علیہ السلام کا آخر میں ذکر تحریکی مماثلت کا حسن لیے ہوئے ہے۔اصل میں تفہیم کا مرکز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گو ہر بار ہی ہے اور احساس کے آنگن میں ثمر بار پھولوں کی خوشبویوں بھی سونگی جا سکتی ہے کہ کلام اور تکلیم کو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جوڑا گیا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کے دعوتی کلمات کی تاریخ مرتب کی جائے تو شاید ترتیب اس آیت کے مطابق ٹھہرے۔

امین اصلاحی نے لکھا(408):

> ”یہاں اگر چہ تمام انبیاء کا ذکر نہیں ہوا ہے لیکن ان کے اندر اشتراک کے ساتھ ساتھ باعتبار صفات جو تنوع ہے وہ بھی نمایاں ہو گیا ہے اور باعتبار وحی وخطاب وکلام ان میں سے اگر کسی کو کوئی اختصاص اور امتیاز حاصل ہوا ہے تو وہ بھی سامنے آ گیا ہے“۔

آیت میں زبور کا تذکرہ

زبور آسمانی کتب میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے داوٗد نبی کے دل پر اتاری۔آسمانی صحف اور کتابوں کی حیثیت دہری ہے۔بعض کتب جنہیں مبسوط پیغام اور نظام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ان کی تعداد چار ہے۔آخری کتاب قرآن حکیم ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر نازل ہوئی۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رسالت اور نبوت کو ختم کر دیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین تھے۔

”الذبر“ کا لغوی معنیٰ لکھنا ہوتا ہے(409)۔

”التذبرہ“ لکھائی یا تحریر ہوتی ہے(410)۔

”مزبر“ قلم کو کہتے ہیں(411)۔

راغب لکھتے ہیں ہر وہ کتاب جس کی تحریر موٹی اور جلی ہو وہ ”زبور“ کہلاتی ہے(412)۔

مفردات

ابن فارس نے کہا: کسی محکم اور مضبوط اور معتمد تحریر کو ''زبور'' کہتے ہیں (413)۔

''الزبرہ'' لوہے کا بڑا ٹکڑا ہوتا ہے ممکن ہے داؤد علیہ السلام نے زبور کو لوہے کی چادروں پر لکھوایا ہو (414)۔

''زبر'' کا مطلب فرقہ اور گروہ بھی ہوتا ہے۔

زبور میں پند ونصائح، وصیتیں اور دعائیں لکھی ہوئی ہیں (415)۔

مزامیر داؤد ان دعاؤں اور مناجات کو کہا جاتا ہے جو دراصل محبت کے گیت ہیں۔ یہ کتاب ایک سو پچاس فصلوں پر مشتمل ہے۔ ہر ایک کو مزمور کہا جاتا ہے (416)۔

واللہ اعلم

رُسُلًا مُّبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ لِئَلَّا یَکُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا ﴿۱۶۵﴾

''شان والے رسول خوشخبریاں دینے والے اور مضرات اشیاء سے آگاہ کرنے والے تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے ہاں کوئی عذر نہ بچے اور اللہ غالب حکمت والا ہے''۔

رسالت اور نبوت انسانی ہدایت کا روحانی، وجدانی اور عرفانی نظام ہے جس کے تحت انسانوں کو سمجھایا جاتا ہے کہ ان کے لیے نفع بخش وسائل زندگی اور معمولات زندگی کون سے ہیں اور وہ چیزیں جو نقصان پہنچانے والی ہوسکتی ہیں وہ کون سی ہیں۔ ''مُّبَشِّرِیۡنَ'' اور ''مُنۡذِرِیۡنَ'' کا محتاط مفہوم یہی ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت ان حکمتوں کو بھی بے حجاب کرتی ہے جو وجود رسالت سے مربوط ہوسکتی ہیں اور یہ عقلی مسلّمہ حقیقت ہے کہ کسی حکم کے بیان کرنے سے پہلے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کے مفادات اور نقصانات دونوں بیان کر دیے جائیں تاکہ اتمام حجت ہوجائے۔ ایک استاد شاگرد کو بتاتا ہی نہیں کہ اگر تم نے کام نہ کیا تو تمہارا نام سکول سے خارج کر دیا جائے گا تو بچے کو اتمام حجت سے پہلے مواخذے کا شکار بنا لینا درست نہیں ہوسکتا۔

یہ آیت شفقت سے حکمت رسالت بیان کرتی ہے کہ ہدایت بشر کے لیے دعوت کتنی ضروری ہے اور بلاشبہ اللہ نے قرآن حکیم میں یہ حکمتیں بیان فرمائی ہیں اور تکمیل حجت کے بعد انسانوں کے پاس کوئی عذر نہیں رہتا۔

آخر آیت میں اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں بیان ہوئی ہیں: ایک اللہ تعالیٰ کا عزیز ہونا اور ایک اس کا حکیم ہونا، غالب ہونا ایسا کہ ہر فعل اور قضا میں حکمتوں کا نور سمو دیا اور حکیم ایسا کہ بے بسی کا نام ونشان بھی نہیں، وہ جو چاہتا ہے سو وہ کرتا ہے۔

واللہ احکم واعلم

رُسُلًا: رسول بنا کر بھیجے گئے
مُّبَشِّرِیۡنَ: بشارت دینے والے
وَمُنۡذِرِیۡنَ: اور ڈر سنانے والے
لِئَلَّا: تاکہ نہ
یَکُوۡنَ: رہے
لِلنَّاسِ: لوگوں کے لیے
عَلَی اللّٰہِ: اللہ پر
حُجَّۃٌۢ: حجت، دلیل
بَعۡدَ: بعد
الرُّسُلِ: رسولوں کے
وَکَانَ اللّٰہُ: اور ہے اللہ
عَزِیۡزًا: غالب، زبردست
حَکِیۡمًا: حکمت والا

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ
يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ
طَرِيْقًا ۙ﴿۱۶۸﴾
اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾

(166) لیکن اللہ گواہی دیتا ہے جو اُس نے آپ کی طرف نازل کیا اُس نے اپنے علم سے نازل کیا اور فرشتے بھی گواہیاں دے رہے ہیں اور گواہی اللہ ہی کی کافی ہے

(167) بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا بے شک وہ بھٹکے دور کے بھٹکے

(168) بے شک جنہوں نے کفر کیا اور ظلم کے مرتکب ہوئے اللہ کبھی بھی ان کی بخشش نہیں فرمائے گا اور نہ انہیں سیدھی راہ کی ہدایت بخشے گا

(169) سوائے اس کے کہ وہ راہ جہنم میں انہیں ڈال دے گا جہاں انہوں نے ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے اور ایسا کرنا اللہ کے لیے آسان ہے

مفردات

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾

''لیکن اللہ گواہی دیتا ہے جو اُس نے آپ کی طرف نازل کیا اُس نے اپنے علم سے نازل کیا اور فرشتے بھی گواہیاں دے رہے ہیں اور گواہی اللہ ہی کی کافی ہے''۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں (417):

''ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک جماعت یہودیوں میں سے سرکار ابد قرار کی خدمت میں حاضر ہوئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بخدا! تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں''۔ یہودی جھوٹے تو تھے ہی کہنے لگے: ہم اس بارے میں کچھ نہیں جانتے اس پر اس آیت کا نزول ہوا (418)۔

مفہوم آیت یہ ٹھہرا کہ محبوب آپ کے رسول ہونے پر کسی انسان کی گواہی ضروری نہیں اس کے لیے اللہ ہی کی گواہی کافی ہے اور فرشتے بھی گواہیاں قائم کر رہے ہیں اور یہ چرچا تو دراصل اس جملہ کا فیضان ہے کہ اللہ گواہی دے رہا ہے۔ صیغہ مضارع کا استمرار پر دلالت کر رہا ہے اور قرآن کا ہر جملہ، ہر فقرا اور ہر آیت اللہ کے کمال علم کی جلوہ گاہ ہے، جیسے سورج کے بعد کسی چراغ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی اللہ کی گواہی کے بعد رسوخ ووثوق اس قدر روشنیاں بانٹ دیتے ہیں کہ کسی چمنی اور چراغ کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

اللہ نے اسے اپنے علم کے ساتھ اتارا، اس کی چار وجوہ ہیں (419):

- پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے قرآن حکیم اپنے علم خاص سے اتارا ہے۔ ایسا علم جسے سوا واجب تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا تھا، یہی وجہ ہے کہ قرآن کی بلاغت اور اسلوب عاجز کر دینے والا ہے۔
- دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ نے اسے اپنے اس علم سے اتارا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ آپ کا سینہ اس کا اہل ہے کہ آپ اسے سمجھیں اور اس کے حق کو قائم فرمائیں۔
- تیسری وجہ یہ ہے کہ اس کے معنیٰ یہ ہوں کہ اللہ نے اس کے نزول میں وہ برکتیں رکھی ہیں کہ بندوں کے مصالح انہی کے ذریعے سے سمجھ آتے ہیں۔
- چوتھی توجیہہ یہ ہے کہ اس کے معنیٰ یہ ہوں کہ جس نے اتارا ہے وہ یہ علم بھی رکھتا ہے کہ شیطانوں سے اس کی حفاظت کیسے فرمانی ہے؟

لٰكِنِ: لیکن
اللّٰهُ: اللہ
يَشْهَدُ: گواہی دیتا ہے
بِمَآ: ساتھ اس کے
اَنْزَلَ: اس نے اتارا
اِلَيْكَ: آپ کی طرف
اَنْزَلَهٗ: اتارا ہے اسے
بِعِلْمِهٖ: اپنے علم کے ساتھ
وَالْمَلٰٓئِكَةُ: اور تمام فرشتے
يَشْهَدُوْنَ: گواہی دیتے ہیں
وَكَفٰى: اور کافی ہے
بِاللّٰهِ: اللہ
شَهِيْدًا: گواہی کے لیے

آیت کا اشارہ شہود معنوی کی طرف بھی اشارہ کرر ہا ہے اور اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ اور نعتیں بھی سمجھ آتی ہیں (420)۔

واللہ اعلم

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ قَدۡ ضَلُّوۡا ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ
الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَظَلَمُوۡا لَمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ وَلَا لِیَہۡدِیَہُمۡ طَرِیۡقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا
طَرِیۡقَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرًا ﴿۱۶۹﴾

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا بے شک وہ بھٹکے دور کے بھٹکے، بے شک جنہوں نے کفر کیا اور ظلم کے مرتکب ہوئے اللہ کبھی بھی ان کی بخشش نہیں فرمائے گا اور نہ انہیں سیدھی راہ کی ہدایت بخشے گا، سوائے اس کے کہ وہ راہ جہنم میں انہیں ڈال دے گا جہاں انہوں نے ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے اور ایسا کرنا اللہ کے لیے آسان ہے''۔

قرآن مجید کی ان تین آیتوں میں منحوس اعمال اور ان کے تباہ کن اثرات کو یکجا بیان کیا گیا ہے:

1۔ ان آیات میں سب سے بڑا جرم کفر بیان کیا گیا۔ یہ ظلمت اور اندھیرا ایسا ہے کہ انسانیت کو مسخ کر دیتا ہے۔ منکرین حق دراصل اپنی ذات کے اندر موجود روشنی کی ہر قسم کا ابا کر دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے ہاں روحانی صلاحیت کا ہر جوہر ضائع ہو جاتا ہے۔ کافر لوگ شیطانی صحبت کی وجہ سے شیطان خصلت بن جاتے ہیں۔ عادتوں کے اعتبار سے یہ ظلمانی نفوس کے مالک لوگ ہوتے ہیں۔

2۔ یہ آیات کافرلوگوں کی دوسری منحوس خصلت یہ بیان کرتی ہیں کہ یہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ ''صَدَّ، یصدُ ضرب، یضرب'' کے باب سے ہو تو اللہ کی راہ رک جانا معنیٰ ہو گا اور اگر یہ باب ''نصر، ینصر'' سے ہو تو پھر متعدی معنیٰ ہو گا یعنی اللہ کی راہ سے روکنا۔ یہ منحوس لوگ کبھی بھی انسانوں کو اللہ کی راہ چلنے نہیں دیتے۔

3۔ تیسری چیز کفر کے ساتھ ظلم کا جمع ہو جانا ہوتا ہے۔ قرآن مجید اعلان کرتا ہے کہ کفر اور ظلم و ستم کرنے والوں کے لیے مغفرت نہیں ہو سکتی اور نہ ہی وہ کارخیر اور ہدایت کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ یہ بہیمیت رکھنے والے لوگ جہنمی ہوتے ہیں اور ہدایت سے بہت دور گمراہیوں میں الجھے رہنا ان کی نشانی ہوتی ہے۔

❁❁❁❁❁

مفردات

اِنَّ الَّذِیۡنَ: بے شک وہ جو
کَفَرُوۡا: کافر ہوئے
وَصَدُّوۡا: اور روکا انہوں نے
عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ: اللہ کے راستہ سے
قَدۡ: تو بے شک
ضَلُّوۡا: وہ گمراہ ہوئے
ضَلٰلًۢا: گمراہ ہونا
بَعِیۡدًا: بہت دور کا
اِنَّ الَّذِیۡنَ: بے شک وہ جو
کَفَرُوۡا: کافر ہوئے
وَظَلَمُوۡا: اور ظلم کیا انہوں نے
لَمۡ یَکُنِ اللّٰہُ: نہ ہے اللہ
لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ: کہ وہ معاف کر دے انہیں
وَلَا: اور نہ
لِیَہۡدِیَہُمۡ: تاکہ ہدایت دے وہ انہیں
طَرِیۡقًا: کسی راہ کی
اِلَّا: مگر
طَرِیۡقَ: راستے کی
جَہَنَّمَ: جو دوزخ کا ہے
خٰلِدِیۡنَ: ہمیشہ رہنے والے ہوں گے
فِیۡہَاۤ: اس میں
اَبَدًا: ابدی طور پر
وَکَانَ: اور ہے
ذٰلِکَ: یہ
عَلَی اللّٰہِ: اللہ پر
یَسِیۡرًا: بہت ہی آسان

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِن رَّبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا
لَّكُمْ ۚ وَإِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ
عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧٠﴾
يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ
إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ
مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۖ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ
انتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ سُبْحَانَهُ أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۘ
لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿١٧١﴾

(170) اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے رسولِ معظم حق لے کر تشریف فرما ہو چکے پس تم ایمان لاؤ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم نے انکار کیا تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے

(171) اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کے بارے میں ناحق باتیں نہ کرو، مسیح عیسیٰ بن مریم صرف اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جنہیں اُس نے مریم کی طرف القا کیا اور وہ اس کی طرف سے روح تھے، تو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین خدا کا قول نہ کرو، باز آجاؤ تمہارے لیے بہتر ہے، اللہ ہی ہے معبود یگانہ، وہ پاک ہے اس سے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو، اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور کارسازی کے لیے اللہ ہی کافی ہے

مفردات

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمُ الرَّسُوۡلُ بِالۡحَقِّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ فَاٰمِنُوۡا خَيۡرًا لَّكُمۡ ؕ وَاِنۡ تَكۡفُرُوۡا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۱۷۰﴾

''اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے رسولِ معظم حق لے کر تشریف فرما ہو چکے پس تم ایمان لاؤ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم نے انکار کیا تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے''۔

آیت کی تشریح میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں (421):

> ''الرَّسُوۡلُ'' سے مراد محمد ﷺ ہیں اور ''قَدۡ'' آیت میں تاکید کے لیے لایا گیا ہے اور ''حق'' کے ساتھ جملے کا مفہوم یہ ہے کہ اب حق کا معیار صرف حضور ﷺ ہیں اور تفسیر اس کی دین اسلام، قرآن حکیم اور شہادت توحید ہے''۔

لوگوں کو کہا گیا کہ تم اللہ کے رسول پر ایمان لاؤ تو خیر کی ہر قسم تمہاری جھولی میں ڈال دی جائے گی۔

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں (422):

> ''اگر تم کفر کرو گے تو تمہارا اپنا ہی نقصان ہے۔ تم لوگ اپنے کفر کے فسوں سے اللہ کی حکومت سے فرار نہیں اختیار کر سکتے ہو، تم چاہو یا نہ چاہو اللہ کی حکومت میں ہو''۔

اللہ تعالیٰ کے لیے توحید کی دو صفات بیان کی گئی ہیں:

> ''ایک اس کا علیم ہونا اور دوسرا اس کا حکیم ہونا۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ تمہارے تمام احوال سے باخبر ہے اور اس کی حکمتیں تدبیرات اور افعال میں اتنی مؤثر ہیں کہ انہیں ٹالا نہیں جا سکتا'' (423)۔

يَاَيُّهَا: اے
النَّاسُ: لوگو
قَدۡ: بے شک
جَآءَكُمُ: تشریف لائے تمہارے پاس
الرَّسُوۡلُ: رسول معظم
بِالۡحَقِّ: حق کے ساتھ
مِنۡ: سے
رَّبِّكُمۡ: تمہارے رب کی طرف
فَاٰمِنُوۡا: سو ایمان لاؤ
خَيۡرًا: بہتر ہے
لَّكُمۡ: تمہارے لیے
وَاِنۡ: اور اگر
تَكۡفُرُوۡا: تم منکر ہو گئے
فَاِنَّ: تو بے شک
لِلّٰهِ: اللہ کے لیے ہے
مَا فِى: جو ہے بیچ میں
السَّمٰوٰتِ: آسمانوں کے
وَالۡاَرۡضِ: اور زمین کے
وَكَانَ: اور ہے
اللّٰهُ: اللہ
عَلِيۡمًا: بہت زیادہ علم والا
حَكِيۡمًا: حکمت والا

يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ وَلَا تَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَـقَّ‌ ؕ اِنَّمَا الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَ لۡقٰهَاۤ اِلٰى مَرۡيَمَ وَرُوۡحٌ مِّنۡهُ‌ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ‌ ۚ وَلَا تَقُوۡلُوۡا ثَلٰثَةٌ‌ ؕ اِنۡتَهُوۡا خَيۡرًا لَّـكُمۡ‌ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ‌ؕ سُبۡحٰنَهٗۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهٗ وَلَدٌ‌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ﴿۱۷۱﴾

''اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کے بارے میں ناحق باتیں نہ کرو، مسیح عیسیٰ بن مریم صرف اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جنہیں اُس نے مریم کی طرف القا کیا اور وہ اس کی طرف سے روح تھے، تو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین خدا کا قول نہ کرو، باز آجاؤ تمہارے لیے بہتر ہے، اللہ ہی ہے معبود یگانہ، وہ پاک ہے اس سے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو، اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور کارسازی کے لیے اللہ ہی کافی ہے''۔

آیت میں اہل کتاب کو ''غلو فی الدین'' سے منع کیا گیا ہے۔ ''غلو'' کسی کی قدر و منزلت میں حد سے گزر جانے کو کہتے ہیں۔

نصاریٰ کس طرح دین میں تجاوز کرتے تھے اس پر آلوسی لکھتے ہیں اور بغوی نے بھی اس مسئلہ پر اچھی بحث کی ہے (424):

نصاریٰ کے چار فرقے تھے:

1۔ یعقوبیہ

2۔ ملکانیہ

3۔ نسطوریہ

4۔ اور مرقوسیہ

یعقوبیہ اور ملکانیہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مانتے تھے جبکہ مرقوسیہ کہتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام تین میں تیسرے تھے۔ بزرگ لکھتے ہیں کہ بدراہی کی تعلیم انہیں ایک یہودی بولس نے دی تھی۔ کلمہ کی تشریح یہ یوں کرتے تھے کہ باپ، بیٹا اور روح القدس تین اقنوم ہیں۔ بنیادی طور پر توحید فی التلیث اور تثلیث فی التوحید کے چکر میں جکڑے ہوئے تھے۔ نصاریٰ کو ''غلو فی الدین'' سے منع کیا گیا اور کہا گیا کہ اللہ پر ناحق کوئی بات نہ کرو۔ بعد ازاں قرآن حکیم نے عیسیٰ علیہ السلام کا مقام اور مرتبہ خود بیان کیا۔

مفردات

يٰٓاَ: اے
اَهۡلَ الۡكِتٰبِ: کتاب والو
لَا: نہ
تَغۡلُوۡا: غلو نہ کرو
فِىۡ: میں
دِيۡنِكُمۡ: اپنے دین میں
وَلَا: اور نہ
تَقُوۡلُوۡا: کہو تم
عَلَى اللّٰهِ: اللہ پر
اِلَّا: مگر
الۡحَـقَّ: حق
اِنَّمَا: نہیں سوا اس کے
الۡمَسِيۡحُ: مسیح
عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ: مریم کے بیٹے عیسیٰ
رَسُوۡلُ اللّٰهِ: رسول اللہ کے
وَكَلِمَتُهٗ: اور اس کا کلمہ
اَلۡقٰهَاۤ: اسے القا کیا
اِلٰى مَرۡيَمَ: مریم کی طرف
وَرُوۡحٌ: اور روح
مِّنۡهُ: اس کی طرف سے
فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ: تو ایمان لاؤ اللہ پر
وَرُسُلِهٖ: اور اس کے رسولوں پر
وَلَا تَقُوۡلُوۡا: اور نہ کہو
ثَلٰثَةٌ: خدا تین ہیں
اِنۡتَهُوۡا: باز آجاؤ
خَيۡرًا لَّـكُمۡ: بہتر ہے تمہارے لیے
اِنَّمَا: نہیں سوا اس کے کہ
اللّٰهُ: اللہ

مفردات

اِلٰهٌ وَّاحِدٌ: معبود اکیلا
سُبۡحٰنَهٗۤ: پاک ہے وہ
اَنۡ: یہ کہ
یَّكُوۡنَ لَهٗ: ہو اس کے لیے
وَلَدٌ: کوئی بیٹا
لَهٗ: اسی کے لیے ہے
مَا فِی السَّمٰوٰتِ: جو آسمانوں میں ہے
وَمَا فِی الۡاَرۡضِ: اور جو زمین میں ہے
وَكَفٰی بِاللّٰهِ: اور کافی ہے اللہ
وَكِیۡلًا: کارسازی میں

عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف خمسہ

پہلا وصف:

عیسیٰ علیہ السلام مسیح ہیں۔ یہ آپ کا مشہور لقب ہے۔ اصل میں عبرانی زبان میں یہ میشح تھا جو لسانی حکمت کے تحت مسیح ہو گیا، میشح کا مطلب مبارک ہونا ہوتا ہے۔ بلاشبہ ہر قسم کی برکتیں ان کے دم قدم سے وابستہ تھیں۔ مسح سے یہ ہو تو مفہوم یہ بنے گا چھوکر مُردوں کو زندہ کر دیتے اور بیماروں کو شفا مل جاتی۔ ایک مطلب سیر و تفریح کرنے والا بھی ہوتا ہے (425)۔

عیسیٰ ابن مریم ہیں

آیت نے عیسیٰ علیہ السلام کا وصف ابن مریم ہونا بیان کیا۔ قرآن حکیم میں عیسیٰ کا نام اپنی والدہ کے نام کے ساتھ سولہ مرتبہ آیا ہے۔ آیت کہتی ہے عیسیٰ محض مریم کے بیٹے ہیں، یہ ان کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دوسرے انسانوں کی طرح رحم مادر میں رہے اور جنینی دور دیکھا۔

عیسیٰ اللہ کے رسول ہیں

قرآن مجید برملا اعلان کرتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں۔ وہ ابن اللہ نہیں بلکہ بات کو کلمہ حصر کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ نہیں ہے سوا اس کے "اِنَّمَا" عیسیٰ صرف اور صرف اپنی ماں مریم کے بیٹے ہیں وہ کسی اور کے بیٹے نہیں۔ مذہبی تمام کتب نے عیسیٰ کو اللہ کا رسول قرار دیا کوئی بھی آپ کی الوہیت کا قائل نہ ہوا (426)۔

عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ ہیں

مفسر قرآن مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں:

> "عربی میں کلمہ کئی معنوں میں آتا ہے۔ لغوی کلمہ، نحوی کلمہ، شرعی کلمہ اور منطقی کلمہ۔ یہاں آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کے کلمہ ہونے سے لغوی کلمہ مراد لیا گیا ہے یعنی یہ اللہ کے کلمہ کُن کا اعجاز ہیں اور اسی امر سے آپ نے تخلیق پائی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ بظاہر تو عیسیٰ جناب جبرائیل کا کلمہ تھے تو کہا جائے گا جبرائیل نے بھی ربّ کے کلمہ کی امانت ادا کی تھی" (427)۔

پانچویں صفت

آیت اعلان کرتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام روح ہیں۔ یاد رہے کہ اصطلاح عرب میں روح کئی معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے(428):

1۔ پاک ولطیف چیز چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر نطفے کے ہوئی اور آپ کی والدہ حیض و نفاس سے پاک خاتون تھیں، اس مناسبت سے آپ کو روح کہا گیا۔

2۔ حیات ظاہری یا حیات باطنی کا ذریعہ آپ باطنی زندگی کی نوازش فرماتے تھے اور دم کے ساتھ ظاہری زندگی کی جلوہ گری کا سبب بن جاتے تھے اس لیے آپ کو روح کہہ دیا گیا۔

3۔ روح کا اطلاق رحمت پر بھی ہو جاتا ہے، اللہ نے آپ کی ذات میں بے پناہ برکتیں اور رحمتیں رکھی تھیں۔

4۔ ریح، روح سے قریب ہے۔ اس کا معنیٰ ہوا ہوتا ہے۔ عام آدمی پانی سے پیدا ہوتا ہے جبکہ عیسیٰ علیہ السلام نفخ سے پیدا ہوئے اس لیے آپ کو روح کہہ دیا گیا۔

آیت کے آخری حصے میں

علامہ رازی لکھتے ہیں(429) کہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات پر ایمان لانے کا امر کیا گیا، جو صفات لائی گئیں وہ یہ ہیں:

1۔ اللہ ایک ہے

2۔ اس کا کوئی شریک نہیں اس لیے تثلیث سے باز آجاؤ

3۔ اللہ اولاد رکھنے سے پاک ہے

4۔ آسمانوں اور زمینوں میں سب کچھ اسی کے لیے ہے

5۔ کارسازی میں اللہ ہی کافی ہے۔

❀❀❀❀❀

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِكَةُ
الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ
اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾
فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ
مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا
اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾

(172) مسیح ہرگز عار محسوس نہیں کرتا کہ وہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ ہی مقرب فرشتے اور جو اس کی عبادت سے پہلو تہی کرے اور تکبّر کرے تو اللہ جلد ہی اُن سب کو اپنے ہاں جمع فرما دے گا

(173) پس وہ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجا لائے تو اللہ انہیں بھر پور اجر عطا فرمائے گا اور اپنے فضل سے زیادہ بھی عنایت فرمائے گا لیکن عبادت سے پہلو تہی کرنے والوں اور تکبر کرنے والوں کو دردناک عذاب دے گا اور وہ نہ پائیں گے اپنے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی کارساز اور نہ کوئی مددگار

مفردات

لَنۡ: ہرگز نہیں
یَّسۡتَنۡکِفَ: عار محسوس کرے گا
الۡمَسِیۡحُ: مسیح
اَنۡ: یہ کہ
یَّکُوۡنَ: ہو
عَبۡدًا: بندہ
لِّلّٰہِ: اللہ کا
وَلَا: اور نہ
الۡمَلٰٓئِکَۃُ: فرشتے
الۡمُقَرَّبُوۡنَ: مقرب
وَمَنۡ: اور جو
یَّسۡتَنۡکِفۡ: عار محسوس کرے
عَنۡ عِبَادَتِہٖ: اس کی عبادت سے
وَیَسۡتَکۡبِرۡ: اور تکبر کرے
فَسَیَحۡشُرُ: تو جلدی اکٹھا کرے گا
ھُمۡ: ان کو
اِلَیۡہِ: اپنی طرف
جَمِیۡعًا: سب کو
فَاَمَّا: پھر وہ
الَّذِیۡنَ: جو
اٰمَنُوۡا: ایمان لائے
وَعَمِلُوۡا: اور عمل کیے
الصّٰلِحٰتِ: اچھے اور نیک
فَیُوَفِّیۡہِمۡ: تو پورے دے گا ان کو
اُجُوۡرَھُمۡ: ان کے اجر
وَیَزِیۡدُھُمۡ: اور زیادہ دے گا ان کو
مِّنۡ فَضۡلِہٖ: اپنے فضل سے
وَاَمَّا الَّذِیۡنَ: اور وہ جنہوں نے

لَنۡ یَّسۡتَنۡکِفَ الۡمَسِیۡحُ اَنۡ یَّکُوۡنَ عَبۡدًا لِّلّٰہِ وَلَا الۡمَلٰٓئِکَۃُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ؕ وَمَنۡ یَّسۡتَنۡکِفۡ عَنۡ عِبَادَتِہٖ وَیَسۡتَکۡبِرۡ فَسَیَحۡشُرُھُمۡ اِلَیۡہِ جَمِیۡعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیۡہِمۡ اُجُوۡرَھُمۡ وَیَزِیۡدُھُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِیۡنَ اسۡتَنۡکَفُوۡا وَاسۡتَکۡبَرُوۡا فَیُعَذِّبُھُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ۬ۙ وَّلَا یَجِدُوۡنَ لَھُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیۡرًا ﴿۱۷۳﴾

''مسیح ہرگز عار محسوس نہیں کرتا کہ وہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ ہی مقرب فرشتے اور جو اس کی عبادت سے پہلوتہی کرے اور تکبّر کرے تو اللہ جلد ہی اُن سب کو اپنے ہاں جمع فرما دے گا، پس وہ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجا لائے تو اللہ انہیں بھرپور اجر عطا فرمائے گا اور اپنے فضل سے زیادہ بھی عنایت فرمائے گا لیکن عبادت سے پہلوتہی کرنے والوں اور تکبر کرنے والوں کو دردناک عذاب دے گا اور وہ نہ پائیں گے اپنے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی کارساز اور نہ کوئی مددگار''۔

شانِ نزول

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں (430):

نجران کے کچھ عیسائی رحمت عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے:

آپ ہمارے صاحب پر عیب لگاتے ہیں؟؟؟

ایسا کیوں ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا:

آپ کے صاحب کون ہیں؟

نجرانی بولے:

''عیسیٰ علیہ السلام''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وہ کیا ہے جو میں نے ان کی طرف منسوب کیا؟؟؟

نجرانی کہنے لگے!!!!!

آپ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں

مفردات

اسۡتَنۡكَفُوۡا: نفرت کی
وَاسۡتَكۡبَرُوۡا: اور بڑا بننا چاہا
فَيُعَذِّبُهُمۡ: تو عذاب دے گا ان کو
عَذَابًا اَلِيۡمًا: دردناک عذاب
وَّلَا يَجِدُوۡنَ: اور نہ پائیں گے وہ
لَهُمۡ: اپنے لیے
مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ: اللہ کے سوا
وَلِيًّا: کوئی کارساز
وَّلَا نَصِيۡرًا: اور نہ کوئی مددگار

اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

''استنکاف'' کا لغوی مفہوم

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں (431):

> ''اس لفظ کا مادہ ''ن ک ف'' ہے۔ اس کی اصل کسی چیز کو الگ کر دینا، مٹا دینا، کاٹ دینا اور ایک طرف کر دینا ہے''۔

تاج نے لکھا کہ رخسار سے انگلی کی مدد سے آنسوؤں کا دور کر دینا ''نکف'' ہے (432)۔ شعر میں سے جو چیز نکالی نہ جا سکے اسے بھی ''نکف'' کہہ دیتے ہیں۔ برے کلمے کو بھی ''نکوف'' کہتے ہیں۔ محاورہ ہے کہ اس معاملہ میں اس پر کوئی ''نکف'' نہیں یعنی الزام اور عیب نہیں۔ سید ابوالحسنات لکھتے ہیں کہ باب استفعال میں ''نکف'' کو لا کر سلب کا معنیٰ لیا گیا ہے۔ وہ آدمی جس سے نفرت کی جائے اسے ''رجل نکف'' کہتے ہیں (433)۔

آیت میں تفسیری مفہوم یہ ہوگا عیسیٰ علیہ السلام عار محسوس نہیں کرتے کہ انہیں اللہ کا بندہ کہا جائے اس لیے کہ اصطفا کا کمال یہی ہوتا ہے کہ بندے کو بندہ کہنے پر اسے خوشی محسوس ہو۔ بندگان خدا تکبر نہیں کرتے اور انہیں نفرت نہیں ہوتی اس سے کہ وہ اللہ کے بندے کہلائیں۔

اگلی آیت میں ایمان اور اعمال صالحہ کی فضیلت بیان کی گئی کہ ان پر پورے کا پورا صلہ ملے گا اور اللہ تعالیٰ خاص اپنے فضل سے زیادہ بھی عطا کرے گا جبکہ استنکاف اور استکبار وہ دو بیماریاں ہیں جو بندگی کو کمزور کرتی ہیں اور انسان نیکی سے شرماتے شرماتے قعر مذلت میں جا پڑتا ہے۔

❁❁❁❁❁

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿١٧٤﴾
فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ
وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿١٧٥﴾
يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ
لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ
لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ
كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ
اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ ع

(174) اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے روشن اور خوبصورت دلیل آگئی اور ہم نے تمہاری طرف بڑے جلوے والا نور نازل کیا

(175) پس وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ پر اور اُسی سے مضبوطی چاہی تو عنقریب اللہ انہیں اپنی رحمت اور فضل میں داخل فرمائے گا اور انہیں اپنی طرف آنے والے سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرمائے گا

(176) آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں فرمایئے! اللہ کلالہ کے بارے میں تمہاری محکم رہنمائی فرماتا ہے، اگر کوئی ایسا مرد فوت ہو جائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو بہن کو ترکہ سے نصف ملے گا اور وہ اپنی بہن کا وارث ہوگا اگر بہن کی کوئی اولاد نہ ہو پس اگر دو بہنیں ہوں تو دونوں کو ترکہ سے دو تہائی ملے گا اور اگر وارث ہوں بہن بھائی مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا، اللہ پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرماتا ہے کہ تم بھٹک نہ جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے

مفردات

يَآيُّهَا: اے
النَّاسُ: لوگو
قَدۡ: بے شک
جَآءَكُمۡ: آئی تمہارے پاس
بُرۡهَانٌ: دلیل، حجت
مِّنۡ رَّبِّكُمۡ: تمہارے ربّ کی طرف سے
وَاَنۡزَلۡنَآ: اور اتارا ہم نے
اِلَيۡكُمۡ: تمہاری طرف
نُوۡرًا: نور
مُّبِيۡنًا: روشن، کھلا
فَاَمَّا الَّذِيۡنَ: پس وہ جو
اٰمَنُوۡا: ایمان لائے
بِاللّٰهِ: اللہ کے ساتھ
وَاعۡتَصَمُوۡا: تھام لیا
بِهٖ: اس کو
فَسَيُدۡخِلُهُمۡ: جلدی داخل کرے گا ان کو
فِىۡ رَحۡمَةٍ: رحمت میں
مِّنۡهُ: اپنی کی
وَفَضۡلٍ: اور فضل
وَّيَهۡدِيۡهِمۡ: ہدایت دے گا انہیں
اِلَيۡهِ: اپنی طرف
صِرَاطًا: راستہ
مُّسۡتَقِيۡمًا: سیدھا

يَآيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمۡ بُرۡهَانٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَاَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكُمۡ نُوۡرًا مُّبِيۡنًا ﴿۱۷۴﴾
فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَاعۡتَصَمُوۡا بِهٖ فَسَيُدۡخِلُهُمۡ فِىۡ رَحۡمَةٍ مِّنۡهُ وَفَضۡلٍ ۙ وَّ
يَهۡدِيۡهِمۡ اِلَيۡهِ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ﴿۱۷۵﴾

’’اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے روشن اور خوبصورت دلیل آ گئی اور ہم نے تمہاری طرف بڑے جلوے والا نور نازل کیا، پس وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ پر اور اُسی سے مضبوطی چاہی تو عنقریب اللہ انہیں اپنی رحمت اور فضل میں داخل فرمائے گا اور انہیں اپنی طرف آنے والے سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرمائے گا‘‘۔

ان دو آیتوں میں قرآن حکیم نے قاریٔ قرآن کے سامنے انحراف سے بچنے کے لیے اور صراطِ مستقیم پر چلنے کے لیے شخصیت سازی کے اصول و فروع کو مشخص اور معیّن کیا۔

’’يَآيُّهَا النَّاسُ‘‘ میں طرزِ تخاطب اس حقیقت کو پوری طرح آشکار کر دیتا ہے کہ اسلام کاروانِ انسانیت کا دین ہے، اس کی تیز دھوپ میں کوئی فرقہ قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ تمام نسلوں سے کلام کرتا ہے۔ تمام قوموں کو محدودیّت کی غاروں سے نکال کر افکارِ عظیمہ کی کھلی فضا میں لے آتا ہے۔ اس کا پیغام دائمی ہے، عالمی ہے اور اثر کے اعتبار سے سکون بخش اور روح پرور ہے۔ اسلام کی بارش صرف عرب میں ہی نہیں برستی عجم کو بھی نوازتی ہے۔ اس کے دل نوازگیت روحوں میں اطمینان انڈیلتے ہیں اور اس کا لہجہ لوری دے کر سلانے والا نہیں حدی خوانی کر کے منزل کی طرف تیز دوڑانے والا ہے۔

کلمہ ’’قَدۡ‘‘ میں تاکید کی بجلیاں ماحول کو ضوفشاں کر رہی ہیں اور لفظ کے اختصار میں یقین کا چشمہ پھوٹ رہا ہے جس نے دیکھتے دیکھتے موجزن سمندر بن جانا ہے اور ’’جَآءَكُمۡ‘‘ میں تشریف لانے کا ذکر ہے۔ یہ بخت کے دریچوں کو کھولنے والی آواز ہے۔ یہ اعلان گہری حکمت رکھتا ہے کہ باقی قوموں کے مسیحا آئے اور چلے گئے لیکن اب جو محسنِ انسانیت آئے ہیں وہ آنے کے لیے آئے ہیں۔ انہوں نے اپنے غلاموں کے ساتھ رہنا ہے۔ کتنا بڑا اعلان ہے کہ اب طلوع ہونے والے سراجِ منیر نے ازل سے ابد تک نور بانٹنا ہے۔

تشریف لانے والے برہان ہیں

مفسرین نے لکھا ہے (434) کہ برہان سے مراد رحمتِ عالم ﷺ ہیں۔ ’’بُرۡهَانٌ، برہ‘‘ سے ہے۔ لفظ میں مغلان وزن پر برہان لانا معنوی اور روحانی وسعتوں کے لیے خوبصورت استعارہ ہے۔

اگراس کا معنیٰ چٹا گورا اور حسین ہونا ہو تو رحمت عالم ﷺ کے برہان ہونے کا معنیٰ آپ کی شخصیت کے حسین و جمیل ہونے کی طرف اشارہ ہوگا۔

سبحان الله ما اجملک ما اکملک

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا گستاخ اکھیں کتھے جا لڑیاں

''بُرۡهَانٌ'' کا معنیٰ سفید ہونا یہ اس طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ استدلال حق کے چہرے کو نورانی اور آشکار کر دیتا ہے۔ حضور ﷺ ربّ تعالیٰ کی دلیل ہیں، اللہ کی معرفت ان کے وجود انور سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

آیت میں نور سے مراد قرآن حکیم ہے اور یہاں آیت میں ''مِّنۡ رَّبِّكُمۡ'' کہنا یہ معنیٰ دے رہا ہے کہ نور اور برہان کو بھیجنا اللہ کی ربوبیت کا جلوہ ہے اور اصلاح فی الناس کی یہ ازلی عطا ہے۔ حضور ﷺ کے ہزاروں معجزے ہیں لیکن قرآن کو نور مبین کہہ کر سمجھایا یہ گیا ہے کہ کتابیں، دانشکدے اور تحقیق جتنی جتنی زیادہ ہورہی ہے دین کی سچائی اور قرآن مجید کی روشنی اور رحمت عالم ﷺ کی سیرت کا فیض اتنا اتنا ہی زیادہ ہو رہا ہے۔ آیت میں فہم کی حقیقی روشنی تو یہی ہے۔

اگلے جملے میں وہ عظیم لوگ جن کا مقدر برہان رحمت سے مستفید ہونا ہوتا ہے ان کے اعمال، ان کی سوچیں، ان کے خیالات، ان کے تمسکات، ان کے افکار اور رویے قرآن مجید نے بیان فرمائے اور یہ بھی ''اظہر من الشمس'' کر دیا کہ علم التوحید والصفات پر مکمل ایمان رکھنے والے اور ''اعتصام بالدین'' کرنے والوں کی جزا کیا ہوتی ہے؟ قرآن مجید میں پہلے برہان کہہ کر حضور ﷺ کی صورت و سیرت کے جلوے عام کرنا پھر قرآن کا ربّ کی طرف سے نور ہونا مسلمانوں کی فکری اور عملی تربیت میں ان کی مدد کرنا ہے اور ایمان اور اعتصام کی روشنیوں سے مسلمانوں کا پختہ ہونا، ان کی جدوجہد، صراط مستقیم پر چلنے والوں کے عزائم کی تصویر کشی کرنا ہے اور اس منور جملے کے آخر میں ان انعامات کو بیان کر دینا ہے جو اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو خصوصی طور پر عنایت کیے جاتے ہیں یعنی انہیں خاص اپنی رحمت میں داخل کر لیا جاتا ہے۔

مفسرین نے لکھا:

خصوصی رحمت سے مراد دنیا میں توفیقات خیر ہیں

موت کے وقت حسنِ خاتمہ ہے

برزخ کی زندگی میں راحتیں ہیں

اور قیامت کے دن جنت کی نعمتیں

إِنَّ هَٰذِهِۦ تَذۡكِرَةٌ فَمَن شَآءَ ٱتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِۦ سَبِيلًا

مفردات

يَسْتَفْتُوْنَكَ: آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں
قُلِ: آپ فرمادو
اللّٰهُ: اللہ
يُفْتِيْكُمْ: فتویٰ دیتا ہے تمہیں
فِي: میں
الْكَلٰلَةِ: کلالہ میں تفصیل تفسیر اور تعبیر میں پڑھ لیں
اِنِ: اگر
امْرُؤٌا: کوئی آدمی
هَلَكَ: مرجائے
لَيْسَ لَهٗ: نہ ہو اس کی
وَلَدٌ: اولاد
وَّلَهٗٓ: اور اس کے لیے
اُخْتٌ: بہن ہو
فَلَهَا: تو اس کے لیے
نِصْفُ مَا: آدھا ہے جو
تَرَكَ: چھوڑا ہے
وَهُوَ: اور وہ
يَرِثُهَآ: وارث ہوگا اس کا
اِنْ لَّمْ: اگر نہ
يَكُنْ لَّهَا: ہو اس کی
وَلَدٌ: اولاد
فَاِنْ: پھر اگر
كَانَتَا: ہوں
اثْنَتَيْنِ: دو (بہنیں)
فَلَهُمَا: تو ان دونوں کے لیے
الثُّلُثٰنِ: دو تہائی ہے
مِمَّا: اس سے جو
تَرَكَ: چھوڑ جائے

یہ بھی لکھا گیا کہ دنیا میں رہبر اور رہنما کامل جانا جس کی صحبت میں زندگی پاک ہو جائے یہ بھی رحمت ہے۔

دوسرا انعام اللہ کا فضل ہے۔ یہ ان عطیات کی طرف اشارہ جو کسی عمل کا نتیجہ نہیں ہوتی وہ محض اللہ کے اصطفٰی سے تعلق رکھتی ہیں جیسے جنت میں اللہ کا دیدار ہے۔

تیسرا انعام صراط مستقیم پر چلنا ہے۔ آیت میں '' اِلَيْهِ '' مزیدار ہے، رازی نے لکھا یہ '' روحانی'' مال کے عطیے ہیں (435)۔

واللہ اعلم

يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝١٧٦ ع

'' آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں فرمایئے! اللہ کلالہ کے بارے میں تمہاری محکم رہنمائی فرماتا ہے، اگر کوئی ایسا مرد فوت ہوجائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو بہن کو ترکہ سے نصف ملے گا اور وہ اپنی بہن کا وارث ہوگا اگر بہن کی کوئی اولاد نہ ہو پس اگر دو بہنیں ہوں تو دونوں کو ترکہ سے دو تہائی ملے گا اور اگر وارث ہوں بہن بھائی مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا، اللہ پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرماتا ہے کہ تم بھٹک نہ جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے''۔

آیت کا شان نزول

علامہ آلوسی لکھتے ہیں (436):

> '' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سخت بیمار ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف فرما ہوئے اور وہیں وضو کیا اور اپنے وضو کا پانی حضرت جابر پر چھڑکا تو حضرت ہوش میں آ گئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! میں کلالہ ہوں میرا مال کیسے تقسیم ہوگا جبکہ میری

مفردات

وَ اِنۡ كَانُوۡٓا: اور اگر ہوں
اِخۡوَةً: بہن بھائی
رِّجَالًا: مرد
وَّنِسَآءً: اور عورتیں
فَلِلذَّكَرِ: تو مرد کے لیے
مِثۡلُ: مثل
حَظِّ: حصہ
الۡاُنۡثَيَيۡنِ: دو عورتوں کے
يُبَيِّنُ اللّٰهُ: بیان کرتا ہے اللہ
لَكُمۡ اَنۡ: تمہارے لیے یہ کہ
تَضِلُّوۡا: گمراہ نہ ہو
وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ: اور اللہ ہر چیز کو
عَلِيۡمٌ: جاننے والا

بہنیں صرف نو ہیں، سنن ابی داؤد میں تعداد سات لکھی گئی
ہے۔ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی۔ دلچسپ امر یہ
ہے کہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد بھی فرمایا تھا کہ تم اس
بیماری میں نہیں مرتے''۔

''کلالہ'' کا مفہوم

''کلال'' کا لغوی معنی تھک جانے اور ضعیف ہو جانے کا ہوتا ہے اور ''اکلال'' کمزور کر دینے کا ہوتا ہے۔ ''کلّ'' یتیم بچہ اور صاحب عیال آدمی کو بھی کہہ دیتے ہیں (437)۔ قرآن مجید میں ''الکلالہ'' کا لفظ دو مقام پر آیا ہے۔ احکام وراثت میں اس اصطلاح کا مفہوم یہ ہے کہ ایسا شخص جس کے نہ ماں باپ ہوں اور نہ اولاد اور ''تکلل'' نسب کے دونوں اطراف تک پہنچ جانا ہوتا ہے۔ ایسا آدمی جو اس حالت میں مرے کہ نہ باپ چھوڑے اور نہ اولاد یہ ایسے ہی ہوتا ہے جیسے اس کی دونوں طرفیں ختم ہو گئیں (438)۔

کلالہ کی وراثت

اس کی چار صورتیں بیان ہوئیں:

- پہلی صورت یہ ہے کہ میت کی دوسری ماں سے بھائی یا بہن ہو تو اس میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہوگا۔
- دوسری صورت یہ ہے کہ ان کی تعداد ایک سے زیادہ ہو تو ایک تہائی میں وہ برابر کے شریک ہوں گے۔
- تیسری صورت یہ ہے کہ وارث صرف ایک بہن ہو تو اسے ترکہ کا نصف مل جائے گا اور اگر دو بہنیں یا اس سے زائد ہوں تو انہیں دو تہائی جائیداد ملے گی اور اگر بہن بھائی زیادہ ہوں تو ہر مرد کو عورت کی نسبت دوگنا ملے گا۔

تفصیل احکام وراثت کی کتابوں میں ملاحظہ ہو۔

دعوات سورت کا آخری جلوہ

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ قرب اور منفعت کے اصول مسلمہ ہیں لیکن اس کی بھی مخفی حکمتوں کا علم اللہ کے پاس ہے۔

(1) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(2) معالم التنزیل: بغوی
(3) تاج العروس: زبیدی حنفی
(4) المفردات: راغب اصفہانی
(5) لسان العرب: ابن منظور ایضاً محیط ایضاً البحر المحیط
(6) التحریر: ابن عاشور ایضاً تاج ایضاً کبیر ایضاً ابو حیان اندلسی ولغات القرآن وغیرہ
(7) تفسیر مظہری: پانی پتی
(8) انوار التنزیل: بیضاوی ایضاً شیخ زادہ
(9) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(10) فی ظلال القرآن: سید قطب
(11) المفردات: راغب اصفہانی
(12) حاشیہ جلالین: صاوی
(13) المفردات: راغب
(14) تاج العروس: زبیدی
(15) تفسیر کبیر: رازی
(16) تفسیر قرطبی: قرطبی
(17) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(18) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(19) تفسیر نمونہ: قلمکاروں کی ایک جماعت
(20) تفسیر کبیر: فخر رازی
(21) تفسیر مظہری: پانی پتی
(22) تفسیر مظہری: پانی پتی
(23) تفسیر زاد المسیر: ابن جوزی ایضاً واحدی ایضاً سیوطی ایضاً ابن کثیر
(24) تفسیر القرآن: مظہری وابن کثیر
(25) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً تفسیر طبری
(26) تفسیر حسنات: سید ابوالحسنات
(27) تاج العروس: زبیدی ایضاً مجمع ایضاً راغب ایضاً رازی ایضاً لسان العرب ایضاً قرطبی
(28) فی ظلال القرآن: سید قطب
(29) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(30) زاد المسیر: ابن جوزی
(31) جامع البیان: طبری ایضاً ابن کثیر ایضاً زاد المسیر
(32) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان بدایونی
(33) روح المعانی: آلوسی ایضاً رازی
(34) روح المعانی: آلوسی
(35) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان نعیمی
(36) احیاء العلوم: غزالی کتاب التوبہ
(37) معارف القرآن: مفتی محمد شفیع ایضاً احیاء العلوم
(38) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی ایضاً روح البیان ایضاً وھبہ ایضاً تفسیر عثیمین
(39) التحریر: ابن عاشور ایضاً روح المعانی ایضاً قرطبی ایضاً مجمع البیان
(40) تفسیر احمدی: ملاجیون
(41) نور القرآن: ابونصر
(42) نور القرآن: ابونصر
(43) الترغیب والترہیب: منذری
(44) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(45) تفسیر ابی السعود: ابوسعود
(46) الجامع لاحکام: قرطبی
(47) المفردات: راغب ایضاً لسان ایضاً تاج العروس
(48) روح البیان: اسماعیل حقی
(49) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(50) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(51) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی ایضاً ملیل ایضاً سیوطی ایضاً طبری ایضاً روح ایضاً ابن عاشور ایضاً وھبہ وغیرہ ایضاً شنقیطی
(52) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی، ایضاً صابونی، ایضاً النور البیان، ایضاً روح البیان، ایضاً ابن کثیر، ایضاً مظہری
(53) شرح ھدایہ مرغینانی باب النکاح بیان محرمات ایضاً فخر رازی، قرطبی، وھبہ وتفسیر نمونہ والکوثر ومظہری
(54) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی ایضاً تاج العروس
(55) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(56) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان نعیمی

(57) المفردات: راغب اصفہانی

(58) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(59) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(60) تفسیر القرآن: زجاج

(61) تفسیر کبیر: رازی

(62) سنن ابی داؤد حدیث: 2078 کتاب النکاح

(63) شرح الھدایہ باب نکاح الرقیق تفسیر مظہری

(64) تاج العروس: زبیدی، راغب اصفہانی ایضاً لسان ایضاً زمخشری

(65) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(66) روح المعانی: آلوسی، ایضاً نجوم الفرقان، ایضاً مدونۃ الکبریٰ، ایضاً شرح الھدایہ، ایضاً فتح القدیر، ایضاً کتاب الاربعہ

(67) فی ظلال القرآن: سید قطب

(68) تفسیر کبیر: رازی ایضاً مظہری ایضاً قرطبی

(69) فی ظلال القرآن: سید قطب

(70) تفسیر القرآن الحکیم: علامہ رشید رضا

(71) تفسیر کبیر: رازی ایضاً خازن ایضاً مظہری ایضاً زاد المسیر

(72) روح المعانی: آلوسی

(73) تفسیرات حسن بصری: ڈاکٹر شیر علی اکوڑوی ایضاً زاد المسیر

(74) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً لسان العرب ایضاً مصباح المنیر ایضاً احکام القرآن جصاص رازی ایضاً تفسیر کبیر ایضاً قرطبی ایضاً خازن ایضاً مدارک التنزیل ایضاً ملا جیون

(75) تفسیر نمونہ: قلم کاروں کی ایک جماعت

(76) تفسیر خازن: علی بن محمد خازن شافعی ایضاً تفسیر مظہری ایضاً تفسیر صاوی ایضاً سیوطی

(77) احکام القرآن: جصاص رازی ایضاً قرطبی ایضاً مظہری ایضاً ابن عربی

(78) المفردات: راغب اصفہانی

(79) لسان العرب: ابن منظور ایضاً محیط

(80) تاج العروس: زبیدی حنفی

(81) تاج العروس: زبیدی حنفی

(82) نجوم الفرقان: بھتر الوی

(83) نجوم الفرقان: بھتر الوی

(84) الجامع الصحیح: محمد بن اسماعیل بخاری کتاب البیع

(85) تفسیر مظہری: پانی پتی

(86) احکام القرآن: جلال الدین قادری ایضاً مظہری

(87) تفسیر مظہری: پانی پتی

(88) نجوم الفرقان: بھتر الوی

(89) تفسیر مظہری: ثناء اللہ پانی پتی

(90) انوار التنزیل: بیضاوی، خازن ادہ ایضاً قونوی

(91) تفسیر کبیر: رازی

(92) مفاتیح الغیب: فخر الدین رازی

(93) الداو الدوا: ابن قیم جوزی ص: 175 عربی

(94) تفسیر مظہری: پانی پتی

(95) انوار التنزیل: بیضاوی

(96) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(97) تفسیر مظہری: پانی پتی

(98) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(99) تفسیر طبری: ابن جریر

(100) تفسیر القرآن: مظہری

(101) تفسیر مظہری: پانی پتی

(102) تفسیر المنار: رشید رضا ایضاً آلوسی و مظہری

(103) تفسیر مظہری: پانی پتی ایضاً آلوسی ایضاً خازن ایضاً رازی ایضاً شیخ زادہ ایضاً مجمع البیان

(104) تفسیر خازن: علامہ علی

(105) الجامع: قرطبی ایضاً نجوم ایضاً جامع

(106) مظہری: پانی پتی

(107) نجوم الفرقان: بھتر الوی

(108) تفسیر کبیر: فخر رازی

(109) انوار التنزیل: بیضاوی، ایضاً شیخ زادہ ایضاً قونوی

(110) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(111) تفسیر بیضاوی: بیضاوی
(112) حاشیہ بیضاوی: شیخ زادہ
(113) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً صابونی
(114) جامع البیان: ابن جریر
(114) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(115) تفسیرات حسن بصری: ڈاکٹر شیر علی
(116) مشکوۃ المصابیح باب عشرۃ النساء
(117) تفسیر نمونہ: قلمکاروں کی ایک جماعت
(118) القرآن سورۃ البقرہ 83، سورۃ الانعام 151، سورۃ اسریٰ 23، سورۃ النساء 36
(119) تفسیر کبیر: فخر رازی
(120) حقوق الیتیمی: فواد تہامی
(121) تفسیر خازن: علی الخازن
(122) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(123) تفسیر المنار: رشید رضا ایضاً نمونہ
(124) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(125) نجوم الفرقان: بھتر الوی
(126) تفسیر کبیر: رازی ایضاً آلوسی ایضاً قرطبی
(127) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً راغب
(128) تفسیر مظہری: پانی پتی
(129) تفسیر مظہری: پانی پتی
(130) الترغیب والترھیب: منذری
(131) مشکوۃ المصابیح کتاب اللباس
(132) نجوم الفرقان: بھتر الوی
(133) تفسیر خازن: علامہ علی الخازن
(134) تفسیر القرآن: علی الخازن
(135) الترغیب والترھیب: علامہ منذری
(136) تفسیر کبیر: فخر رازی ایضاً زمخشری
(137) التحریر: ابن عاشور ایضاً رازی ایضاً وھبہ ایضاً تاج وغیرہ
(138) تفسیر کبیر: رازی ایضاً مراغی
(139) معالم التنزیل: بغوی
(140) تفسیر کبیر: رازی
(141) روح البیان: اسماعیل حقی
(142) روح البیان: اسماعیل حقی
(143) الجامع لاحکام القران: قرطبی ایضاً ابن عطیہ ایضاً زمخشری ایضاً رازی ایضاً آلوسی ایضاً الجزائری ایضاً ابن کثیر ایضاً ابن عاشور
(144) حاشیہ جلالین: صاوی
(145) تفسیر عیاشی: محمد بن مسعود بن عیاش
(146) فی ظلال القرآن: سید قطب
(147) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(148) تفسیر مظہری: پانی پتی
(149) روح المعانی: آلوسی ایضاً کبیر ایضاً تفسیر نبوی ایضاً طبری
(150) تاج العروس: زبیدی ایضاً لسان العرب ایضاً قرطبی ایضاً رازی ایضاً محیط
(151) انوار التنزیل: بیضاوی ایضاً قرطبی ایضاً قونوی
(152) تفسیرات حسن بصری: ڈاکٹر شیر علی ایضاً الجامع لاحکام قرطبی ایضاً التفسیر المنیر ایضاً پانی پتی
(153) مجمع البیان: طبری
(154) تفسیر نمونہ: قلمکاروں کی ایک جماعت
(155) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً قرطبی ایضاً روح
(156) لسان العرب: ابن منظور ایضاً راغب ایضاً قرطبی ایضاً ابن عاشور
(157) تفسیر مظہری: پانی پتی
(158) تفسیر کبیر: رازی
(159) انوار التنزیل: بیضاوی
(160) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً ابن کثیر ایضاً روح البیان ایضاً طبری ایضاً در المنثور ایضاً نمونہ ایضاً کمالین ایضاً جامع البیان
(161) التفسیر المنیر: وھبہ
(162) المحرر الوجیز: ابن عطیہ
(163) الجامع لاحکام: قرطبی
(164) الجامع لاحکام: قرطبی
(165) زاد المسیر: ابن جوزی
(166) تفسیر کبیر: رازی

(167) الجامع لاحکام: قرطبی
(168) نمونہ: قلمکاروں کی جماعت
(169) فی ظلال القرآن: سید قطب
(170) معارف القرآن: مفتی محمد شفیع
(171) معارف القرآن: مفتی محمد شفیع
(172) الجامع لاحکام: قرطبی
(173) المحرر الوجیز: ابن عطیہ
(174) الجامع لاحکام: قرطبی
(175) احکام القرآن: طبری
(176) تفسیر کبیر: فخر رازی
(177) روح المعانی: آلوسی
(178) البحر المحیط: اندلسی
(179) تفسیر مظہری: ثناء اللہ پانی پتی
(180) روح البیان: اسماعیل حقی
(181) تفسیر کبیر: رازی
(182) تفسیر کبیر: فخر رازی
(183) روح البیان: اسماعیل حقی
(184) معالم التنزیل: بغوی
(185) تفسیر خازن: علی بن محمد بغدادی
(186) تفسیر ابن جریر: طبری ایضاً پانی پتی ایضاً خازن
(187) تفسیر مظہری: پانی پتی، ابن جریر، معالم التنزیل وجامع العلوم
(188) تبیان القرآن: سعیدی
(189) الجامع لاحکام: قرطبی
(190) تبیان القران: سعیدی
(191) سنن ابی داؤد رقم الحدیث 5279
(192) تبیان القرآن: سعیدی
(193) الامام الصادق: جحفی
(194) حرف حرف حقیقت: واصف علی واصف ص: 135
(195) فی ظلال القرآن: سید قطب
(196) فی ظلال القرآن: سید قطب
(197) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(198) تفسیر ابن جریر طبری: طبری ایضاً روح المعانی ایضاً ابن کثیر ایضاً قرطبی ایضاً کبیر ایضاً وہبہ
(199) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(200) روح المعانی: آلوسی ایضاً کبیر
(201) فی ظلال القرآن: سید قطب
(202) روح المعانی: آلوسی
(203) تفسیر مظہری: پانی پتی
(204) کشاف: زمخشری
(205) انوار التنزیل: بیضاوی
(206) تفسیر کبیر: رازی
(207) حاشیہ جلالین: صاوی ایضاً ثناء اللہ پانی پتی ایضاً نجوم
(208) تفسیر خازن: علی البغدادی
(209) فی ظلال القرآن: سید قطب
(210) ضیاء القرآن: پیر کرم شاہ ازہری
(211) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(212) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً معارف القرآن ایضاً ضیاء القرآن ایضاً بجتہ المجالس: ابن عبد البرّ
(213) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(214) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً مدارک التنزیل ایضاً نشر الطیب مصنفہ اشرف علی تھانوی
(215) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(216) اسباب النزول: واحدی ایضاً کشاف ایضاً رازی ایضاً طبری ایضاً قرطبی ایضاً ابن عاشور
(217) تفسیر طبری: ابن جریر
(218) اسباب النزول: واحدی ایضاً رازی ایضاً طبری ایضاً المنار ایضاً آلوسی ایضاً اسماعیل حقی ایضاً کمالین ایضاً ابن عاشور ایضاً درمنثور ایضاً قرطبی
(219) تفسیر کبیر: رازی
(220) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(221) تاج العروس: زبیدی حنفی

(222) تفسیر کبیر: رازی ایضاً واحدی

(223) تبیان القرآن: سعیدی

(224) المفردات: راغب اصفہانی ایضاً تاج ایضاً لسان

(225) تفسیر مظہری: پانی پتی ایضاً ابی السعود

(226) ایسر التفاسیر: الجزائری

(227) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی

(228) الکشاف: زمخشری ایضاً رازی

(229) الجامع لاحکام: قرطبی ایضاً رازی ایضاً وھبہ ایضاً الجزائری ایضاً المنار ایضاً اسباب النزول

(230) معارف القرآن: مفتی محمد شفیع ایضاً فی ظلال القرآن ایضاً تفسیر نبوی ایضاً الترغیب ایضاً مسلم شریف ایضاً مشکوٰۃ المصابیح

(231) معارف القرآن: شفیع

(232) تفسیرات حسن بصری: ڈاکٹر شیر علی ایضاً رازی وغیرہ

(233) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی

(234) انوار التنزیل: بیضاوی

(235) ضیاء القرآن: پیر کرم شاہ

(236) تفسیر کبیر: رازی

(237) تفسیر مظہری: پانی پتی

(238) تفسیر المنار: رشید رضا مصری

(239) تفسیر کبیر: رازی

(240) تفسیر مظہری: ثناء اللہ پانی پتی

(241) تفسیر مظہری: پانی پتی

(242) نجوم الفرقان: بھترالوی

(243) روح المعانی: آلوسی

(244) تفسیر کبیر: رازی

(245) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً راغب ایضاً التحقیق ایضاً قرطبی ایضاً رازی ایضاً واحدی

(246) جلالین: سیوطی ومحلی

(247) التحریر: ابن عاشور

(248) فی ظلال القرآن: سید قطب

(249) فی ظلال: سید قطب

(250) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی

(251) روح البیان: اسماعیل حقی

(252) تفسیر کبیر: رازی

(253) الجامع لاحکام: قرطبی وضیاء القرآن

(254) تفسیرات حسن بصری: ڈاکٹر شیر علی

(255) الجامع لاحکام: قرطبی

(256) قطرہ قطرہ قلزم: واصف ص: 187

(257) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(258) الکشاف: زمخشری ایضاً تاج العروس

(259) تفسیر کبیر: رازی

(260) الجامع لاحکام: قرطبی ایضاً رازی ایضاً زاد المسیر ایضاً اسباب النزول

(261) تفسیر قرطبی: قرطبی

(262) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی

(263) حاشیہ جلالین: صاوی

(264) معالم التنزیل: بغوی

(265) البحر المحیط: محشی ابوحیان اندلسی

(266) حاشیہ جلالین: صاوی

(267) تفسیر خازن: علی البغدادی ایضاً نجوم الفرقان

(268) تاج العروس: حنفی

(269) روح البیان بحوالہ تاویلات نجمیہ: اسماعیل حقی

(270) تفسیر خازن: علی البغدادی

(271) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(272) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(273) المفردات: راغب

(274) احکام القرآن: حصاص رازی

(275) احکام القرآن: جلال الدین بحوالہ بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی عن ابی موسیٰ

(276) تفسیر کبیر: رازی

(277) الجامع لاحکام: قرطبی

(278) روح المعانی: آلوسی

(279) درالمنثور: سیوطی
(280) فی ظلال القرآن: سید قطب
(281) احکام القرآن: جلال الدین ایضاً فی ظلال ایضاً رازی ایضاً قرطبی ایضاً روز بہان
(282) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(283) امن و آشتی رحمت کا جادہ: باقر الکریم مطبوعہ کوئٹہ بلوچستان ایضاً نمونہ ایضاً تفاسیر ماثورہ
(284) تفسیر کبیر: رازی
(285) تفسیر القرآن: ابن کثیر
(286) المفردات: راغب
(287) روح البیان: اسماعیل حقی
(288) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(289) معالم التنزیل: بغوی
(290) فی ظلال القرآن: سید قطب
(291) انوار التنزیل: بیضاوی الجامع لاحکام القرآن: قرطبی ایضاً تفسیر خازن ایضاً روح المعانی ایضاً تفسیر احمدی ملاجیون ایضاً مظہری ایضاً تفسیر نمونہ ایضاً شیخ زادہ
(292) تفسیر کبیر: رازی ایضاً احکام القرآن جصاص رازی ایضاً احکام القرآن جلال الدین
(293) روح المعانی: آلوسی ایضاً بغوی ایضاً صوفی ایضاً سید ابوالحسنات
(294) تفسیر خازن
(295) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً آلوسی ایضاً صابونی ایضاً وھبہ
(296) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(297) فی ظلال القرآن: سید قطب
(297A) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً اسماعیل حقی ایضاً مراغی ایضاً صابونی ایضاً جامع البیان ایضاً سیوطی
(297B) البحر المحیط: ابوحیان اندلسی
(298) التفسیرات حسن بصری: ڈاکٹر شیر علی
(299) المیزان: طباطبائی
(300) تفسیر قرطبی: قرطبی
(301) المفردات: راغب اصفہانی
(302) روح البیان: اسماعیل حقی ایضاً شیخ آنندی
(303) نجوم الفرقان: بھتر الوی
(304) تفسیر مظہری: پانی پتی ایضاً روح البیان ایضاً قرطبی ایضاً جصاص رازی
(305) فتاویٰ رضویہ: احمد رضا فاضل بریلوی کتاب القصر فی الصلوٰۃ
(306) تفسیر مظہری: ثناء اللہ پانی پتی
(307) تفسیر مظہری: پانی پتی ایضاً تفسیر ابن عباس ایضاً زاد المسیر ایضاً قرطبی
(308) التحریر: ابن عاشور ایضاً اکلیل ایضاً کمالین
(309) التفسیر المنیر: الزحیلی
(310) روح المعانی: آلوسی ایضاً جصاص رازی ایضاً مجمع البیان ایضاً طباطبائی ایضاً تفسیر حسنات ایضاً نمونہ
(311) جامع البیان: ابن جریر ایضاً سباب النزول ایضاً قرطبی ایضاً حاکم ایضاً ضیاء القرآن ایضاً ابن عاشور ایضاً اسماعیل حقی ایضاً معارف القرآن
(312) التفسیر المنیر: وھبہ الزحیلی
(313) تفسیر المنار: رشید رضا
(314) عرائس البیان: بقلی
(315) عرائس البیان: بقلی
(316) المفردات: راغب اصفہانی ایضاً مجمع البیان
(317) جامع البیان: ابن جریر طبری
(318) مواہب الرحمٰن: سید امیر علی
(319) نمونہ: قلمکاروں کی جماعت
(320) تفسیر کبیر: فخر رازی
(321) تاج العروس: زبیدی حنفی
(322) اقرب الموارد: شرتونی
(323) مجمع البیان: طبرسی
(324) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً صابونی
(325) تفسیر بغوی: بغوی ایضاً صابونی
(326) تفسیر القرآن: ابن کثیر بحوالہ سنن ابی داؤد
(327) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(328) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی
(329) انوار التنزیل: بیضاوی ایضاً ضیاء القرآن ایضاً وھبہ الزحیلی

(330) معالم التنزیل: بغوی

(331) التفسیر المنیر: وھبہ ایضاً ابن کثیر ایضاً صابونی ایضاً کبیر

(332) المفردات: راغب اصفہانی

(333) فی ظلال القرآن: سید قطب

(334) جلالین شریف: مفسر جلال

(335) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(336) تفسیر کبیر: رازی

(337) تفسیر نمونہ: قلمکاروں کی ایک جماعت

(338) تفسیر کبیر: رازی ایضاً اقرب الموارد ایضاً تاج العروس ایضاً التفسیر المنیر ایضاً اکلیل

(339) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(340) التفسیر البسیط: واحدی ایضاً معانی القرآن ایضاً تنویر المقیاس ایضاً مجمع البیان ایضاً الوسیط ایضاً قرطبی ایضاً فخر الرازی

(341) جامع البیان: ابن جریر طبری

(342) الوسیط: واحدی

(343) التفسیر البسیط: واحدی

(344) روح المعانی: آلوسی

(345) زاد المسیر: ابن جوزی

(346) زاد المسیر: ابن جوزی

(347) الجامع البیان: ابن جریر

(348) النکت والعیون: ماوردی

(349) تفسیر القرآن: ابن کثیر

(350) تاج: زبیدی حنفی

(351) تفسیر کبیر: رازی

(352) نجوم القرآن: بھتر الوی

(353) تفسیر کبیر: فخر رازی

(354) تفسیر خازن: علامہ خازن

(355) تفسیر قرطبی: علامہ قرطبی

(356) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی

(357) الجامع لاحکام القرآن: قرطبی

(358) مدارک التنزیل: نسفی

(359) اقرب الموارد: شرتونی ایضاً المنجد ایضاً تاج ایضاً لسان

(360) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی ایضاً المنجد ایضاً اقرب الموارد ایضاً محیط ایضاً قاموس

(361) التحریر: ابن عاشور ایضاً تفسیر خازن

(362) تفسیر مظہری: پانی پتی

(363) تفسیر خازن: علامہ خازن

(364) تفسیر مظہری: پانی پتی ایضاً خازن

(365) تفسیرات حسن بصری: شیر علی ڈاکٹر ایضاً زاد المسیر ایضاً خازن

(366) تفسیر مظہری: پانی پتی نجوم الفرقان ایضاً بغوی ایضاً ابن جریر طبری ایضاً واحدی

(367) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(368) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(369) روح المعانی: علامہ آلوسی

(370) جامع العلوم: سید جلال الدین مخدوم جہانیا جہاں گشت قلمی نسخہ مکتبہ ادارہ تعلیمات اسلامیہ

(371) تاج العروس: زبیدی حنفی

(372) المفردات: راغب اصفہان

(373) لسان العرب: ابن منظور ایضاً رازی ایضاً ابن عاشور

(374) تفسیر القرآن: زجاج

(375) روح المعانی: آلوسی

(376) المفردات: راغب

(377) لغات القرآن: پرویز کنوالہ فارسی

(378) تاج العروس: زبیدی

(379) رسالہ قشیریہ بحث الفتوت: امام قشیری

(380) جامع البیان: طبری

(381) دانائے سبل: چھٹہ

(382) الجامع الصحیح: محمد بن اسماعیل بخاری کتاب التفسیر

(383) جامع البیان: ابن جریر طبری

(384) تفسیر نمونہ: قلم کاروں کی ایک جماعت

(385) مجمع البیان: طبرسی ایضاً ابن عاشور ایضاً رضا مصری

(386) تفسیر الکریم الرحمٰن: عبد الرحمٰن سعدی

(387) تفسیر القشیری: امام قشیری

(388) روح المعانی: آلوسی حدیث مسند امام احمد بن حنبل

(389) القرآن سورۃ الانعام: آیت:152

(390) تفسیر المنار: رشید رضا ایضاً بغوی ایضاً ثعلبی ایضاً نمونہ ایضاً مجمع البیان ایضاً نعیمی

(391) تفسیر القشیری: امام قشیری

(392) زاد المسیر: ابن جوزی ایضاً النکت والعیون ایضاً الکشف والبیان

(393) فی ظلال القرآن: سید قطب

(394) ضیاء القرآن: کرم شاہ الازہری

(395) تاج العروس: زبیدی حنفی

(396) تفسیر حسنات: سید ابوالحسنات ایضاً جمل

(397) تفسیر الکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام المنان: عبدالرحمٰن بن ناصر سعدی

(398) روح المعانی: آلوسی

(399) روح المعانی: اسماعیل حقی ایضاً وھبہ ایضاً تفہیم

(400) احسن التفاسیر: احمد حسن دہلوی

(401) تفسیر القرآن: ابن کثیر ایضاً ابن عاشور ایضاً احسن التفاسیر

(402) فی ظلال القران: سید قطب ایضاً المیزان، ایضاً نمونہ ایضاً تفسیر حسنات ایضاً وھبہ ایضاً درمنثور

(403) تفسیرات حسن بصری: ڈاکٹر شیر علی ایضاً تفسیر طبری ایضاً روح المعانی ایضاً تفسیر حسنات ایضاً ابن عاشور

(404) الجامع الصحیح للبخاری باب نزول عیسیٰ

(405) مسلم شریف کتاب ایمان حدیث:247

(406) القرآن سورۃ الانعام آیت:146

(407) المفردات: راغب ایضاً ابن فارس ایضاً تاج ایضاً لغات القرآن ایضاً تاج العروس ایضاً لسان وغیرہ

(408) تدبر قرآن: امین اصلاحی

(409) تاج العروس: زبیدی حنفی

(410) محیط: شرتونی

(411) لسان: ابن منظور

(412) المفردات: راغب

(413) لغات القرآن: پرویز

(414) تاج: زبیدی حنفی

(415) تاج العروس: زبیدی حنفی

(416) نمونہ: قلمکاروں کی ایک جماعت

(417) روح المعانی: آلوسی

(418) تفسیر طبری: ابن جریر طبری

(419) مجمع البیان: طبری ایضاً تفسیر حسنات

(420) روح المعانی: آلوسی ایضاً وھبہ ایضاً طبری ایضاً صوفی ایضاً المنار ایضاً فی ظلال القرآن ایضاً کبیر

(421) روح المعانی: آلوسی

(422) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(423) التحریر: ابن عاشور ایضاً سعدی ایضاً رازی ایضاً ماوردی

(424) روح المعانی: آلوسی ایضاً بغوی

(425) روح البیان: اسماعیل حقی ایضاً سیوطی ایضاً نعیمی ایضاً حسنات ایضاً ابن عاشور

(426) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(427) تفسیر نعیمی: مفتی احمد یار خان بدایونی

(428) مفاتیح الغیب: رازی

(429) مفاتیح الغیب: رازی

(430) انوار التنزیل: بیضاوی ایضاً خزائن العرفان ایضاً قرطبی ایضاً مظہری

(431) المفردات: راغب

(432) تاج العروس: زبیدی حنفی ایضاً محیط

(433) المفردات: راغب، تاج، لسان

(434) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی

(435) تفسیر کبیر: رازی ایضاً تفسیر نعیمی ایضاً روح البیان ایضاً واحدی ایضاً بقلی ایضاً مواہب الرحمٰن

(436) روح المعانی: آلوسی ایضاً خازن ایضاً روح البیان

(437) المفردات: راغب اصفہانی

(438) تاج آلوسی: زبیدی حنفی ایضاً لسان العرب

❁❁❁❁❁